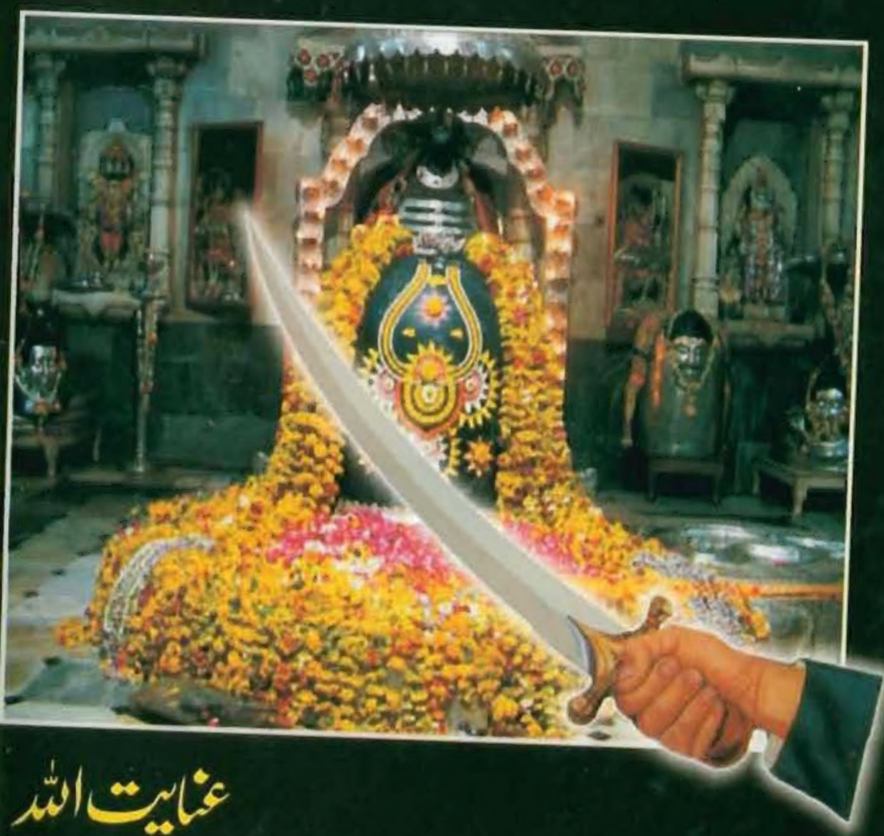
....اور ایک بُت شکنؒ پیدا ہوا

(حصہ سوم، حصہ چہارم)

(سلطان محمود غزنوی کے جہاد اور جاسوسوں کی جذباتی اور واقعاتی داستان)



عنایت اللہ

فہرست

رتن کماری، رضیہ اور راجیاپال

قنوج

پر غزنی کی فوج کا قبضہ تھا اور وہاں
سالار ابوالقدر سلجوقی قلعہ دار تھا۔ مہاراجہ راجیاپال
جو محاصرے سے پہلے ہی فرار ہوگیا تھا بھیس بدل کر قنوج کے قلعے میں
گیا تھا اور ابوالقدر سلجوقی سے درخواست کی تھی کہ وہ شکست تسلیم کر
چکا ہے اور اس کے عوض اُسے ایک مقام میں جس کا نام باری تھا،
راجدھانی قائم کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ ابوالقدر سلجوقی نے
اُسے اجازت دے دی تھی لیکن یہ بھی کہا تھا کہ معاہدے کی شرائط سلطان محمود
طے کریں گے۔ اُسی روز ایک قاصد کو غزنی روانہ کر دیا گیا تھا۔

سلطان محمود نے شرائط مقرر کر دی تھیں جو راجیاپال نے قبول کر لی تھیں۔ ان
میں اہم یہ تھیں کہ راجیاپال کسی بھی حالت میں غزنی کی فوج کے خلاف نہیں لڑے گا۔
اس کی نئی راجدھانی میں [illegible] کی فوج کے کچھ کمانڈر اور ان کا عملہ رہے گا جو نئی
ریاست کی فوج اور دیگر شعبوں پر نظر رکھے گا۔ راجیاپال پر کسی نے حملہ کیا تو غزنی
کی فوج اس کی مدد کو پہنچے گی۔ سلطان محمود نے اُس کی فوج کی حد مقرر کر دی تھی
اور اس کی ریاست باری کا دفاع اپنے ذمے لے لیا تھا۔

چونکہ مہاراجہ راجیاپال نے خود کہہ دیا تھا کہ اُس نے تمام تر خزانہ قنوج
سے نکال کر کہیں چھپا لیا تھا، اس لیے سلطان محمود نے اُس سے تاوان وصول

کرنے کا بھی حکم دیا۔ اس کے علاوہ اُسے باجگزار بھی بنا لیا گیا۔ سلطان محمود
نے غزنی سے ابوالقدر سلجوقی کو یہ حکم بھی دیا کہ راجیاپال پر نظر رکھی جائے اور
اس کے متعلق اطلاعات غزنی بھیجی جاتی رہیں۔ ان احکام سے پتہ چلتا ہے
کہ سلطان محمودؒ کو مہاراجہ قنوج کے ساتھ گہری دلچسپی تھی جس کی ایک وجہ
تو یہ تھی کہ وہ مہاراجہ قنوج کو مفلوج کیے رکھنا چاہتا تھا۔
مہاراجہ راجیاپال نے غزنی کے ساتھ تو دوستی کر لی مگر سارا ہندوستان
اُس کا دشمن ہوگیا۔ تین بڑے ہی طاقتور مہاراجے اُس کے خون کے
پیاسے ہوگئے۔ ان میں ایک کالنجر کا مہاراجہ گنڈا تھا جسے بعض مؤرخوں نے
نندہ رائے بھی لکھا ہے۔ دوسرا گوالیار کا راجہ ارجن تھا اور تیسرا لاہور کا
مہاراجہ ترلوچن پال تھا جو سلطان محمود کے سامنے نہیں آتا تھا کیونکہ وہ
سلطان کا باجگزار تھا لیکن اس نے اپنی فوج قنوج سے کچھ دور گھنے
جنگلوں میں رکھی ہوئی تھی۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ ترلوچن پال
نہیں بلکہ اُس کا بڑا بھائی بھیم پال نندہ تھا لیکن زیادہ تر نے اسے ترلوچن
پال ہی کہا ہے۔ وہ دوسرے مہاراجوں کے لیے ایک دھوکہ بنا ہوا تھا۔
انہیں کہتا تھا کہ وہ ضرورت کے وقت اپنی فوج سامنے لائے گا۔
یہ تینوں مہاراجے اس کوشش میں تھے کہ راجیاپال سلطان محمودؒ کی اطاعت
ترک کر دے اور ان کے ساتھ مل جائے مگر راجیاپال ان سب سے
قطع تعلق کیے رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ غزنی کے فوجی
حاکم اُس کے ساتھ تھے جو اُس پر نظر رکھتے تھے۔

*

ان میں ایک کمانڈر ذوالقرنین تھا جسے ہندوستان کی جنگوں کا تجربہ سب
سے زیادہ تھا اور وہ بھیرہ اور ملتان میں بہت عرصہ رہا تھا۔ اس عرصے میں اُس
نے اُس وقت کی ہندوستانی زبان سیکھ لی تھی اور وہ ہندوؤں کو بڑی اچھی

طرح سمجھتا تھا۔ اسی لیے اُس سے بارے میں مہاراجہ راجیاپال کا مشیر بنایا گیا تھا۔ وہ دراز قد اور خوبرو جوان تھا۔ ہنس مکھ اور ملنسار۔ وہ ہندوؤں میں بھی ہر دلعزیز تھا۔

ذوالقرنین نے ایک ہندو لڑکی رتن کماری کے ساتھ شادی کرلی تھی جو رتن کماری نہیں رہی تھی بلکہ رضیہ بن گئی تھی۔ یہ لڑکی اُسے متھرا میں ملی تھی لیکن یہ ملاقات بڑے ہی خوفناک حالات میں ہوئی تھی۔ فضا میں خون کی بو رچی ہوئی تھی اور اردگرد لاشیں گل سڑ رہی تھیں۔ غزنی کی فوج نے جب متھرا پر حملہ کیا تھا تو شہر سے باہر ایک خونریز معرکہ ہوا تھا۔ ایک دو روز پہلے طوفانِ بادوباراں نے تباہی مچائی تھی۔ ہندوستان کے کونے کونے سے ہندو متھرا کی پوجا کے لیے آئے تھے۔ بعض لوگ اپنے بال بچوں کو بھی ساتھ لائے تھے۔

متھرا کی فوج نے جلدی ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ ذوالقرنین اپنے دو سواروں کے ساتھ متھرا کے اردگرد گشت کر رہا تھا۔ ماحول بھیانک تھا۔ طوفان سے درختوں کے ٹہن ٹوٹ کے گرے ہوئے تھے۔ باہر سے آئے ہوئے ہندوؤں کے خیمے اکھڑے پڑے تھے اور لاشیں بھی تھیں۔ لڑائی میں زائرین کی کچھ تعداد ماری بھی گئی تھی۔

ذوالقرنین کو شام کے گہرے دھندلکے میں کسی کے بھاگتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے اُس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔ بھاگتے قدم رک گئے اور اُسے رونے اور سسکنے کی آوازیں سنائی دیں۔ ذوالقرنین نے گھوڑے سے اُتر کر دیکھا۔ اُسے ایک درخت کے گرے ہوئے ٹہن کی شاخوں میں ایک عورت یا کچھ بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ ذوالقرنین نے شاخوں میں سے ہاتھ بڑھا کر اُسے اٹھایا تو وہ اور زیادہ رونے لگی۔ اُس کے رونے میں دہشت زدگی نمایاں تھی۔ اس کا قد پرکشش اور لمبا تھا۔ قریب ہو کے دیکھا۔ وہ جوان لڑکی

تھی۔

"مجھے قتل کر دو" — وہ کانپتی ہوئی آواز میں فریادیں کرنے لگی — "مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ مجھے جان سے مار دو۔ اپنے ساتھ نہ لے جاؤ"۔

"ہم یہاں عورتوں کو قتل کرنے نہیں آئے لڑکی!" — ذوالقرنین نے کہا — "ہم عورتوں کی جان اور عزت کے محافظ ہیں۔ تم کہاں جانا چاہتی ہو۔ ہم تمہیں وہاں پہنچا دیں گے۔"

"میں مرنا چاہتی ہوں" — لڑکی نے روتے ہوئے کہا — "مجھے میرے ماں باپ کے پاس پہنچا دو۔"

"کیا وہ مر گئے ہیں؟"

"ہاں۔ وہ مر گئے ہیں" — لڑکی نے کہا — "میں جہاں سے اُٹھ کر دوڑی تھی وہاں ان کی لاشیں پڑی ہیں۔ میرا ایک جوان بھائی بھی مارا گیا ہے"۔

یہ لڑکی اپنے والدین اور بھائی کے ساتھ بڑی دُور سے آئی تھی۔ پہلے طوفانِ بادوباراں نے انہیں تباہ کیا پھر وہ دونوں فوجوں کی لڑائی میں کچلے گئے۔ لڑکی کہیں چھپ گئی تھی اس لیے بچ گئی۔ اب اپنے آپ کو غزنی کے فوجیوں کے قبضے میں دیکھ کر اُس کی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ ذوالقرنین اُسے اس حالت میں اکیلے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا مگر لڑکی اُس کے قدموں میں گر پڑی اور فریادیں کرنے لگی — "میں کنواری ہوں۔ کسی غیر مرد کے ساتھ جانے سے پہلے مر جانا چاہتی ہوں"۔

ذوالقرنین کو اسے اپنے ساتھ لے جانے میں بڑی سخت مشکل پیش آئی۔ وہ چلتی نہیں تھی۔ اُسے گھسیٹنا بھی پڑا اور اُٹھانا بھی پڑا۔ ذوالقرنین اسے بار بار کہتا تھا کہ ہمارے لیے یہ گناہ ہے کہ ایک نوجوان اور بے آسرا لڑکی کو اس خوفناک ماحول میں اکیلا چھوڑ جائیں۔ وہ لڑکی کو ساتھ لے کر اپنے اعلیٰ کمانڈر کے پاس چلا گیا۔ وہ وقت لڑکیوں اور بچوں کو سنبھالنے کا نہیں تھا۔ اُسے کہا گیا کہ اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہو تو رکھ لو۔ کسی ہندو کے حوالے کرنا چاہو تو کر دو لیکن یہ دیکھ لینا کہ تمہارے فرائض کے

راستے میں نہ آئے۔

یہ ہندو لڑکی ذوالقرنین کے فرائض کے راستے میں تو نہ آئی، اس کی زندگی میں ہمیشہ کے لیے آگئی۔ وہ چونکہ کماندار تھا اس لیے اُس کا خیمہ الگ تھا۔ لڑکی تمام رات اُس کے خیمے میں رہی۔ کانپتی رہی۔ روتی رہی۔ ذوالقرنین کی منت سماجت کرتی رہی اور اُس کی آنکھ لگ گئی۔ اس کی آنکھ کھلی تو اُس نے ذوالقرنین میں کوئی تبدیلی نہ دیکھی، نہ اُس میں کوئی تبدیلی آئی۔ اس کی رات ویسے ہی گزر گئی جیسے وہ باپ اور بھائی کے قریب سویا کرتی تھی۔

"کیا میں تمہیں اچھی نہیں لگی؟"۔۔۔ لڑکی نے ذوالقرنین سے پوچھا۔

"اگر تم مجھے اچھی نہ لگتیں تو تمہارا وہ خطرہ پورا ہو جاتا جس کے ڈر سے تم میرے ساتھ نہیں آ رہی تھیں"۔۔۔ ذوالقرنین نے کہا۔ "تم نے کہا تھا کہ تم کنواری ہو۔ میں کہہ رہا ہوں کہ تم بہت خوبصورت ہو۔ میں تمہیں پاک لڑکی سمجھتا ہوں اور پاک رکھوں گا۔ اب کہو کہاں جانا چاہتی ہو۔ دل سے سب خوف اتار دو"۔

لڑکی اُسے کچھ دیر دیکھتی رہی، پھر اُس کے پاؤں پکڑ لیے۔ ذوالقرنین نے اپنے پاؤں پیچھے کر لیے اور کہا۔ "ہمارے مذہب میں کسی انسان کو اجازت نہیں کہ کسی کو اپنے آگے سجدہ کرنے پر مجبور کرے۔ مجھے گنہگار نہ کرو..... کہو کہاں جانا ہے؟"

لڑکی نے آہ بھری اور بولی۔۔۔ "لڑکی کو ماں باپ کا گھر چھوڑ کر کہیں نہ کہیں تو جانا ہی ہوتا ہے۔ میرے ماں باپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ کہاں جاؤں؟"

"اگر میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو تمہیں اپنا مذہب چھوڑنا پڑے گا"۔۔۔ ذوالقرنین نے کہا۔ "تم تھوڑے ہی دنوں بعد محسوس کرو گی کہ تم نے اچھا کیا ہے کہ اپنا مذہب چھوڑ دیا ہے"۔

لڑکی خاموش ہو گئی پھر گہری سوچ میں کھو گئی۔ ذوالقرنین اُسے بتانا نہیں چاہتا تھا کہ وہ اُس کے دل میں اُتر گئی ہے۔ وہ بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ اُس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ اس لڑکی کو وہ اپنی بیوی بنا لے ورنہ یہ اُس کے فرائض کے راستے میں حائل ہو جائے گی۔ غزنی کا یہ کماندار کچھ دیر کے لیے تو اپنے فرائض کو بھول گیا تھا۔

"میں تم پر کوئی شرط عائد نہیں کر رہا"۔۔۔ ذوالقرنین نے کہا۔ "اور میں تمہیں مجبور سمجھ کر تم پر اپنا فیصلہ نہیں ٹھونس رہا۔ اگر جانا چاہو تو بتا دو"۔

"مجھے ہری کرشن کے قدموں میں بٹھا دو"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔ "میں ساری عمر مندر میں گزار دوں گی"۔

ذوالقرنین کا خون اُبل پڑا۔ اُس کی آواز میں غصے کی جھلک آگئی ۔۔۔ "اپنے آپ کو دھوکے نہ دو لڑکی! پتھر کے ہری کرشن کے سائے میں تم پنڈتوں کی داشتہ بنی رہو گی اور تمہاری ساری عمر اسی طرح گزر جائے گی۔ تم کمسن ہو۔ نادان ہو۔ اسی لیے مجھے تم سے ہمدردی ہے، ورنہ تم کیا ہو۔ ایک لڑکی ہو۔ ایک لڑکی سارا ہندوستان نہیں ہو سکتی۔ میں اتنی دور سے صرف ایک خوبصورت لڑکی کی خاطر نہیں آیا۔ میں ان بتوں کو توڑنے آیا ہوں۔ باہر نکل کر اپنے خداؤں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے دیکھو۔ انہیں انسان پاؤں تلے مسل رہے ہیں"۔

لیکن لڑکی مذہب میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہ مذہبی جنون ہی تھا کہ ماں باپ اُسے اتنی دور سے متھرا لائے تھے۔ وہ مذہب کی تبدیلی سے جیسے کانپنے لگی تھی۔ ذوالقرنین نے اُسے دوسری صورت یہ بتائی کہ وہ جہاں جانا چاہے اُسے وہاں تک پہنچا دیا جائے گا لیکن مندر میں نہیں جانے دے گا۔ لڑکی پر طوفان، لڑائی، خون اور لاشوں کی اور اپنے ماں باپ کی موت کی اتنی دہشت طاری تھی کہ وہ ذوالقرنین کے خیمے سے باہر نکلنے سے بھی گھبرا رہی تھی اور

اسی شخص کو اپنا پاسبان سمجھنے لگی تھی۔

وہ تین چار دن خیمے سے نہ نکلی اور کوئی فیصلہ بھی نہ کر سکی۔ ذوالقرنین کو متھرا سے آگے جانے کا حکم مل گیا۔ جب لڑکی نے دیکھا کہ وہ اکیلی رہ گئی ہے تو اُس نے ذوالقرنین سے بیتاب ہو کر کہا کہ وہ جہاں جا رہا ہے اُسے اپنے ساتھ لیتا چلے۔ ان تین چار دنوں میں لڑکی نے دیکھ لیا تھا کہ یہ گٹھا ہُوا، دراز قد جوان بہت نیک آدمی ہے یا پتھر ہے۔ وہ جو کچھ بھی تھا اس کنواری لڑکی کے لیے فرشتہ تھا۔

اُسی روز لڑکی کو فوج کے امام کے پاس لے جا کر مسلمان کر لیا گیا۔ وہ رتن کماری سے رضیہ بن گئی اور سالار کی اجازت سے ذوالقرنین اور رضیہ کی شادی ہو گئی۔ غزنی کی فوج کے چند اور حاکموں کی بیویاں بھی ساتھ تھیں۔ رضیہ کو اُن کے حوالے کر دیا گیا۔ ان عورتوں سے ذوالقرنین کو پتہ چلا کہ رضیہ اُسے فی الواقع فرشتہ سمجھتی ہے مگر اُسے یہ بھی بتایا گیا کہ وہ اسلام کے فرائض اور عبادات وغیرہ کو سمجھنے میں ہچکچاہٹ یا دشواری محسوس کرتی ہے یا اُس نے اسلام کو دل سے قبول نہیں کیا۔

*

ایک سال گزر گیا تھا۔ ذوالقرنین اب باری میں مہاراجہ راجیپال کے ساتھ تھا۔ راجیپال تو جیسے مر ہی گیا تھا۔ وہ اب جنگجو نہیں صرف مہاراجہ رہ گیا تھا۔ اُس کے پاس خزانے کی کمی نہیں تھی۔ وہ مہاراجوں کی شان و شوکت سے رہتا تھا۔ ناچنے اور گانے والیاں بھی موجود تھیں۔ اُس نے نئے سرے سے حرم بھی بنا لیا تھا۔ وہ غزنی کے فوجی افسروں کو جو باری میں رہتے تھے، راگ رنگ کی محفلوں میں مدعو کیا کرتا تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی نہیں جاتا تھا۔

باری میں مندر بھی تھا۔ پنڈت اور رشی بھی آ گئے تھے۔ سلطان محمود کے حکم کے مطابق وہ راجیپال کے مذہب میں دخل نہیں دیا کرتے تھے۔ سلطان

نے حکم بھیجا تھا کہ اسلام کی تبلیغ کی جائے اور ان کے سامنے اسلامی کردار کا نمونہ پیش کیا جائے۔ یہ کام فوجی کر رہے تھے۔ دو چار دنوں بعد ایک دو ہندو اسلام قبول کر لیتے تھے۔ ذوالقرنین نے رضیہ سے بھی کہہ رکھا تھا کہ وہ ہندو عورتوں کو بتاتی رہا کرے کہ مسلمانوں کا کردار کس قدر بلند ہے اور یہ بھی کہ اسلام کے احکام ہی ایسے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنا کردار پاک اور بلند رکھنا پڑتا ہے۔

رضیہ اسی کردار کی پرستار تھی۔ اس نے مسلمان مرد کا کردار اپنی آنکھوں دیکھا تھا۔ وہ ہندو عورتوں کے ساتھ اسی کا ذکر کرتی رہتی تھی۔

غزنی میں سلطان محمود غزنوی سلطنت کے اُلجھے ہوئے امور سلجھانے میں مصروف تھا اور اُن مسلمانوں کو اپنے محاذ پر لانے کی کوشش کرتا رہتا تھا جو اُس کے دشمن بنے ہوئے تھے مگر اُس کے کان ہندوستان کی طرف لگے رہتے تھے۔ وہ تھوڑی سی فوج کو ہندوستان کے دل میں بٹھا آیا تھا۔ متھرا ہندومت کا دل تھا۔ اسلام کا خنجر اس دل میں اُتر ہُوا تھا۔ کبھی ہو نہیں سکتا تھا کہ ہندو راجے مہاراجے خاموش بیٹھے رہتے۔

سلطان محمود کو یہ بھی احساس تھا کہ ہندو لڑنے والی قوم ہے ڈرنے والی نہیں۔ اُس نے دیکھا تھا کہ ہندو کس طرح جانیں قربان کرتے ہیں۔ ان میں خرابی یہ تھی کہ ان کے سالاروں کو لڑانے کا ڈھنگ نہیں آتا تھا۔ وہ ٹوٹ پڑنے اور کٹ مرنے کو لڑائی کہتے تھے۔ اس کے مقابلے میں سلطان محمود کا شمار تاریخ کے مانے ہوئے ذہین جرنیلوں میں ہوتا تھا۔ اُس کی جنگی چالیں ایسی تھیں جو دشمن کو جال میں پھانس لیتی تھیں۔ دشمن کے پاس دو ہی چالیں رہ جاتی تھیں۔ وہ ہتھیار ڈال دے، بھاگ اُٹھے یا دیواروں سے ٹکرانے کے انداز سے لڑے اور ختم ہو جائے۔

مذہب کے معاملے میں ہندو مسلمانوں سے کم نہیں تھے۔ ہندوؤں پر تو مذہب کا جنون طاری تھا۔ وہ مذہب کے نام پر لڑتے اور بے جگری

سے لڑتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ حق اور باطل کو نہیں سمجھتے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی ٹکر حق سے ہے اور وہ سچے خُدا کے نام لیواؤں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ انہیں کوئی بتاتا نہیں تھا کہ حق پرستوں کے ساتھ خُدا ہوتا ہے۔ یہ حق پرستی کا ہی کرشمہ تھا کہ خُدا نے سُلطان محمود کو وہ عسکری فہم و فراست، جرأت اور شجاعت عطا کی تھی جس کے آگے پہاڑوں کے سینے بھی چاک ہو جاتے تھے۔

سلطان محمود کہا کرتا تھا کہ سانپ کو آخر کار انسان کے ہاتھوں مرنا ہی ہوتا ہے لیکن انسان چوکنّا رہتا ہے کہ سانپ بے خبری میں ڈس نہ لے۔ وہ ہندوؤں کو سانپ اور بچھو کہا کرتا تھا جن کی فطرت صرف ڈنک مارنا تھا۔

"میں ہندوؤں سے غافل نہیں ہو سکتا"۔ اب بھی وہ اپنے سالاروں اور مشیروں وغیرہ سے کہہ رہا تھا۔ "ان کے سر ابھی کچلے نہیں گئے۔ میں ان کے ہتھیار ڈالنے سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ سانپ بِل میں چلا جائے یا اسے ٹوکری میں بند کر دو تو اس کی فطرت بدل نہیں جاتی۔ اس کا زہر ختم نہیں ہو جاتا۔ موقع ملتے ہی وہ ڈنک مارے گا۔"

وہ اکثر کہا کرتا تھا۔ "مجھے خدا اتنی لمبی عمر نہیں دے گا کہ میں محمد بن قاسم کی سرزمین کو ہندوؤں سے پاک کر سکوں۔ معلوم نہیں میرے بعد آنے والے اِدھر توجہ دیں گے یا نہیں۔ اگر انہوں نے ہندو کے ساتھ دوستی کر لی تو یہ اسلام کے ساتھ دشمنی ہو گی۔ ہندو جب تک زندہ ہے اسلام کو ڈستا رہے گا اور ہندوستان کی زمین مسلمانوں کے خون سے تر رہے گی۔ اُن کی مدد کو کوئی نہیں پہنچے گا جنہیں مدد کو پہنچنا ہو گا اُن پر ہندو اپنی دوستی کا اور اپنے پیار کا فریب طاری کیے رکھے گا۔ ہندو اُس بیوی کی مانند ہے جو خاوند کے پاؤں دھوتی ہے اور اُس کے جسم کا حصہ بنی نظر آتی ہے مگر اُس کی در پردہ آشنائی کئی مردوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ وہ خاوند کے لیے پیار میں لپٹا ہُوا فریب بنی رہتی ہے۔"

سلطان محمود کے پیر و مُرشد شیخ ابوالحسن خرقانی نے اُسے کہا تھا ــــ "دو قومیں ایک مٹّی کی اور ایک سانچے کی بنی ہوئی ہیں۔ ایک یہودی، دوسرے ہندو۔ اسلام دشمنی ان کی فطرت کا حصہ اور مذہب کا فریضہ ہے جس دَور میں مسلمان ان سے غافل ہوئے یا انہیں دوست بنا بیٹھے، وہ دَور اُمّتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زوال کا دَور ہو گا۔ ملّت اپنی دھار کھو بیٹھے گی۔ سلطنتوں اور ریاستوں میں بٹے ہوئے مسلمانوں کے حکمرانوں کو رعایا بنا لیں گے۔ ان کی زبانیں بند کر دیں گے اور انہیں ہندو اور یہودی کے خلاف بات کرنے سے روک دیں گے کیونکہ انہیں اپنی حکمرانی اور بادشاہی کا تحفظ اسلام کے ان دشمنوں کی خوشنودی میں نظر آئے گا۔ وہ اسلام کی تاریخ کا سیاہ دَور ہو گا۔ خدا کی یہ زمین مسلمانوں کے خون سے لال ہوتی رہے گی۔"

سلطان محمود اپنے اس روحانی پیشوا کی بات بڑی غور سے سُن رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں ٹھہر گئی تھیں اور اُس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اُس کی رُوح کانپ رہی ہے۔

"اور تمہاری اس سلطنت پر بے دین من مانی کریں گے"۔ ابوالحسن خرقانی کہہ رہے تھے ـــ "غزنی، کابل، قندھار، گردیز اُس قوم کے پاؤں تلے روندے جائیں گے جس کا کوئی دین نہیں اور جسے دین والے مسلمان اپنا ہمدرد سمجھیں گے۔"

"یا شیخ و مُرشدِ ما!" سلطان محمود نے تڑپ کر کہا "قوم پر آنے والی بدبختیوں کو میں آج کیسے روک سکتا ہوں؟ میں کیا کروں؟"

"تمہارا مقبرہ اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا"۔ شیخ خرقانی نے کہا "مستقبل کا خونی کھیل تمہارے اور میرے مقبروں کے اردگرد کھیلا جائے گا۔ ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔ کچھ کرنا ہے تو آج کر لو ..... اور وہ تم کر رہے ہو۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہوں گا کہ کیا نہ کرو۔ تم بار بار اُس طلسم میں جا رہے ہو

جسے ہندوستان کہتے ہیں۔ وہاں زر و جواہرات ہیں۔ عورت کا حسن ہے اور یہ حسن بے حجاب ہے۔ وہاں کے پیڑ پودوں میں حسن ہے۔ اگر تم اور تمہارے سالاروں اور تمہارے کمانداروں نے اپنے ذہن و دل اس طلسم سے آزاد رکھے تو تم وہ قلعہ تعمیر کر سکو گے جس کی دیواروں سے کفر ٹکرا ٹکرا کر اپنا سر پھوڑتا رہے گا۔"

"کبھی کبھار میری فوج کا کوئی فرد کسی ہندو لڑکی کے ساتھ شادی کر لیتا ہے" — سلطان محمود نے کہا — "اُسے باقاعدہ مسلمان کیا جاتا ہے۔ کیا یہ سلسلہ چلتا رہے یا اسے روک دوں؟"

"ایک حکایت سنو گے محمود!" — شیخ خرقانی نے کہا — "میری جوانی میں میرے والدِ بزرگوار مرحوم و مغفور کا ایک مرید ہوا کرتا تھا۔ تاجر تھا اور دولتمند۔ وہ کسی ملک سے چیتے کا بچہ لے آیا۔ میں نے دیکھا تھا۔ بڑا پیارا تھا۔ بلی کا بچہ لگتا تھا۔ وہ شخص اُسے گود میں بٹھا کر دودھ پلایا کرتا تھا۔ اپنے بستر میں سلایا کرتا تھا۔ بچہ بڑا ہوا تو اُسے پرندوں اور غزال کا گوشت کھلایا کرتا تھا۔ وہ جدھر جاتا، چیتا اُس کے ساتھ ہوتا۔ چیتے کو اپنے مالک کی بُو کے ساتھ بھی پیار تھا۔ ایک روز یہ شخص میرے والدِ بزرگوار کے پاس آیا۔ اُس نے اپنا بازو کہنی سے کلائی تک پٹیوں میں باندھ رکھا تھا۔ کہنے لگا چیتے نے کاٹ کھایا ہے۔ میرے والد نے کہا وہ تو تم سے پیار کرتا تھا۔ وہ شخص بولا، اُس نے پیار سے ہی کاٹا ہے لیکن دانت گوشت میں اتر گئے ہیں اور کھال اتر گئی ہے۔ بڑی مشکل سے خون بند ہوا۔ جسم سے آدھا خون بہ گیا ہے۔۔۔۔

"وہ چلا گیا تو والد نے مجھے کہا — کچھ سمجھے ہو حسن!۔۔۔ درندوں کے پیار میں بھی درندگی ہوتی ہے اور چیتا اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ انسان کو اپنا دشمن سمجھے۔ محمود! ہندو اور یہودی وہ درندے ہیں جن کے پیار میں بھی درندگی ہے اور وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں کہ مسلمان کو اپنا دشمن سمجھیں۔ تم خود سوچ لو کہ مسلمان ہندو عورتوں کے ساتھ شادی کریں یا نہ

کریں۔ ایک دوسرے کے جسموں سے لذت حاصل کی جا سکتی ہے مگر فطرت اس لذت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔"

*

سلطان محمود نے ایسا حکم تو جاری نہیں کیا تھا کہ کوئی فوجی کسی ہندو عورت کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا، البتہ اُس نے سالاروں اور فوج کے ساتھ جانے والے اماموں سے کہا تھا کہ وہ فوجیوں کو ہندو لڑکیوں میں دلچسپی نہ لینے دیں۔ اس کے باوجود بڑے ہی خاص حالات میں کوئی فوجی کسی ہندو عورت کے ساتھ شادی کر لیتا تھا۔ ان میں کماندار ذوالقرنین بھی تھا۔ اس لڑکی سے جو رتن کماری سے رضیہ بن گئی تھی، سالار ابوالقدر سلجوقی بھی متاثر ہو گیا تھا اور امام بھی۔ لڑکی کسمپرسی کی حالت میں تھی۔ یہ خبر سلطان محمود تک پہنچ گئی تھی اور اُس نے کسی نمایاں ردِعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔

ہندوستان سے قاصد باقاعدگی سے غزنی جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ وہ رپورٹیں بھی سلطان کے پاس جاتی تھیں جو ہندوستان میں بکھرے ہوئے جاسوس فراہم کیا کرتے تھے۔ ان کے مطابق لاہور کا مہاراجہ اپنی فوج سمیت راجدھانی سے غائب تھا۔ وہ دریائے جمنا اور گنگا کے دوآبہ سے باہر شمالی جنگلات میں کہیں روپوش تھا۔ جاسوسوں کو اُس کے ارادوں کا ابھی پتہ نہیں چلا تھا۔

ارادوں کی تکمیل کا منصوبہ کالنجر میں بن رہا تھا۔ وہاں کے مہاراجہ گنڈا کے محل میں گوالیار کا راجہ ارجن اور لاہور کا مہاراجہ ترلوچن پال بیٹھے تھے۔ ان کے ساتھ گوبند نام کا ایک ہندو اور کالنجر کا بڑا پنڈت بھی موجود تھے۔ ان کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ مہاراجہ قنوج راجیپال دھوکہ دے گیا ہے اور اُس نے خود مختاری کے پردے میں سلطان محمود کی غلامی قبول کر لی ہے۔ وہ اس مسئلے پر بحث کر رہے تھے کہ راجیپال کو کس طرح سلطان محمود کے خلاف کیا جائے۔

بحث جب زیادہ گرم ہوئی اور یہ سارا جے باتوں پر ہی زور دینے لگے تو اُن کے درمیان سونے کی چوڑیاں آپڑیں۔ سب نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُن کی نظریں ذرا اوپر اُٹھیں اور کمرے کے اندر کھلنے والی شاہ نشین سے گرے باریک ریشمی پردے پر رُک گئیں۔ یہ شاہ نشین بالاخانے پر تھی۔ وہاں دربارِ عام کے دوران رانیاں اور راجکماریاں بیٹھا کرتی تھیں۔ اس باریک پردے کے پیچھے ایک عورت کھڑی نظر آرہی تھی جو سر تا پا برہنہ تھی۔ سب کی نظریں جھک گئیں۔

"یہ چوڑیاں پہن لو"۔ پردے کے پیچھے سے عورت کی آواز آئی — "نظریں مت جھکاؤ۔ میں تمہاری عزت ہوں۔ میں بھارت ماتا ہوں۔ میں اندرا دیوی ہوں۔ دیکھ لو مجھے۔ میں ننگی ہوں۔ تم نے مجھے ننگا کیا ہے۔ تم میں شرم نہیں رہی۔ نظریں کیوں جھکالی ہیں؟"

وہ مہاراجہ گنڈہ کی رانی تھی۔ گنڈہ غصے سے اُٹھا۔

"یہاں سے چلی جاؤ شکنت!" — اُس نے کہا "میں اب تمہارے سامنے اُس وقت آؤں گا جب شوجی اور ہری کرشن مہاراج کی توہین کا انتقام لے چکوں گا۔ جب تک غزنی کا ایک بھی سپاہی بھارت ماتا میں موجود ہے، مجھ پر تمہارا چہرہ اور جسم حرام ہے"۔

"تمہاری رگوں میں راجپوتی خون کی جگہ شراب دوڑ رہی ہے"— رانی نے کہا "تم غیرت والے ہوتے تو اس محل میں بیٹھے شراب نہ پی رہے ہوتے۔ تم اُن جنگلوں میں کیوں نہیں چلے جاتے جہاں تم نے ماؤں کے سپوت مسلمانوں سے مروا دیئے ہیں۔ تم اُن مندروں کے ملبے تلے دب کر مر کیوں نہیں گئے جنہیں ناپاک مسلمانوں نے تباہ و برباد کردیا ہے"۔

"رانی شکنت!"— مہاراجہ گنڈہ گرج کر بولا "تم یہاں سے چلی کیوں نہیں جاتیں؟"

پنڈت اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس دور میں پنڈت مہاراجوں اور اُن کے

فوجی افسروں پر چھائے رہتے تھے۔ بعض علاقوں میں اُن کا حکم چلتا تھا۔ اُس نے رانی کو ایسے پردے کے پیچھے برہنہ کھڑے دیکھا جہاں سے وہ نظر آرہی تھی، وہ آگ بگولے کی طرح اُٹھا اور مہاراجوں سے مخاطب ہوا:

"آپ کہتے ہیں کہ رانی کیوں نہیں جاتی؟"— اُس نے ایسی آواز میں کہا جس میں غصہ بھی تھا طنز بھی۔ "میں کہتا ہوں رانی اسی حالت میں ہمارے سامنے کیوں نہیں آجاتی تاکہ ہم اچھی طرح دیکھ سکیں کہ ایک ننگی، بے مذہب اور بے غیرت قوم کیسی ہوتی ہے۔ دو سال ہوگئے ہیں۔ تم نے باتوں کے سوا کیا کیا ہے؟ کیا یہ بہتر نہیں کہ تلواریں پنڈتوں اور عورتوں کو دے دو کہ وہ لڑیں اور تم یہاں شراب پیو اور ناچنے والیوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناؤ؟ اب تو دیوتاؤں کو تمہاری قسموں کا بھی اعتبار نہیں رہا"— اُس نے اوپر دیکھا اور بولا— "چلی جاؤ رانی! میں ان مہاراجوں کے ماتھوں پر پسینے کے قطرے دیکھ رہا ہوں۔ شاید ندامت کے یہ قطرے ان کے خون کو گرما دیں گے"۔

رانی چلی گئی اور پیچھے ایسا سکوت طاری ہوگیا جس میں غزنی کی فوج کے لیے طوفان پرورش پا رہا تھا۔ تینوں مہاراجے ایک دوسرے سے آنکھ ملانے سے گھبرا رہے تھے۔

"قنوج کے قلعے میں غزنی کی فوج کی نفری پوری ایک ہزار بھی نہیں"— پنڈت نے کہا— "تم حملہ کرو تو لڑائی کے بغیر اس نفری سے ہتھیار ڈلوا سکتے ہو۔ ان کی مدد کو کون آئے گا؟"

"ان ایک ہزار کو مار لوگے تو کیا حاصل ہوگا؟"— گوالیار کے راجہ ارجن نے کہا— "محمود طوفان کی طرح آئے گا اور ایسا انتقام لے گا جسے ہندوستان کی تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی"۔

"لڑائیاں لڑنا اور لڑانا آپ کے بس کی بات نہیں پنڈت جی مہاراج!"
— مہاراجہ گنڈہ نے کہا — "ہمیں سلطان محمود کی جنگی طاقت کو بیکار کرنا ہے۔ ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم سب مل کر غزنی پر چڑھائی کر سکتے ہیں؟... ہمیں وہ منبع بند کرنا ہے جہاں سے یہ سیلاب آتا ہے۔"

"آپ کے لیے یہ ممکن نہیں" — پنڈت نے کہا — "لاہور کے مہاراجہ ترلوچن پال آپ کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ ان کے دادا مہاراجہ جے پال نے غزنی پر کتنے حملے کیے تھے اور اُن کا کیا حشر ہوا تھا۔ یہی ناکہ چتا پر کھڑے ہو کر انہوں نے اپنے آپ کو زندہ جلا ڈالا تھا... میں مہاراجہ ترلوچن پال سے پوچھتا ہوں کہ مسلمان متھرا کو صاف کر گئے، بلند شہر اور منج کو تباہ کر گئے اور انہوں نے قنوج پر قبضہ کر لیا۔ مہاراجہ لاہور نے کیا کیا؟ اپنی فوج کو قریب ہی جنگل میں چھپائے رکھا اور دوسروں کو لڑنے کی شہ دیتے رہے۔"

"میں جو چال چلنا چاہتا تھا اس کا مجھے موقع نہیں ملا" — لاہور کے مہاراجہ ترلوچن پال نے کہا — "میں غزنی کی فوج پر عقب سے حملہ کرنا چاہتا ہوں مگر کسی بھی جگہ لمبا مقابلہ نہ ہوا۔ محمود ایک ایک دن میں ایک ایک قلعہ فتح کرتا گیا۔ قنوج سے راجیا پال پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ میں نے دشمن کی پیٹھ دیکھی ہی نہیں۔"

"ترلوچن مہاراج!" — مہاراجہ گنڈہ نے کہا — "مجھے آپ کی یہ چال پسند نہیں آئی۔ اگر آپ اپنی فوج غزنی کے سلطان کے راستے میں لے آتے تو وہ اتنی جلدی آگے نہ بڑھتا۔ حالات کچھ اور ہوتے۔"

"مہاراجہ ترلوچن پال کی چال کو میں سمجھتا ہوں" — پنڈت نے کہا — "یہ اپنی فوج گنگا جمنا کے دوآبے میں صرف اس لیے لیے پھرتے رہے کہ جنگ کو لاہور سے دُور رکھیں اور دوسروں کو لڑاتے رہیں۔"

ترلوچن پال بھڑک اٹھا اور چلّا چلّا کر کہنے لگا کہ اُس کی توہین کی جا رہی ہے۔

"میں اس کی معافی مانگ لیتا ہوں" — پنڈت نے کہا — "لیکن ہمیں یہ یقین دلا دیں کہ اب آپ اپنی فوج سامنے لے آئیں گے اور اعلان کر دیں گے کہ آپ غزنی کے باجگزار نہیں ہیں۔"

اس محفل کی صورت اجلاس کی تھی۔ اجلاس کی صورت ہنگامہ خیز ہو گئی۔ تب وہ آدمی بولا جو فوجی نہیں تھا۔ اُس کا نام گوبند تھا۔

"اگر آپ جیسے دس اور مہاراجے اپنی فوجیں لے کے آ جائیں تو بھی غزنی والوں کو شکست نہیں دے سکتے" — گوبند نے کہا — "جو میں جانتا ہوں وہ آپ نہیں جانتے۔ کیا آپ میری عقل اور ذہانت کی تعریف نہیں کریں گے کہ قنوج کے قلعہ دار سالار ابوالقدر سلجوقی کے ساتھ دوستی جتنی میری گہری ہے اتنی اُس کے اپنے کسی آدمی کے ساتھ نہیں؟ وہ مجھے اپنا جاسوس سمجھتا ہے، مگر میں اُس کے سینے میں سے راز نکال کر آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ میں آپ کی آنکھیں اور کان ہوں۔ یہ میں اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپس کی چپقلش کو بھول کر آپ میری باتیں غور سے سنیں۔"

سب خاموش ہو کر اُس کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ سب گوبند کی قابلیت کے مداح تھے۔ وہ اُن کا جاسوس تھا۔ انہیں صحیح اور بروقت خبریں دیتا رہتا تھا۔ اُس نے سالار ابوالقدر کا اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ اُس نے اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا تو ہندو اسے اپنے قریب بھی نہیں بیٹھنے دیں گے۔ وہ دوہری یا دوغلی جاسوسی کر رہا تھا۔ اُس کے اس فریب سے نہ ہندو مہاراجے واقف تھے نہ غزنی کے فوجی حکام جو قنوج کے قلعے میں مقیم تھے۔ وہ دونوں سے دولت سمیٹ رہا تھا۔

*

اب وہ مہاراجوں کے اجلاس میں بیٹھا انہیں بتا رہا تھا — "آپ پہلے ہی یہ مشورہ کر چکے ہیں کہ قنوج پر حملہ کیا جائے کیونکہ وہاں غزنی کی فوج

صرف ایک ہزار ہے۔ آپ آئندہ اس اقدام کو ذہن میں نہ لانا۔ راجیا پال کی نئی راجدھانی باری کو بھی غزنی والوں نے اپنا فوجی اڈہ بنالیا ہے۔ وہاں اتنا امن اور سکون ہے کہ قنوج سے جو ہندو خاندان بھاگ گئے تھے وہ باری میں آباد ہوگئے ہیں۔ راجیا پال کی فوج بھی وہیں ہے جسے غزنی کے فوجی تربیت دے رہے ہیں۔ غزنی والوں کا سلوک اتنا اچھا ہے کہ اب تک کئی ہندو فوجی مسلمان ہو چکے ہیں۔ ہندوؤں کی جوان لڑکیاں بھی اسلام قبول کر رہی ہیں...

"راجیا پال کا بیٹا بھیم پال بھی وہیں ہے۔ وہ بہت پریشان ہے۔ اس کے دل میں مسلمانوں کی دشمنی جوش مار رہی ہے مگر وہ اپنے باپ کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ اس نے مجھے یہاں تک کہا ہے کہ وہ اپنے باپ کو قتل کرنا چاہتا ہے لیکن وہ غزنی والوں کے انتقام سے ڈرتا ہے۔ اس وقت مہاراجہ راجیا پال غزنی والوں کا دوست ہے۔ میں نے وہاں کے حالات کا جو جائزہ لیا ہے، ان کے پیش نظر مجھے ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ راجیا پال کو ایسے خفیہ طریقے سے قتل کرایا جائے کہ غزنی والوں کو شک تک نہ ہو کہ انہیں آپ نے قتل کرایا ہے۔"

مہاراجہ گنڈہ نے اپنی ران پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔ "میں یہی سوچ رہا تھا۔ اگر راجیا پال مر جائے یا مارا جائے تو ہم اس کے بیٹے بھیم پال کو اپنے ساتھ اس طرح ملا سکتے ہیں کہ وہ غزنی والوں کا دوست بنا رہے اور جب ہم سب اپنی فوجوں کی ایک متحدہ فوج بنالیں تو بھیم پال غزنی کے فوجی حاکموں کو قید میں ڈال کر اعلان کر دے کہ وہ غزنی کا باجگزار نہیں اور اسے غزنی کی اطاعت قبول نہیں۔ سلطان محمود فوج کشی کرے گا۔ ہم اب ٹکڑے ہو کر نہیں لڑیں گے۔"

سب نے اپنی رائے دی اور طے ہوا کہ مہاراجہ راجیا پال کو قتل کر دیا جائے مگر اصل مسئلے کا حل کسی کے پاس نہ تھا کہ قتل کون کرے اور کس طرح

کرے۔ گوبند نے کہا کہ راجیا پال مسلمانوں کا قیدی ہے اور اس کے محافظ جیش میں تین چار غزنی کے فوجی ہیں۔ کسی نے مشورہ دیا کہ اس کے دربار کی کسی ناچنے گانے والی سے اسے زہر دلایا جائے۔ یہ مشورہ اس لیے رد کر دیا گیا کہ راز فاش ہو جائے گا۔ کوئی پیشہ ور عورت یہ کام نہیں کرے گی۔

"ایک طریقہ میرے ذہن میں آیا ہے"۔ پنڈت نے کہا۔ "مجھے آپ اپنا ایلچی بنا کر مہاراجہ راجیا پال کے پاس بھیجیں۔ میرے ساتھ آپ کچھ اور آدمی بھی بھیجیں گے۔ میں باری سے باہر خیمہ زن ہو جاؤں گا اور راجیا پال کو پیغام بھیجوں گا کہ کالنجر کا ایلچی آیا ہے اور وہ اپنی خیمہ گاہ میں مہاراجہ کو مدعو کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ آگیا تو میں اسے وہ زہر دوں گا جو آہستہ آہستہ اثر کرے گا۔ وہ دو تین روز بعد بیمار پڑ جائے گا۔ کسی کو شک تک نہ ہوگا کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔ پندرہ دنوں تک وہ پیٹ کی بیماری سے مر جائے گا لیکن زہر دینے سے پہلے میں اسے قائل کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ غزنی والوں کا دوست بنا رہے لیکن وقت پر انہیں ایسا دھوکہ دے جیسے پیٹھ میں خنجر مارا جاتا ہے۔ میں دیکھ لوں گا کہ وہ ہمیں دھوکہ دے گا یا سلطان محمود کو۔ میں اس کے مطابق فیصلہ کروں گا کہ اسے زندہ رہنے دیا جائے یا ختم کر دیا جائے۔"

"غزنی والے اسے باہر نہیں جانے دیں گے"۔ گوبند نے کہا۔ "آپ کوشش کر دیکھیں۔ میں سالار ابوالقدر کے اعتماد کا آدمی ہوں۔ مجھے بھی راجیا پال سے ملنے کی اجازت نہیں.... ہاں ایک طریقہ ہے۔ مہاراجہ راجیا پال خوبصورت اور جوان لڑکیوں کا شیدائی ہے۔ اگر آپ دو تین لڑکیاں ساتھ لے جائیں اور کسی طرح اس کے کان میں ڈال دیں کہ آپ جو تحفے لائے ہیں ان میں اس کی پسند کا مال بھی ہے تو وہ غزنی والوں کی منت سماجت کر کے بھی آپ کے پاس آ جائے گا۔"

"طریقہ کوئی بھی اختیار کیا جائے"۔ گوالیار کے راجہ ارجن نے کہا۔ "اور کوئی بھی راجیپال کو قتل کرے، میں اُسے سونے سے اور جاگیر سے مالا مال کر دوں گا اور اُسے اتنی حسین لڑکی ہمیشہ کے لیے دے دوں گا جو اُس نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی"۔

اُس نے گوبند کی طرف دیکھا اور اُسے کہا۔ "تم یہ کام کر سکتے ہو۔ تم وہاں کے بھیدی ہو۔ کوئی راستہ، کوئی طریقہ نکال لوگے... پنڈت مہاراج بھی چلے جائیں۔ دونوں میں جو بھی کامیاب ہو گیا وہ میری ریاست کا سب سے زیادہ امیر اور سب سے بڑی جاگیر اور سب سے خوبصورت داشتہ کا مالک ہوگا۔ اس کے بعد ہم طے کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے"۔

چند دنوں بعد گوبند قنوج کے قلعے میں سالار ابوالقدر سلجوقی کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اُسے بتا رہا تھا کہ کالنجر میں کیا منصوبہ بنا ہے۔ وہاں جو باتیں ہوئی تھیں وہ سب سنا دیں اور یہ بھی بتایا کہ مہاراجہ راجیپال کے حفاظتی انتظامات اور زیادہ سخت کر دیئے جائیں۔

"لاہور کے مہاراجہ ترلوچن پال کی فوج کہاں ہے؟"۔ سالار سلجوقی نے پوچھا۔

"یہاں سے زیادہ دُور نہیں"۔ گوبند نے جواب دیا۔ "ابھی یہ پتہ نہیں چلا کہ کس مقام پر ہے۔ ہو سکتا ہے وہ لاہور واپس چلا جائے لیکن سب سے زیادہ خطرناک آدمی وہی ہے... میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ راجیپال کو یہ تمام مہاراجے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ میں سے کوئی بھی ہر ملازم، محافظ یا دربار کے ہر آدمی کو نہیں پہچانتا۔ میں سب کو پہچانتا ہوں۔ مجھے اُس کے قریب کہیں رہنے دیا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُسے کوئی دھوکے میں قتل کر دے۔ اس کے بیٹے بھیم پال کو اس سے دور رکھا جائے اور اُس پر کڑی نظر رکھی جائے"۔

گوبند کی اب کوشش یہ تھی کہ اُسے راجیپال کے قتل کا موقع مل جائے کیونکہ اسے بہت بڑے انعام کی توقع تھی مگر سالار سلجوقی نے اُسے اتنی ہی اجازت دی کہ وہ راج محل کے ارد گرد بلا روک ٹوک گھوم پھر سکتا ہے، تنہائی میں راجیپال سے نہیں مل سکتا۔

سالار سلجوقی کے لیے گوبند کی لائی ہوئی اطلاعیں قیمتی تھیں۔ اُس نے گوبند کو انعام و اکرام دے کر کہا کہ وہ باری چلا جائے اور راج محل کے قریب رہ کر مشکوک آدمیوں پر نظر رکھے۔ کماندار ذوالقرنین کو سالار سلجوقی نے پیغام بھیجا کہ راجیپال سے کوئی ایلچی ملنے آئے تو اُسے ملاقات کی اجازت نہ دی جائے۔

تین چار روز بعد کالنجر کا پنڈت ایلچی بن کر پہنچ گیا اور اُس نے راجیپال کو پیغام بھیجا کہ ایلچی اُسے باہر ملنا چاہتا ہے۔ ذوالقرنین نے پیغام لانے والے کو راجیپال کے پاس جانے ہی نہ دیا۔ پنڈت مایوس ہو کر واپس جانے لگا تو گوبند اُس کے پاس پہنچ گیا اور اُسے بتایا کہ راجیپال مسلمانوں کا قیدی ہے اور اُس پر پابندیاں زیادہ ہو گئی ہیں۔ پنڈت نے اُسے کہا کہ وہ راجیپال کے قتل کا انتظام کرے۔

گوبند مہاراجوں کا بھی نمک خوار تھا۔ اُس نے ان پر مزید اعتماد پیدا کرنے کے لیے پنڈت سے کہا کہ وہ راجیپال کے بیٹے بھیم پال کو اپنے ساتھ لے جائیں ورنہ سالار ابوالقدر سلجوقی اُسے قید کر دے گا۔ گوبند نے پنڈت کو بتایا کہ بھیم پال میں جوانی کا خون ہے۔ اُس نے کچھ ایسی حرکتیں کی ہیں جن سے غزنی والوں کو اُس کی نیت پر شک ہو گیا ہے اور وہ اُس کی نظر بندی کی باتیں کر رہے ہیں۔

وہاں سے گوبند بھیم پال کے پاس گیا اور اُسے بھی یہی باتیں بتائیں۔

بھیم پال چوری چھپے چلا گیا اور گوبند سے کہہ گیا کہ وہ اس کے باپ کو قتل کرا دے۔ اُس نے بھی گوبند کو ایسا انعام دینے کا وعدہ کیا جس سے گوبند کا دماغ

اور زیادہ روشن ہو گیا۔

سالار ابوالقدر سلجوقی نے ایک قاصد غزنی کو اس رپورٹ کے ساتھ روانہ کر دیا جو اُسے گوبند نے دی تھی۔ اُس نے پیغام میں یہ بھی لکھوایا کہ یہاں کے مہاراجوں کا کوئی بھروسہ نہیں بہتر ہو گا کہ فوج کا ایک سوار دستہ بھیج دیا جائے تاکہ محاصرے یا حملے کی صورت میں مزید فوج آنے تک دشمن کو روکا جا سکے۔

ادھر گوبند نے راجپال کے راج محل میں آنے جانے کی اجازت حاصل کر لی تھی اور وہ اب اس سوچ میں رہنے لگا کہ راجپال کو کس طرح قتل کیا جائے۔ وہ چونکہ ہندو تھا اس لیے اُس کا اٹھنا بیٹھنا ہندوؤں کے ساتھ تھا۔ وہ مندر میں بھی جاتا تھا۔ وہ چونکہ جاسوس تھا اس لیے اُس نے مندر کے پنڈت کے ساتھ گہرے مراسم پیدا کر لیے تھے اور اُس کے ساتھ راجپال اور سلطان محمود کی باتیں بھی کر لیتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو مذہب پرست ظاہر کرتا تھا۔

ایک روز پنڈت نے اُسے بتایا۔" ایک ہندو لڑکی ہے جو مسلمان ہو چکی ہے اور اب کمانڈر ذوالقرنین کی بیوی ہے۔ مجھے ہندو عورتوں نے بتایا ہے کہ وہ مسلمان تو ہو گئی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مت اس کے دل سے پوری طرح نہیں نکلا۔ عورتیں بتاتی ہیں کہ اپنے خاوند کے ساتھ اُسے اتنی زیادہ محبت ہے کہ اُس کے مذہب کو اپنا مذہب سمجھتی ہے مگر جب وہ خاوند سے ہٹ کر ارد گرد دیکھتی ہے تو ہندو نظر آتی ہے۔ اُس نے عورتوں کو یہاں تک کہا ہے کہ اُس کے خاوند نے اُسے یہ کہہ رکھا ہے کہ وہ ہندو عورتوں میں اسلام کی تبلیغ کرتی رہا کرے۔ اس بہانے وہ ہندو عورتوں میں اٹھتی بیٹھتی ہے لیکن اسلام کی کوئی بات نہیں کرتی.... میں سوچا کرتا ہوں کہ اسے کس طرح اس مسلمان سے نجات دلائی جائے۔ دراصل ہندو مت اس کے خون میں بچپن سے شامل کر دیا گیا تھا۔ ذوالقرنین نے اس

بڑا ایسا احسان کیا ہے کہ وہ اُسی کی ہو کے رہ گئی ہے۔"

گوبند کے کان کھڑے ہوئے۔ اُس کا دماغ شیطانیت سے بھرا ہوا تھا اور وہ بڑا ذہین انسان تھا۔ وہ اس سوچ میں کھو گیا کہ کیا اس لڑکی کو راجپال کے قتل کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے!

سوچ سوچ کر اُس کے دماغ میں ایک ترکیب آ گئی۔ اُس نے پنڈت سے کہا کہ اُسے وہ اُن عورتوں سے ملا دے جن کے ساتھ وہ دل کی باتیں کیا کرتی ہے۔ پنڈت نے اُسے بتایا کہ وہ دو عورتوں کے ساتھ دریا میں نہانے کے لیے بھی چلی جایا کرتی ہے اور ذوالقرنین کو اس پر پورا بھروسہ ہے۔

دو تین روز بعد رضیہ دو ہندو عورتوں کے ساتھ دریا کی طرف جا رہی تھی۔ راستے میں درختوں اور جھاڑیوں کا جنگل تھا۔ ایک درخت کے نیچے ایک آدمی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اُس کی لمبی داڑھی تھی اور سر کے بال کندھوں پر پڑے ہوئے تھے۔ چہرے سے وہ مسلمان لگتا تھا مگر اُس کے لباس اور حلیے سے شک ہوتا تھا کہ وہ ہندو سادھو یا رشی ہے۔ اُس نے رضیہ اور اُس کے ساتھ دو عورتوں کو دیکھا تو سر اٹھایا۔ وہ انہیں بڑی غور سے دیکھ رہا تھا جب عورتیں اس کے قریب سے گزریں تو اُس نے انگلی اوپر اٹھا کر انہیں رُکنے کا اشارہ کیا۔ وہ رکیں تو اُس نے انہیں بٹھا لیا اور نظریں رضیہ کے چہرے پر گاڑ دیں۔

رضیہ کی نظریں جیسے اس شخص کی نظروں میں جکڑی گئی ہوں۔ وہ لڑکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے تھا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ رضیہ کے سر پر رکھ دیئے اور دونوں انگوٹھوں سے اس کی پیشانی کو آہستہ آہستہ ملنے لگا۔ عورتوں نے دیکھا کہ رضیہ کی آنکھیں ٹھہر گئی تھیں اور وہ سادھو کی آنکھوں میں ٹکٹکی باندھے ہوئے تھی۔ اُس پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

"روح بھٹک رہی ہے" ۔ سادھو نے ایسی آواز میں کہا جو بلند سرگوشی تھی ۔ "روح کہیں اور ہے جسم کہیں اور ہے ۔ روح پاک جسم ناپاک ہے ۔ ایک آنکھ میں کشن مراری دوسری آنکھ میں گھپ اندھیرا ہے ۔ اگلا جنم بڑا کٹھن ہے ۔ لومڑی کا روپ ملے گا ۔ لوگ مکار لومڑی کہیں گے ۔"

وہ اچانک جیسے بیدار ہو گیا ہو ۔ اس نے سر جھٹک کر کہا "جاؤ ... چلی جاؤ ... ایسی روحیں بھی ہوتی ہیں" ۔ وہ پریشان اور مضطرب ہو گیا اپنے آپ سے باتیں کرنے کے لہجے میں کہنے لگا "میں نہیں دیکھ سکتا ۔ تم نہیں دیکھ سکو گی ۔ ایک آنکھ کے اندھیرے میں کیا ہے ؟ ... تم برداشت نہیں کر سکو گی ... جاؤ ... مندر اور مسجد کے درمیان اندھیرا ہے ۔ اس میں ٹھوکریں کھاتی رہو ۔ اپنا انجام مت پوچھو ۔ سنو گی تو مر جاؤ گی ۔ مرو گی نہیں تو پاگل ہو جاؤ گی ۔"

اس کی پریشانی ، بے چینی اور اضطراب میں اور انداز میں پُراسرار تاثر تھا اور جس طرح اس نے رضیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مترنم سی سرگوشی میں بات کی تھی ، اس میں کچھ ایسا اثر تھا جیسے رضیہ ہپناٹائز ہو گئی ہو ۔ وہ فطرتاً ہندو تھی ۔ اس کے ساتھ ہندو عورتیں تھیں ۔ ہندو توہم پرست قوم ہے اور توہم پرستی ان کا مذہب ہے ۔ ان پر ایسا تاثر طاری ہو گیا کہ وہ سادھو کے آگے سے اٹھتی ہی نہیں تھی ۔ رضیہ کو ذوالقرنین کی محبت نے مسلمان تو کر لیا تھا لیکن اس کی فطرت سے ہندو مت نہیں نکلا تھا سادھو کے اشارے واضح تھے ۔ وہ سمجھ گئی کہ اس نے مسلمان ہو کر گناہ کیا ہے اور اس کی سزا اسے یہ ملے گی کہ اگلے جنم میں وہ لومڑی بنے گی ۔ یہ بھی ہندوؤں کا عقیدہ ہے ۔

ان عورتوں نے سادھو کی منتی چاپلی شروع کر دی ۔ وہ بولتا ہی نہیں تھا ۔ بولا تو اس نے بھجن گنگنانے شروع کر دیئے ۔ بڑی مشکل سے اس نے بات کی ۔

"اس لڑکی (رضیہ) کو دریا پر مت لے جاؤ" ۔ سادھو نے گمبھیر آواز میں کہا "متھرا کا مگرمچھ اسے سالم نگل لینے کے لیے آ گیا ہے ۔ ہم نے ویسے ہی اس لڑکی کو نہیں دیکھا تھا ۔ ہوا میں ایک بو آئی تھی جسے دنیا کا کوئی انسان نہیں سمجھ سکتا ۔ یہ اُن بدروحوں کی بو ہوتی ہے جو اپنے گناہوں کی آگ میں جل رہی ہوتی ہیں ۔ تم قریب آئیں تو یہ بو ہمیں اس لڑکی کے جسم سے آئی ۔ اس کی روح جو مرنے کے بعد بدروح بن جائے گی ، زندگی میں ہی جل رہی ہے ۔"

رضیہ نے گھبراہٹ اور خوف کے لہجے میں کہا "ہاں رشی جی ! میں گنہگار ہوں ۔ میں بہت بے چین ہوں ۔ ایک وہ انسان ہے جس نے میرے دل پر قبضہ کر لیا ہے ، دوسرا قبضہ میرے مذہب کا ہے میں نادان اور مجبور ہوں ۔"

"مگر پاپ جو ہو چکا ہے اس کی سزا سے کیسے بچو گی ؟"

"کیسے بچوں گی ؟" ۔ رضیہ نے پوچھا "مجھے بتائیں ۔ آپ ہی بتائیں روح کو سزا سے بچانے کے لیے میں اپنا جسم چتا پر جلا لوں گی ۔ اگلے جنم کے عذاب سے بچنے کے لیے میں اپنی جان کی قربانی دے دوں گی ۔"

"ہم بتاتے ڈرتے ہیں" ۔ سادھو نے کہا "ہمت ہے تو سنو ۔ پانی سے دور رہو ۔ قربانی ایک جان کی دینی ہے لیکن وہ جان تمہاری نہیں ہو گی" ۔ سادھو نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کے ہونٹ ہلتے رہے ۔ کچھ دیر بعد بولا "بہت بڑے آدمی کا خون کرنا ہے ... مہاراجہ کا خون ۔ پاپی کا خون ۔ ایسے مہاراجے کا خون جس نے اپنے بھگوان کو مسلمانوں کے حوالے کیا اور آج اُن کی نظر بندی میں خوش ہے ... سنو لڑکی ! نجات چاہتی ہو تو اپنے مہاراجہ کو قتل کرو ، پھر اپنے خاوند کو قتل کرو ۔ پہلے مہاراجہ کے خون کا تلک اپنے ماتھے پر لگاؤ ، پھر اس پر اپنے خاوند کے خون کا تلک لگاؤ ، پھر مندر میں چلی جانا ۔ تمہیں ایک اشارہ ملے گا ۔ روشنی نظر آئے

گی۔ یہ تمہاری نجات کی نشانی ہوگی۔"

"قتل؟" — رضیہ کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ اُس نے سرگوشی کی — "قتل!.... نہیں"۔

"راجپوت کی بیٹی پاپی کو قتل کرنے سے ڈرتی ہے؟" — سادھو نے کہا — "اگر ڈرتی ہے تو نہ کر۔ جل۔ مگر پھر کالی ناگن بن اور لومڑی بن کے واپس آ۔ اسی مہاراجہ کے کتے تمہارا شکار کریں گے۔ اسی مہاراجہ کے تیر سے تم زخمی ہوگی۔ مروگی نہیں۔ جسم میں تیر لیے ہوئے زندہ رہو گی۔ زخم میں پیپ پڑے گی۔ اس میں کیڑے پڑیں گے۔ تم جنگلوں میں چیختی چلاتی پھروگی۔"

"مہاراج!" — ایک عورت نے کہا — "دیوتاؤں کا حکم ٹالا نہیں جاسکتا۔ اسے قتل کا کوئی ایسا طریقہ بتا دیں جو آسان ہو اور یہ پکڑی بھی نہ جائے۔"

سادھو نے اپنے مخمور اور پُراسرار لہجے اور انداز میں رضیہ کو جو طریقہ بتایا وہ یہ تھا کہ راجیپال عورتوں کا شکاری اور شیدائی تھا۔ رضیہ خوبصورت اور جوان لڑکی تھی۔ وہ مہاراجہ کے سامنے جانے اور اپنی نمائش کرے۔ چونکہ رضیہ مسلمان کماندار کی بیوی تھی اس لیے یہ امکان تھا کہ راجیپال اس پر ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ یہ کام رضیہ کا تھا کہ راجیپال کو اپنا آپ پیش کرے اور اُس کی خوابگاہ میں اس طرح جائے کہ اُسے کوئی دیکھ نہ سکے۔ ہاتھ میں خنجر لے جائے اور اُسے ختم کر آئے۔ پھر اپنے خاوند کو اسی طرح قتل کر کے مندر میں چلی جائے۔ وہاں پنڈت اسے کہیں دور بھیج دے گا۔

"کیا میں اتنی جرأت کرسکوں گی؟" — رضیہ نے پوچھا۔

سادھو نے اپنے پاس رکھی ہوئی ایک ٹوکری میں سے ٹٹول کر ایک ڈبیہ نکالی اور کھولی۔ اس میں سفوف سا تھا۔ اُس نے ذرا سا سفوف ایک کپڑے میں باندھ کر رضیہ کو دیا اور کہا کہ جب قتل کرنے کے لیے روانہ ہوگی تو یہ سفوف ایک گھونٹ پانی میں ملا کر پی لینا۔ جرأت اور دلیری آجائے گی۔

اُسی شام مندر میں گوبندان دو عورتوں کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ اُسے بتا رہی تھیں کہ رضیہ ان کے ساتھ دریا پر جلنے کی بجائے واپس آگئی تھی۔

"اسے کچھ شک تو نہیں ہوا؟" — گوبند نے پوچھا۔

"شک تو ہم دونوں کو بھی نہیں ہوا تھا جو اچھی طرح جانتی تھیں کہ یہ تم ہو" — ایک عورت نے کہا — "تمہارا بہروپ پوری طرح کامیاب تھا۔ اس کے بعد ہم نے لڑکی کو کئی ایک کہانیاں سنا کر قائل کرلیا ہے کہ وہ کام کر دے"۔

رضیہ کو قائل کرنے کی اتنی زیادہ کوشش کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ سہارا اور تائید چاہتی تھی جو اُسے مل گئی۔ ذوالقرنین نے اُسے کہا تھا کہ وہ ہندو عورتوں میں اسلام کی تبلیغ کیا کرے مگر ہندو عورتوں نے اس سے اپنا پیدائشی اور آبائی رنگ اُترنے نہ دیا۔ — اور اگلی ہی رات جب ذوالقرنین دن بھر کی گشت اور دیگر کاموں کا تھکا ہارا گہری نیند سویا ہوا تھا، رضیہ کے سینے میں رتن کماری جاگ اٹھی۔ اُس نے اُٹھ کر پانی میں وہ سفوف ملایا جو اُسے "سادھو" نے دیا تھا اور بڑی تیزی سے پانی پی لیا۔ اُس پر گھبراہٹ اور ہیجان کی کیفیت طاری تھی۔ وہ دہیں کھڑی چاندنی سے روشن خلا میں گھورتی رہی۔ آہستہ آہستہ گھبراہٹ اور ہیجان میں کمی آنے لگی۔ سرور طاری ہونے لگا اور پھر لڑکی اپنے اندر ایسی قوت محسوس کرنے لگی جیسے وہ غزنی پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہوگئی ہو۔

ایک ہی روز پہلے اُس نے اپنے خاوند ذوالقرنین سے کہا تھا کہ وہ راج محل کی عورتوں کے پاس جانا چاہتی ہے اور وہ کوشش کرے گی کہ وہاں کی عورتوں کو مسلمان بنا سکے۔ ذوالقرنین خوش ہوا کہ رضیہ تبلیغ کا کام دلچسپی سے کر رہی ہے۔ وہ گئی۔ راج محل میں سب جانتے تھے کہ وہ مسلمان کماندار کی بیوی ہے۔ وہ عورتوں کے پاس جاتے جاتے مہاراجہ راجیپال کے کمرے میں چلی گئی۔ راجیپال اُسے دیکھ کر صرف اس لیے خوش نہ ہوا کہ وہ کماندار کی بیوی ہے بلکہ اس لیے زیادہ خوش ہوا کہ وہ خوبصورت لڑکی ہے۔ اُس نے لڑکی کو تپاک اور احترام سے بٹھایا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ اس طرح باتیں کر رہے تھے جیسے وہ ایک مدت سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ اجنبیت لڑکی کے اس انکشاف نے دور کر دی تھی کہ وہ ہندو تھی اور مسلمان ہوگئی ہے مگر اُس نے دل سے اسلام کو قبول نہیں کیا۔ اجنبیت کے ساتھ ساتھ شرم و حجاب بھی اُٹھ گیا۔ لڑکی کا ارادہ چونکہ کچھ اور تھا اس لیے اُس نے کہا کہ وہ رات کو آئے گی لیکن ایسے راستے سے کہ اُسے کوئی آتے جاتے نہ دیکھ سکے۔

راجیا پال بھی یہی چاہتا تھا کہ لڑکی کو کوئی نہ دیکھ سکے۔ پکڑے جانے کی صورت میں راجیا پال کو معلوم تھا کہ ذوالقرنین دونوں کو قتل کر دے گا۔ چنانچہ راجیا پال نے اُسے محفوظ راستہ اور ایک اور کمرہ دکھا دیا۔

اگلی ہی رات رضیہ اُس راستے سے اُس کمرے میں پہنچ گئی جو راجیا پال نے اُسے دکھایا تھا۔ راجیا پال نے اُسے کہا کہ وہ شراب تو نہیں پیے گی کیونکہ اُسے خاوند کے پاس جانا ہے۔ رضیہ نے اُسے کہا کہ وہ خود ہی ڈالے اور خود ہی پیئے۔ راجیا پال کھڑا تھا۔ وہ جھک کر پیالے میں شراب ڈال رہا تھا۔ رضیہ سفوف کے اثر میں تھی۔ اُس نے کپڑوں کے اندر سے خنجر نکالا اور ہاتھ اوپر کر کے خنجر راجیا پال کی پیٹھ میں اتار دیا۔ اُس نے خنجر کھینچا۔ اس کے ساتھ ہی راجیا پال سیدھا ہوا۔ اُس کے منہ سے ابھی آواز بھی نہیں نکلی تھی کہ رضیہ نے اُس کے دل پر وار کیا۔ رضیہ نے خنجر کھینچا اور اس کے ساتھ ہی راجیا پال منہ کے بل گر پڑا۔

رضیہ نے اُسے دیکھا۔ وہ ذرا سا ہلا پھر بے حس ہوگیا۔ رضیہ کو جیسے احساس ہی نہیں تھا کہ اُس نے ایک انسان کو قتل کر دیا ہے۔ انسان بھی کوئی معمولی آدمی نہیں، مہاراجہ تھا اور وہ غزنی کے اُس سلطان کا دوست تھا جس نے ہندوؤں کی جنگی طاقت کو اسی طرح توڑ پھوڑ ڈالا تھا جس طرح اُس نے باطل کے بُت توڑے تھے۔ رضیہ نے عجیب سا اطمینان محسوس کیا۔ یہاں تک کہ اُس نے وہ پیالہ اٹھایا جس میں راجیا پال نے شراب ڈالی تھی۔ اُس نے پیالہ اٹھایا اور منہ سے لگا لیا۔ اس سے پہلے اُس نے کبھی شراب نہیں پی تھی۔

وہ جس راستے سے کمرے میں داخل ہوئی تھی، اُسی راستے سے باہر نکل گئی اور بڑے اطمینان سے چلتی اپنے گھر پہنچ گئی۔ وہاں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں خون آلود خنجر تھا۔ اب اسے اپنے خاوند کو قتل کرنا تھا۔ کھلے ہوئے دریچے میں سے چاندنی ذوالقرنین کے چہرے اور سینے پر پڑ رہی تھی۔ وہ گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اُس کا سینہ اُبھرا ہوا تھا۔ دل پر ایک ہی وار کافی تھا۔

رضیہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ اُس نے خنجر والا ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔ اُس کی نظریں ذوالقرنین کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ذوالقرنین جانے کیا خواب دیکھ رہا تھا کہ وہ مسکرایا۔ رضیہ کے اندر ایسی تبدیلی آئی جیسے وہ خواب سے بیدار ہوگئی ہو۔ ذوالقرنین کی محبت نے سفوف کا اثر زائل کر دیا اور اس اثر کو زائل کرنے میں شراب نے بھی کام کیا تھا۔ رضیہ کا ہاتھ کانپا اور ہاتھ سے خنجر چھوٹ کر ذوالقرنین کے پیٹ پر گرا۔ وہ جاگ اُٹھا اور رضیہ اس کے اوپر گر پڑی۔ وہ رو رہی تھی۔

ذوالقرنین نے تیزی سے اُٹھ کر دیا جلایا۔ وہ اپنے بستر پر خون آلود خنجر پڑا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ رضیہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے ہوئے سسکیاں لے رہی تھی۔ ذوالقرنین نے اُسے اٹھایا اور پوچھا کہ یہ سب کیا ہے۔

"میں تمہیں قتل نہیں کر سکتی"۔ اُس نے روتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے دل میں خنجر نہیں اتار سکتی"۔

اُس نے ذوالقرنین کو بتایا کہ وہ مہاراجہ راجیا پال کو قتل کر آئی ہے اور اب اس کے ہاتھ سے ذوالقرنین کو قتل ہونا تھا۔ اُس نے بتایا کہ کس طرح وہ عورتوں کے ساتھ دریا میں نہانے جا رہی تھی کہ اُسے ایک سادھو ملا۔ اُس نے سادھو کی باتیں سنائیں۔ ان عورتوں نے اُسے جس طرح راجیا پال کے لیے تیار کیا تھا، وہ بھی بتایا۔ سفوف کا بھی ذکر کیا۔

"میں نے تمہاری محبت کو قبول کیا تھا، تمہارے مذہب کو نہیں"۔

رضیہ نے کہا۔ "تم نے مجھے خدا کی عبادت سکھلائی اور پڑھائی تھی مگر میں تمہارے خدا کی بجائے تمہاری عبادت کرتی رہی۔ مجھے بچپن سے بتایا جاتا رہا ہے کہ مسلمان ناپاک ہوتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف نفرت پیدا کی جاتی ہے۔ میں تم سے نفرت نہ کر سکی" — اُس نے لپک کر خنجر اٹھایا اور ذوالقرنین کی طرف بڑھا کر کہا۔ "مجھے اپنے ہاتھوں قتل کر دو۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتی"۔

ذوالقرنین نے اس کے ہاتھ سے خنجر لے لیا اور اُسے کہا کہ وہ زندہ رہے گی اور اُس کا دل گواہی دے گا کہ اسلام سچا مذہب ہے اور مسلمان ناپاک نہیں ہوتے۔ اُس نے بڑی مشکل سے رضیہ کو سنبھالا۔

دوسرے دن ذوالقرنین نے ایک قاصد قنوج کو سالار ابوالقدر سلجوقی کے لیے اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیا کہ راجیپال قتل ہو گیا ہے۔ رضیہ کی نشاندہی پر اُن دو عورتوں کو پکڑا گیا جو رضیہ کے ساتھ دریا کو گئی تھیں۔ انہیں ڈرایا دھمکایا گیا تو انہوں نے گوبند کو پکڑوا دیا۔ گوبند نے ان عورتوں اور رضیہ کے ساتھ لاتعلقی کا اظہار کیا۔ ذوالقرنین نے دو گھوڑے منگوائے۔ گوبند کے ٹخنوں سے الگ الگ رسے باندھ کر گھوڑوں کے ساتھ باندھ دیئے گئے۔ سواروں سے کہا گیا کہ وہ گھوڑے چلا دیں۔ ایک گھوڑا دائیں کو چلا اور دوسرا بائیں کو۔ پیشتر اس کے کہ گوبند کی ٹانگیں جسم سے الگ ہو جاتیں، وہ درد سے بلبلا اٹھا۔ گھوڑے روک لیے گئے۔ اُس نے بتا دیا کہ راجیپال کو اُسی نے قتل کرایا ہے اور گوالیار اور کالنجر کے مہاراجوں نے اسے انعام پیش کیا تھا۔ اس نے مہاراجوں کا تمام تر منصوبہ بھی بتا دیا، اور یہ بھی کہ وہ دو غلا جاسوس ہے۔

سالار ابوالقدر سلجوقی آگیا۔ اس نے سارا واقعہ سن کر گوبند سے کہا کہ وہ بھاگ جائے۔ گوبند حیران سا ہو کے چلا تو سلجوقی نے اپنے ایک محافظ سے کمان لی۔ اس میں تیر ڈالا اور دوسرے لمحے تیر گوبند کی پیٹھ میں اترا ہوا تھا۔ سالار سلجوقی نے حکم دیا کہ اسے گھسیٹ کر دور پھینک آؤ۔

ایک شکست خوردہ مہاراجے کا قتل اتنا اہم واقعہ نہیں تھا کہ سلطان محمود کو اس کی اطلاع دی جاتی مگر اہم اور فوری توجہ کا طالب اس واقعہ کا پس منظر تھا اور ہندوستان کے مہاراجوں کے ارادے بڑے خطرناک تھے۔ سلجوقی نے غزنی کو ایک تیز رفتار قاصد بھیج دیا۔

سلطان محمود نے جب اس قاصد کی زبانی پیغام سنا تو اُس نے اُسی وقت اپنی فوج کو ہندوستان کی طرف کوچ کی فوری تیاری کا حکم دے دیا۔

تین چار روز بعد غزنی کی فوج ایک تاریخی جنگ لڑنے کے لیے غزنی سے روانہ ہوئی۔ ادھر گوالیار، کالنجر اور لاہور کی فوجیں فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے تیار ہو گئیں۔

یہ معجزہ تھا

نوصدیاں

اور ستر سال گزرے سلطان محمود غزنوی کے مُرشد اور روحانی پیشوا شیخ ابوالحسن خرقانی نے اُسے کہا تھا۔ "جس دَور میں مسلمان، ہندو اور یہودی سے غافل ہُو سنے یا انہیں دوست بنا بیٹھے : وہ اُمّتِ رسولؐ کے زوال کا دوَر ہو گا .... وہ اسلام کی تاریخ کا سیاہ دَور ہو گا۔ خدا کی یہ زمین مسلمانوں کے خون سے لال ہوتی رہے گی .... تمہاری اس سلطنت (غزنی) پر بے دین مسلط کریں گے۔ غزنی، کابل، قندھار، گردیز اُس قوم کے پاؤں تلے روندے جائیں گے جس کا کوئی دین نہیں اور جسے یہاں کے مسلمان اپنا ہمدرد سمجھیں گے ... تمہارا مقبرہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ مستقبل کا خونی کھیل تمہارے اور میرے مقبروں کے اِرد گرد کھیلا جائے گا۔ ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔ کچھ کرنا ہے تو آج کر لو۔"

سلطان محمود غزنوی نے اپنی ساری عمر باطل کے خلاف لڑتے میدان جنگ میں گزار دی۔ آخر میں وہ تپ دق کا مریض ہو گیا تو اُس نے اپنے طبیب کو سختی سے کہہ دیا کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ سُلطان کو دِق تیزی سے کھا رہا ہے۔ اُس کے پیرو مرشد نے اُسے کہا تھا کہ کچھ کرنا ہے تو آج کر لو۔ اُس نے اپنے آج کا آرام اور سکون اور اپنا جسم ملّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کل پر قربان کر دیا، مگر آج غزنی اور ہرات میں اُس کے اور اُس کے روحانی پیشوا کے مقبروں کے اردگرد ایک بے دین قوم خونی کھیل کھیل رہی ہے اور مسلمانوں کی دھجیاں اُڑ رہی ہیں۔ غزنی، کابل، قندھار اور گردیز

اُس قوم کے قدموں تلے روندے جا رہے ہیں جس کا کوئی دین نہیں اور جسے وہاں کے مسلمان حکمران اپنا ہمدرد سمجھتے ہیں۔

کیوں؟ ایسا کیوں ہُوا؟ حرّیت کے چراغوں کی روشنی کہاں گئی؟

حرّیت کے چراغ ملّت کے لہُو سے روشن رہا کرتے ہیں۔ وہ لہو بِک گیا، وہ ایمان نیلام ہو گیا اور شہیدوں کا لہو جیسے زمین نے ہضم کر لیا ہو۔ تاریخ کے ساتھ ہم نے بے انصافی کی۔ تاریخ نے محمودؒ کے ساتھ بے انصافی کی۔ یہ ہمارے دین کے دشمن کا کمال ہے کہ اُس نے بُت شکن کو بُت فروش ثابت کر دیا۔ حق کے علمبردار کو لٹیرا کہا اور تاریخ کے منہ میں جھوٹ ڈال کر جھوٹ کو سچ کہلوایا۔ سبق جو ہم بھلا بیٹھے تھے، وہ ہمارے دشمن نے یاد رکھا اور دشمن نے یہ بھی یاد رکھا کہ کسی قوم کو وقار اور شجاعت سے محروم کرنا ہو تو اُس کی تاریخ سے درخشاں باب پھاڑ کر ان کی جگہ عیش و عشرت اور جسمانی لذت پرستی کے افسانے رکھ دو۔

ہمارے دشمن نے ہمیں تاریخ سے بیگانہ رکھا۔ لہو کی تحریروں کو شراب سے دھو ڈالا۔ جذبوں پر جنسیت کا فسوں طاری کر دیا، پھر ہم بھول گئے کہ ہم کیا تھے اور ہمارے فرائض کیا تھے۔ ہم اس دھرتی پر بدمست ہو کر چلنے لگے جس میں محمد بن قاسم کے سرفروشوں کا لہو ملا ہُوا ہے اور جس کی مٹی میں غزنی کے شہیدوں کی بُو باس رچی بسی ہُوئی ہے۔ یہی وہ بُو باس ہے جو قوم کو اور اُبھرتی ہوئی نسلوں کو طوفاں بگر بناں اور باطل کے خلاف معرکہ آرا رکھتی ہے۔ قوم وہی پورے وقار سے زندہ و بیدار رہتی ہے جو اپنے شہیدوں کے لہو کی تحریروں کو بجھنے نہیں دیتی۔ انہیں اپنے لہو سے شوخ اور تر و تازہ رکھتی ہے۔ آباؤ اجداد کے نقوشِ پا کو مٹنے نہیں دیتی۔ ان پر اپنے نقش ثبت کر کے انہیں اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے نمایاں رکھتی ہے۔

دشمن نے ہماری تاریخ سے وہ ورق پھاڑ ڈالے جن پر لکھا تھا کہ جہاں

آج مینارِ پاکستان کھڑا ہے، وہاں نوصدیاں پہلے جنگل ہوا کرتا تھا۔ اس جنگل میں لاہور کے مہاراجوں نے مسلمان لڑکیوں کی انسانی قربانیاں دی تھیں۔ ان کے خون سے اپنے پتھر کے دیوتاؤں کے پاؤں دھوئے تھے۔ اسی لاہور میں جسے اندرونِ لاہور کہتے ہیں مسلمان نوجوانوں نے غزنی کے جاسوسوں کو چھپا کے رکھا اور ان کی مدد اور رہنمائی کی تھی۔ ان جاسوسوں کو بچانے کے لیے مسلمان عورتوں نے اپنی جانیں اور عصمتیں لٹا دی تھیں۔ وہ قید خانے یہیں کہیں ہوا کرتے تھے جن میں مسلمانوں کو اذیتیں دے دے کر ختم کیا جاتا تھا۔

ملتان کے ریگستان کو جس کی فضا میں محمد بن قاسمؒ کے مجاہدوں کے نعرے آج بھی ایک مقدس اور ولولہ انگیز گونج بن کر بھٹک رہے ہیں، غزنی کے شیروں نے اس ریت کو اپنے لہو سے سیراب کیا تھا۔ وہ ملتان کی گلیوں میں لڑے تھے۔ وہ جھلتے اور جھلساتے ریگستانوں میں لڑے تھے۔

سلطان محمود غزنوی باطل کی جنگی طاقت پر جس قہر سے ٹوٹا تھا، سب مورخ اس کی گواہی دیتے ہیں۔ ملتان اسلام کے نام پر قرامطی نام کے ایک باطل عقیدے کا مرکز بن گیا تھا۔ قرامطیوں کی فوج اور غیر فوجی قرامطی غزنی کی حق پرست فوج کے آگے چٹانوں کی طرح کھڑے ہو گئے تھے۔ ان چٹانوں کو ریزہ ریزہ کرنے کے لیے سلطان محمود سپاہیوں کی طرح لڑا تھا۔ ملتان کی گلیوں میں بھی لڑائی ہوئی تھی۔ مورخ کہتے ہیں کہ سلطان محمود نے اس قدر تلوار چلائی تھی کہ اس کا دایاں ہاتھ تلوار کے دستے پر اکڑ گیا تھا اور اس پر دشمن کا اس قدر خون جم گیا تھا کہ لڑائی کے بعد اس کی انگلیاں دستے سے اکھڑتی نہیں تھیں۔ تلوار اس کے بازو کا حصہ بن گئی تھی بہت دیر تک اس کے ہاتھ پر گرم پانی ڈالتے رہے تھے تو ہاتھ کھلا اور تلوار سے الگ ہوا تھا۔ یہ وہ قہر تھا جو دشمن کی نفرت سے پیدا ہوا کرتا ہے

— آج بھی ہمارا وہی دشمن ہے مگر ہمیں اس کی محبت کے سندیس دیئے جا رہے ہیں اور سلطان محمود غزنوی کا مقبرہ ایک بے دین قوم کے ٹینکوں اور طیاروں کی گرج سے لرز رہا ہے۔

ہمارے حصے میں سلطان محمود کے سترہ حملے آئے۔ باقی تمام داستان بت پرستوں کی دھرتی کی مٹی میں دب گئی ہے۔ ایک عظیم روایت کو سترہ حملوں کا نام دے کر اسے حریت سے خالی کر دیا گیا ہے۔ ہماری تاریخ کو ہندو نے ڈس لیا ہے۔ حق کے اس پیامبر اور بت شکن کی زندگی کا ہر ایک لمحہ ہماری تاریخ ہے۔ اس تاریخ کی روح زندہ ہے، اسے زندہ کرنا ہے۔

۱۰۲۰-۲۱ عیسوی (۴۱۲ ہجری) کے موسم سرما کا آغاز تھا جب غزنی کی فوج سیلاب کی طرح غزنی سے ہندوستان کو آ رہی تھی۔ سیلاب سے مراد یہ نہیں کہ وہ کوئی بہت بڑا لشکر تھا۔ وہ اس لشکر کے نصف سے بھی کم تھی جو گنگا جمنا کے دوآبہ میں اس کے مقابلے اور اسے ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے جمع ہو رہا تھا۔ تمام مورخ متفق ہیں کہ اب کے ہندو مہاراجوں نے جو متحدہ فوج اکٹھی کی تھی، اس کی نفری یہ تھی۔ ایک لاکھ چالیس ہزار پیادہ، چھتیس ہزار گھوڑ سوار اور چھ سو چالیس جنگی ہاتھی۔ — اس دور کا ایک مورخ فرخی تھا۔ جس نے ہندو کی جنگی طاقت یہ لکھی ہے — ایک لاکھ پینتیس ہزار پیادہ، چھتیس ہزار گھوڑ سوار اور نو سو جنگی ہاتھی۔

اگر ہم ان دونوں میں سے کسی کو بھی صحیح مان لیں تو بھی یہ حقیقت قائم رہتی ہے کہ سلطان محمود جو فوج لے کے آ رہا تھا، اس کی تعداد اس سے نصف تھی۔ اس کے علاوہ سلطان محمود کی سب سے زیادہ خطرناک کمزوری یہ تھی کہ وہ اپنے وطن سے ہزاروں میل دور دشمن کے ایسے علاقے میں لڑنے کے لیے آ رہا تھا جو دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ وہاں کے پیڑ پودے اور وہاں کے پتھر بھی اس کے دشمن تھے۔

ہندوستان کی ریاست قنوج کا مہاراجہ راجیاپال قتل ہو گیا تھا۔ اس کی اطلاع ملتے ہی سلطان محمود نے فوج کو کوچ کا حکم دے دیا تھا۔ غزنی کی فوج کے لیے ایک ہندوستانی مہاراجہ کا قتل کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا لیکن راجیاپال سلطان محمود کے لیے اس لیے اہم تھا کہ وہ غزنی کا اتحادی بن گیا تھا۔ اس کا قتل سلطان کے لیے بڑا واضح اشارہ تھا کہ ہندوستان کے مہاراجے متحد ہو گئے ہیں اور ان کا دم خم ابھی ٹوٹا نہیں۔ قنوج کے قلعہ دار سالار ابوالقدر سلجوقی نے راجیاپال کے قتل کے پیغام کے ساتھ ہندوستان کے مہاراجوں کی سرگرمیوں کی اطلاع بھی دے دی تھی۔

شیخ ابوالحسن خرقانی کے علاوہ سلطان محمود ایک اور عالم ابوسعید عبدالملک بن عثمان کا بھی معتقد تھا۔ یہ عالم غزنی سے بہت دور رہتے تھے۔ سلطان کبھی کبھار ان سے ملنے اتنی لمبی مسافت طے کر کے جایا کرتا تھا۔ اب اس نے ہندوستان کو کوچ کیا تو دوسرے پڑاؤ کے اگلے روز جب فوج جا رہی تھی، آگے سے ایک سالار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا فوج کے وسط میں آیا جہاں سلطان محمود تھا۔ اس نے سلطان کو بتایا کہ ابوسعید عبدالملک راستے میں کھڑے ہیں۔ سلطان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہاں پہنچا جہاں ابوسعید کھڑے تھے۔ سلطان گھوڑے سے کود کر اترا اور ابوسعید کے گھٹنے چھو کر مصافحہ کیا۔

"مجھے کل پتہ چلا ہے کہ آپ ہندوستان جا رہے ہیں" ——— ابوسعید عبدالملک نے کہا — "اللہ آپ کے ساتھ ہے۔ جنگی امور اور رموز کو آپ سمجھتے ہیں، میں کوئی پند و نصیحت نہیں کر سکتا۔ اتنا ہی کہوں گا کہ آپ تاریخ لکھنے جا رہے ہیں جو ہماری آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہوگی۔ اس جنگ کو اپنی ذاتی جنگ نہ سمجھنا اور یاد رکھنا کہ سدا بادشاہی اللہ کی ہے۔ تخت و تاج کا نشہ دل و دماغ سے اتار دینا۔ یہ ایسا نشہ ہے جسے چڑھ جائے وہ دین کو بھول کر دنیا کا ہو رہتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ ایک

لمحے کے بعد ہی اس کی موت آ سکتی ہے۔ اس کے کان بند ہو جاتے ہیں، کسی کی فریاد وہ سن نہیں سکتا۔ اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ وہ دیکھ نہیں سکتا کہ اس کی رعایا بھوکی اور ننگی ہے۔ اسے وہی نظر آتا ہے جو اسے اس کے درباری دکھلاتے ہیں، اور درباری اسے وہی دکھاتے ہیں جس میں ان کا اپنا مفاد ہوتا ہے۔"

سلطان محمود سر جھکائے کھڑا سن رہا تھا۔

"میں آپ کو زیادہ دیر نہیں روکوں گا محمود!" — ابوسعید عبدالملک کہہ رہے تھے — "یہ نہ بھولنا کہ تمام دنیائے کفر کی نظریں آپ پر لگی ہوئی ہیں۔ سب آپ کی موت کے منتظر ہیں۔ آپ کے پڑوسی جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، وہ بھی آپ کی موت کے خواہش مند ہیں۔ عہد کر لیں کہ آپ مر جائیں تو بھی زندہ رہیں۔ اپنی قوم کے دل میں اور تاریخ میں زندہ رہیں۔ آنے والی نسلیں آپ کو ایک روایت بنا کر زندہ رکھیں۔ اگر آپ نے ہندوستان کے بت پرستوں کا سر نہ کچلا تو وہ اس وقت تک مسلمانوں کا سر کچلتے رہیں گے جب تک کہ وہاں ایک بھی مسلمان باقی ہے۔"

"دعا کریں اللہ مجھے کامیابی عطا فرمائے" — سلطان محمود نے کہا — "اب میں وہاں اپنی باقاعدہ حکومت قائم کر کے لوٹوں گا۔ وہاں اپنا امیر اور کافی فوج بھی رکھوں گا۔"

"الوداع محمود!" — ابوسعید نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا — "اللہ آپ کا ہمسفر اور مددگار ہو۔"

سلطان محمود نے ان کا ہاتھ چوما اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

سلطان محمود جانتا تھا کہ دشمن اس کے آگے بھی ہے اور پیچھے بھی۔ آگے ہندو اور پیچھے مسلمان، مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ اب دشمن اس کے ساتھ بھی جا رہا ہے۔ یہ سلجوقی تھے جو سلطان محمود کی اطاعت قبول کر کے

اُس کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ سلجوقی جنگجو تھے۔ یہ غز قبیلے کے لوگ تھے جو اپنے سردار لقمان سلجوقی کے ساتھ اس قبیلے سے الگ ہو گئے اور اپنے آپ کو سلجوقی کہلانے لگے تھے۔ وہ بخارا کے پہاڑی علاقے میں آباد ہو گئے۔ انہوں نے ترکستانیوں اور سمانیوں کی لڑائیوں میں سمانیوں کا ساتھ دیا، بلکہ سمانی اُن کے بل بوتے پر لڑا کرتے تھے۔ اس طرح وہ ایک جنگی طاقت بنتے گئے۔

لقمان سلجوق کے بیٹے اسرائیل سلجوق نے بخارا میں خاصا اثر و رسوخ حاصل کر لیا۔ اُس نے ایک حکمران الپتگین کی بہت مدد کی۔ اسرائیل اور الپتگین کی گہری دوستی ہو گئی۔ سلطان محمود نے اپنے ان دشمنوں کو کچلنے کے لیے حملہ کیا تو دونوں بخارا کے پہاڑی علاقوں میں بھاگ گئے تھے۔

ایلک خان ایک طاقتور حکمران تھا۔ وہ کسی نہ کسی کو ساتھ ملا کر سلطان محمود کے ساتھ بہت لڑا تھا مگر اُس نے ہر بار شکست کھائی۔ آخری شکست کے بعد جب وہ اپنے خاندان کے ساتھ کسی خوشنما پہاڑی علاقے میں چھپا ہوا تھا تو اسرائیل اسے ملنے گیا۔ اس لڑائی میں اسرائیل کے سلجوقی ایلک خان کے ساتھ نہیں تھے۔ اسرائیل اُسے تلاش کرتا اُس تک پہنچ گیا۔ ایک تو قدرت نے اُس جگہ کو اپنا حُسن دے رکھا تھا، دوسرے ایلک خان کی خیمہ گاہ نے وہاں محل جیسی رونق بنا رکھی تھی۔ وہ اپنی دنیا کا بادشاہ تھا۔ اپنی بادشاہی کو وہ سلطنتِ غزنی تک پھیلانے کے لیے لڑ رہا تھا مگر شکست کھا گیا۔

اُس کی خیمہ گاہ میں عورتیں بھی تھیں۔ ناچنے گانے والیاں بھی تھیں اور محل کے تمام لوازمات اور شان و شوکت وہاں موجود تھی۔ اسرائیل جب وہاں گیا تو ایلک خان اُسے اپنے خیمے میں ملا۔ یہ خیمہ محل کے کمرے جیسا خوشنما اور کشادہ تھا۔ اسرائیل کو وہ جانتا تھا۔ اسرائیل وجیہہ جوان تھا۔ خوبرو تھا۔ اُس کی آنکھیں سبز تھیں اور وہ سلجوقیوں کا سردار

تھا اور سلجوقی ایک جنگی طاقت تھے۔

"اب میرے پاس کیوں آئے ہو؟" ایلک خان نے اُس سے پوچھا۔

"یہ دیکھنے کے لیے کہ میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے سردار کی حالت کیسی ہوتی ہے" — اسرائیل نے طنزیہ کہا۔ "آپ کو مجھ سے یہ گلہ ہے کہ میں آپ کی مدد کو نہیں آیا، اور مجھے یہ شکایت ہے کہ آپ نے مجھے مدد کے لیے بلایا نہیں۔ کیا آپ اپنے آپ کو اتنا طاقتور سمجھ بیٹھے تھے کہ میرے بغیر غزنی کے محمود کو شکست دے سکیں گے؟"

"تمہیں خود آنا چاہیے تھا" — ایلک خان نے کہا۔

"نہیں" — اسرائیل بولا — "آپ محمود کو شکست دے کر خود غزنی اور بخارا کے بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ سمانی میرے قبیلے کی مدد کے بغیر ترکستانیوں کو شکست نہیں دے سکتے تھے۔ سمانی اُس وقت ختم ہوئے جب سلجوقیوں نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ترکستانی آج بھی ہم سے ڈرتے ہیں۔"

"کیا تم مجھے طعنے دینے آئے ہو؟" — ایلک خان نے کہا — "کیا تم یہ دیکھنے آئے ہو کہ میں کتنا کمزور ہو گیا ہوں؟"

"نہیں ایلک خان!" — اسرائیل نے کہا — "شکست کا اتنا اثر قبول نہ کرو کہ دوست اور دشمن کو بھی پہچان نہ سکو۔ ہم دونوں کا دشمن ایک ہے.... غزنی کا سلطان محمود.... آپ اکیلے اُسے شکست نہیں دے سکتے۔ میں اکیلا اپنے سلجوقیوں کے ساتھ اُسے شکست دے سکتا ہوں اور دوں گا۔ میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ آپ میری کیا مدد کر سکتے ہیں۔ کیا مجھے کچھ فوج دے سکتے ہیں؟.... اگر نہ دے سکیں تو بھی میں سلطان محمود سے لڑوں گا۔ الپتگین میرے ساتھ ہے۔"

"ہوش کی بات کرو اسرائیل!" ایلک خان نے کہا۔ "تم نے دوسروں

کو مدد دی ہے اور مدد کے انداز سے لڑے ہو۔ تمہارا آمنا سامنا محمود کی فوج سے نہیں ہوا۔ محمود اپنی جنگی چالوں سے اپنے سے دگنی اور طاقتور فوج کو بھی شکست دے دیا کرتا ہے۔ اُس کی فوج بے لگام ہو کر نہیں بلکہ سدھائے ہوئے گھوڑوں کی طرح لڑتی ہے۔ اشاروں پر حرکت کرتی ہے۔ ہم میں وہ بات نہیں۔"

"ایلک خان!" — اسرائیل نے کہا۔ "اس شکست نے آپ کے دماغ پر گہرا اثر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے آپ سے مدد لینی بھی نہیں چاہیئے۔ اگر خان پر یہ دہشت سوار ہے تو خان کے سپاہی تو کانپ رہے ہوں گے۔ مجھے سُلطان محمود سے لڑنا ہے۔ وہ بہت بڑی طاقت بنتا جا رہا ہے۔ ہندوستان کی دولت نے اُسے بہت زیادہ طاقتور بنا دیا ہے اور وہ دن دُور نہیں جب بلخ، بخارا، سمرقند، ترکستان اور خوارزم سلطنتِ غزنی کے غلام ہوں گے اور ہم مجرموں کی طرح دور کہیں پہاڑیوں میں بھاگے بھاگے پھریں گے۔"

"سنا ہے کچھ سلجوقی بھی اُس کی فوج میں شامل ہو گئے ہیں" — ایلک خان نے کہا۔

"اُس نے ہندوستان کے زر و جواہرات سے ان سلجوقیوں کو خریدا ہے" — اسرائیل نے کہا۔ "اُس کا ایک سالار بھی سلجوقی ہے۔ ابوالقدر سلجوقی۔ وہ ہندوستان میں کہیں قلعہ دار ہے۔"

"کیا تم ان لوگوں کو واپس اپنے قبیلے میں نہیں لا سکتے؟" — ایلک خان نے پوچھا۔

"یوں کہو ایلک خان! کیا تم ان لوگوں کے ہاتھوں سلطان محمود کو نہیں مروا سکتے؟" — اسرائیل نے کہا۔ "لڑائی صرف میدان میں نہیں لڑی جاتی خانِ محترم! میں محمود کو اُس کے سالار ابوالقدر سلجوقی سے مرواؤں گا، لیکن ایک بار میدان میں لڑوں گا۔ اگر میں ہار گیا تو اُن سلجوقیوں کو استعمال کروں

گا جو محمود کی فوج میں ہیں۔"

شراب کا دَور چل رہا تھا۔ شراب بڑی خوبصورت عورتیں پیش کر رہی تھیں۔ ایلک خان کے پاس تین چار جوان لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ وہ بخارا کے قدرتی حُسن کا شاہکار تھیں۔ اسرائیل ان سے زیادہ نہیں تو انہی جیسا خوبرو تھا اور مردانہ جاہ و جلال کا بڑا خوبصورت اور مضبوط مجسمہ۔

"میں اپنے آپ کو غزنی کے تخت پر بیٹھا ہوا دیکھا کرتا ہوں" — اسرائیل سلجوقی نے شراب کا جام لہرا کر کہا۔ اس میں شراب کا نشہ بھی تھا، طاقت کا بھی۔

ایلک خان نے اُسے دو چار روز کے لیے روک لیا۔

رات چاندنی اور فضا میں پھولوں کی بھینی بھینی مہک تھی۔ اسرائیل اپنے خیمے سے دُور ٹہل رہا تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ وہ اکیلا نہیں۔ اُس نے اپنے خنجر پر ہاتھ رکھا اور رُک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک سایہ درختوں کی چھاؤں میں سے بڑھا آ رہا تھا۔ سایہ مرد کا نہیں تھا۔

"کون؟"

"مریم" — چاندنی میں آ کر یہ سایہ نسوانی حسن کا متحرک مجسمہ بن گیا — اُس نے کہا۔ "ایلک خان کی بھتیجی ہوں۔"

اسرائیل نے اُسے قریب ہو کر غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کل تم بھی ایلک خان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں ..... یہاں کیوں آئی ہو؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے؟" — مریم نے کہا۔ "لیکن اس سے پہلے کہ آپ کچھ اور سمجھ لیں، میں آپ کو بتا دوں کہ میں آپ کی وجاہت اور مردانہ حُسن اور جسم سے متاثر ہو کر نہیں آئی۔ مجھے آپ کے عزم نے متاثر کیا ہے۔ خیال رکھیں، میں کنواری ہوں اور میں ایلک خانیوں کی عزت ہوں مگر یہ عزت مجھے خطرے میں نظر آ رہی ہے۔ چچا ایلک خان

دل چھوڑ بیٹھے ہیں۔ یہ میری غیرت کو گوارا نہیں۔ کیا غزنی کا سلطان محمود جن ہے؟ بھوت ہے؟ دیو ہے؟ میں اُس مرد پر اپنا سب کچھ قربان کر دوں گی جو محمود کی سلطنت کو تباہ کر کے اُسے بھٹکنے کے لیے ان پہاڑوں میں چھوڑ دے گا۔"

اسرائیل ہنس پڑا اور بولا ــ "شہزادی کو محمود کے ساتھ کیا دشمنی ہے؟"

"اسرائیل سلجوقی کو محمود سے کیا دشمنی ہے؟" ــ مریم نے کہا ــ "اِدھر آئیے۔ بیٹھ کے باتیں کریں .... دشمن دشمن ہوتا ہے۔ کیا اور کیوں کا فیصلہ دشمن کو شکست دے کر کیا جاتا ہے۔"

"مریم!" ــ اسرائیل نے کہا ــ "تمہارا جسم کنوارہ ہے تمہارا دماغ کنوارہ نہیں لگتا۔ تم نے بڑی پختہ بات کی ہے۔"

وہ درختوں کے نیچے جا کے بیٹھ گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد اُن کے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھوں میں اُلجھ گئے۔ پھر وہ ایک سایہ بن گئے اور اسرائیل نے سرگوشی کی۔ "ایلک خان سے بات کروں؟"

"وہ نہ مانے تو مَیں خود آ جاؤں گی" ــ مریم کی سرگوشی سنائی دی ــ "مَیں ہمیشہ کے لیے تمہاری ہوں اسرائیل! مَیں ایسے ہی ایک مرد کے انتظار میں تھی جس کے ارادوں کو میرا عزم گلے لگا سکے۔ سلطان محمود کو ختم کرنے کے لیے مجھے جس طرح بھی استعمال کرنا چاہو گے مجھے تیار پاؤ گے۔"

وہ چلی گئی۔

اسرائیل وہاں تین راتیں رہا۔ تینوں راتیں مریم اُسے وہاں ملی جہاں پہلی رات ملی تھی۔ آخری رات اُس کے خاندان کی ایک اور شہزادی عنبرین بھی جو اُس کی ہم عمر تھی، اُس کے ساتھ تھی۔ مریم اسرائیل کے پاس گئی تو عنبرین دُور کھڑی رہی تھی۔ پھر اسرائیل چلا گیا۔

"مریم!" ــ وہ واپس آئی تو عنبرین نے اُسے کہا ــ "تمہارا انتخاب اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا۔ تمہارا خاوند اسرائیل ہی ہونا چاہیئے، مگر مریم! اسرائیل کے ساتھ شادی کر کے تم سلطان محمود کے ساتھ دشمنی کیا کر لو گی۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ چچا ایلک کہہ رہے تھے کہ وہ اپنے خاندان کی بیٹیاں محمود کے خاندان میں دے کر اُس کے ساتھ صلح کر لیں گے؟"

"یہ اُن کی شکست کی دلیل ہے" ــ مریم نے کہا ــ "وہ سلطان محمود سے اس قدر خوفزدہ ہیں کہ اپنی بیٹیاں تک دینے کو تیار ہو گئے ہیں۔ اسرائیل سلطان محمود کے ساتھ کسی قیمت پر صلح نہیں کرے گا۔"

"اور شکست کھائے گا" ــ عنبرین نے جھنجھلا کر کہا ــ "اُس کا انجام وہی ہو گا جو چچا ایلک خان کا ہو رہا ہے، جو سلطان محمود کے ہاتھوں قادر خان کا ہوا تھا، جو خوارزم شاہیوں کا ہوا اور جو قرامطیوں کا ہوا ہے۔"

"اسرائیل ان سب کا انتقام لے گا" ــ مریم نے فخر سے کہا ــ "عنبرین! تم ایسی باتیں کیوں کیا کرتی ہو جن سے غزنی والوں کی غلامی اور شکست کی بو آتی ہے؟"

"غزنی والوں کی غلامی نہیں اسلام کی غلامی کہو" ــ عنبرین نے کہا ــ "تم دنیا کی باتیں کرتی ہو، میں اُس دنیا کی باتیں کر رہی ہوں جس میں ہمیں مر کر جانا ہے۔ آپس میں لڑ کر ہم نے کیا پایا ہے؟ ہم نے وہ طاقت ضائع کر دی ہے جو اسلام کے دشمنوں کے خلاف استعمال ہونی چاہیئے تھی۔ اگر ہم سب نے مل جل کر سلطان محمود کو شکست دے دی تو کامیاب ہم نہیں بلکہ اسلام کے دشمن ہوں گے۔"

مریم ہنس پڑی۔ اُس کی ہنسی میں طنز تھی۔ اُس نے کہا ــ "تم اسلام اسلام کی رٹ لگاتی مر جاؤ گی اور میں سلطنتِ غزنی کی ملکہ ہوں گی۔ تم کسی بوڑھے سالار کی بیوی بنو گی .... لیکن نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ میں تمہاری شادی کسی تم جیسے خوبصورت مرد کے ساتھ کراؤں گی جس کے پاس دولت بھی

ہوگی اور جس کا حکم چلے گا۔"

"اور اسرائیل سلجوقی بادشاہ ہوگا"۔ عنبرین نے طنزیہ کہا۔

"ہاں"۔ مریم بولی "وہ ہے ہی بادشاہ۔ اسے وہ تخت و تاج چاہیے جس پر سلطان محمود بیٹھا ہے۔"

"تم خواب دیکھ رہی ہو مریم!"

"تم ٹھیک کہتی ہو"۔ مریم نے کہا "میں خواب دیکھ رہی ہوں۔ اسرائیل میرے خوابوں کی تعبیر بن کے آیا ہے۔ میں یہ خواب بچپن سے دیکھ رہی ہوں۔ مجھے ملکہ بننا ہے۔ سر پر تاج رکھنے کے لیے میں اپنا سب کچھ قربان کر دوں گی۔"

"ہاں اسرائیل!"۔ ایلک خان نے اسرائیل کی درخواست سُن کر کہا "مریم کے باپ نے مجھے اجازت دے دی ہے کہ میں مریم کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے دوں لیکن وعدہ کرو کہ تم سلطان محمود سے میری شکست کا انتقام لوگے۔ مجھے عمر نے اور اپنے دوستوں نے دھوکہ دیا ہے۔ میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ دوستوں نے میدانِ جنگ میں ہی ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ سلطان محمود کے ساتھ رشتے ناطے جوڑ کر باقی عمر آرام سے گزار دوں گا لیکن تم امید کی ایک کرن بن کر آئے ہو۔ تم میری خواہش پوری کرسکو گے...۔ مریم کے ساتھ مجھے بہت پیار ہے۔ اکثر کہا کرتی ہے کہ وہ ملکہ بننے کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ تم اُسے ملکہ بنا سکتے ہو۔"

"میں آپ کی یہ خواہش کہ سلطان محمود کو شکست دی جائے اور مریم کی یہ خواہش کہ وہ ملکہ بنے، پوری کردوں گا"۔ اسرائیل نے کہا "میں ابھی سلطان محمود کے آمنے سامنے نہیں آیا۔ اگر میں پہلی بار اُس کے سامنے جم نہ سکا تو پیچھے ہٹ آؤں گا۔ دوسری بار بھی اُسے شکست نہ دے سکا تو میں دوسرا حربہ استعمال کروں گا۔ آپ مطمئن رہیں۔ محمود آپ کی زندگی میں ختم

ہوگا۔ اُسے میرے ہاتھوں ختم ہونا ہے۔"

اسرائیل سلجوقی نے پُرعزم باتوں سے ایلک خان کے دل سے شکست کی چوٹ سہلا دی اور وہ مریم کو دلہن بنا کے لے گیا۔ اُس کے قبیلے کو پہلے اطلاع مل چکی تھی کہ وہ دلہن لا رہا ہے اور دلہن کوئی عام قسم کی قبائلی لڑکی نہیں ایلک خان جیسے جنگجو کی بھتیجی ہے۔ ایلک خان گو شکست خوردہ تھا لیکن اُن دنوں سلطان محمود کے خلاف لڑنا بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ سلطان محمود کو کوئی دل گُردے والا ہی للکار سکتا تھا۔ اس لحاظ سے ایلک خان کی بڑی دھوم تھی۔

سلجوقی ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہوگئے تھے۔ بکرے اور اونٹ اتنے زیادہ ذبح ہوئے کہ کھالوں کی پہاڑی بن گئی اور خون ندی کی طرح بہہ نکلا۔ ساری رات جشن منایا گیا۔ دوسرے دن اسرائیل نے تمام قبیلے کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور مریم کے ساتھ بلند جگہ کھڑے ہو کر قبیلے سے خطاب کیا:

"آج میں تمہیں وہ ملکہ دے رہا ہوں جو محمود کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا عہد کرکے آئی ہے۔ ملکہ مریم جتنی حسین ہے اتنی ہی عزم اور عہد کی پکی ہے۔ سلجوقی شیر دا کیا تمہاری تلواریں غزنی والوں کے خون کی پیاسی نہیں ہیں!"

قبیلے نے اتنے گرجدار نعرے لگائے کہ پہاڑ کانپنے لگے۔ "ہندوستان کا لٹیرا آج ہمیں آنکھیں دکھا رہا ہے۔ عہد کرو کہ محمود کو ہمیشہ کی نیند سُلا کر سوئیں گے۔ اب ہماری منزل غزنی ہوگی۔ مت بھولو کہ ہمارا کوئی ملک نہیں۔ زمین کا کوئی ایسا ٹکڑا نہیں جسے سلجوقی اپنا وطن کہہ سکیں۔ ہم جنگلی جانوروں کی طرح پہاڑوں اور وادیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ ہم کمزور نہیں۔ ہم ایک طاقت ہیں۔ ہم ایک فوج ہیں۔ ہم ایک قوم ہیں۔ ہماری طاقت دوسرے استعمال کر رہے ہیں۔ ہم بکھرنا شروع ہوگئے ہیں۔ کئی سلجوقی غزنی کی فوج میں شامل ہوگئے ہیں۔ سلطان محمود نے انہیں ہندوستان سے لوٹی ہوئی دولت سے خرید لیا ہے۔ وہ اسلام کے نام پر سب کو دھوکہ دے رہا ہے۔ اسلام

کے پاسبان ہم ہیں لیکن ہم پہلے سلجوقی، اس کے بعد مسلمان ہیں۔ محمود اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ وہ اپنے آپ کو بُت شکن کہلاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُس نے اپنے آپ کو ایک بُت بنالیا ہے اور ہم سب سے اپنے آگے سجدے کرانا چاہتا ہے۔ ہم خدا کے سوا کسی کے آگے نہیں جھکیں گے۔ تلواریں تیز کرلو۔ ترکشیں تیروں سے بھرلو۔ تیار ہو جاؤ۔ ہمارا اگلا جشن فتح کا جشن ہوگا۔"

اُسی روز پہاڑی علاقے میں گہماگہمی شروع ہوگئی۔ پھینکنے والی برچھیاں تیار ہونے لگیں۔ کمانیں اور تیر تیار ہونے لگے۔ دُور دُور سے سلجوقیوں کو اکٹھا کیا جانے لگا۔۔۔ اور ایک مہینے کے قلیل عرصے میں ایک لشکر تیار ہوگیا۔ اسرائیل سلجوقی نے ایلک خان کی بھی کچھ فوج لے لی اور اس فوج کے ساتھ ایلک خان کا بیٹا احمد توغان خان کمانڈر بن کے آیا۔

غزنی کی فوج میں ارباب خان سلجوقی ایک جیش کا عہدیدار تھا۔ ایک روز اُس کا باپ اُسے ملنے آیا۔ ملنے کا مقصد صرف باپ بیٹے کی ملاقات نہیں تھی، بلکہ باپ اپنے بیٹے کو بتانے آیا تھا کہ سلجوقی سلطان محمود کے خلاف لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور سلجوقی درویشوں نے فتویٰ دیا ہے کہ جو سلجوقی غزنی کی فوج میں ہیں وہ واپس اپنے قبیلے میں آجائیں، ورنہ وہ کافروں کی موت مریں گے اور اُن کی لاشیں گدھ اور کُتّے کھائیں گے۔ ارباب خان نے اپنے باپ سے سلجوقیوں کی تیاریوں کی تفصیل سُنی اور باہر نکل گیا۔ وہ اپنے سالار کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ سلجوقی غزنی پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور یہ اطلاع سلطان تک پہنچنی چاہیئے۔

تھوڑی دیر بعد باپ بیٹا سلطان محمود کے سامنے کھڑے تھے۔

"میں تمہارے بیٹے کی قدر کرتا ہوں کہ اس نے اپنے باپ کو مجرم بنا کر اپنے سلطان کے سامنے کھڑا کردیا ہے"۔ سلطان محمود نے کہا۔"میں اسے کیا انعام دوں گا، اسے اصل انعام خدا دے گا"

بوڑھا خوف سے کانپنے لگا۔ اُسے بڑی ہی خوفناک سزا نظر آنے لگی تھی۔

"جسے روشنی نہ دکھائی گئی ہو اُس پر کوئی الزام نہیں کہ وہ راستے سے بھٹک گیا ہے"۔ سلطان محمود نے کہا۔"اب تمہارا بیٹا تمہیں روشنی میں لے آیا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ سلجوقی کیسی تیاریاں کر رہے ہیں اور اُن کے ارادے کیا ہیں۔ نہیں بتاؤگے تو میں تمہیں قید نہیں کروں گا۔ تم ہمارے مہمان ہو اور مسلمان ہو۔ عزت سے رخصت کروں گا تاکہ تم جان سکو کہ سچا اسلام کہاں ہے اور خدا کس کے ساتھ ہے۔۔۔۔ کیا تم خدا سے ٹکر لے سکتے ہو؟"

بیٹا بھڑک اُٹھا اور بولا"گستاخی کی معافی چاہتا ہوں سلطانِ عالی مقام! اگر میرے باپ نے سچ نہ بولا تو میں یہیں اس کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں گا"

"تم نے گستاخی میری نہیں کی، اپنے باپ کی ہے"۔ سلطان محمود نے گرج کر کہا۔"اس نے صرف ایک رُخ دیکھا ہے۔ اسے دوسرا رُخ بھی دیکھنے دو"۔

بوڑھا اتنا متاثر ہوا کہ آگے بڑھ کر سلطان محمود کے آگے دوزانو ہوگیا۔ اُس نے اپنی کمر سے تلوار اتار کر سلطان کے قدموں میں رکھ دی اور اُس نے بتانا شروع کردیا کہ اُن کے سردار اسرائیل نے ایلک خان کی بھتیجی کے ساتھ شادی کرلی ہے اور ایلک خان کی کچھ فوج کو اپنے ساتھ ملا کر غزنی پر حملے کی تیاری کر رہا ہے۔ سلطان محمود نے اُس سے اپنے مطلب کی بہت سی باتیں پوچھیں اور حکم دیا کہ اس بوڑھے کو شاہی مہمان کی حیثیت سے رکھا جائے۔ اسے بھیج کر سلطان نے ارباب خان سلجوقی کو کچھ انعام دیا اور اُسے کہا کہ وہ اپنے قبیلے میں اسرائیل کا وفادار بن کر چلا جائے اور وہاں کے حالات دیکھ کر چوری چھپے واپس آجائے۔

ارباب خان پندرہ سولہ دنوں بعد آگیا اور اُس نے سلطان محمود کو

سلجوقیوں کی تمام تر جنگی معلومات دے دیں۔ سلطان محمود کی فوج میں دو کمانڈر سلجوقی تھے۔ ان کے نائب سالار نے ان کی وفاداری کی بہت تعریف کی۔ سلطان نے دونوں سے کہا کہ وہ اسرائیل سلجوقی کے پاس چلے جائیں اور اس کی راہنمائی کرتے اُسے لائیں۔ سلطان نے بہت سی ہدایات دے دیں اور اپنے سالاروں کو بلا کر فوج کو بخارا کے پہاڑی علاقے کی سمت کوچ کا حکم دے دیا۔

یہ ۱۰۱۷ - ۱۸ء کا واقعہ ہے۔ سلجوقی لشکر نے ترمز کے مقام سے دریائے آکسس عبور کیا۔ یہ جنگجوؤں کا لشکر تھا اور اپنے آگے سب کچھ بہا لے جانے والے سیلاب کی طرح آ رہا تھا۔ یہ چونکہ قبائلی لوگ تھے، ان کی کوئی باقاعدہ بادشاہی نہیں تھی، اس لیے وہ راستے میں آنے والی بستیوں کو لوٹتے آ رہے تھے۔ انہوں نے کھڑی فصل اپنے مویشیوں کو کھلا دیئے۔

ترمز سے تقریباً ساٹھ میل جنوب میں آہنگران کا پہاڑی علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ لشکر ان دو سلجوقی کمانداروں کی راہنمائی میں آ رہا تھا جنہیں سلطان محمود نے بھیجا تھا۔ انہوں نے اس پہاڑی علاقے میں ایک خاص مقام پر لشکر کو پڑاؤ کرایا۔ انہوں نے اسرائیل سے کہا تھا کہ وہ اُسے اُس طرف لے جا رہے ہیں جدھر غزنی کی فوج نہیں ہے۔ پڑاؤ کیا گیا۔ سفر کا تھکا ہوا لشکر گہری نیند سو گیا۔

آدھی رات کے قریب خیمہ گاہ میں سے ایک مشعل بلند ہوئی اور دائیں بائیں ہلی۔ اس اشارے کے ساتھ ہی یوں شور اُٹھا جیسے پہاڑیاں سرک کر آگے بڑھ رہی ہوں اور اُن کے پتھر اوپر سے لڑھکتے نیچے آ رہے ہوں۔ سلطان محمود کے بھیجے ہوئے دونوں سلجوقی کمانداروں نے سلجوقی لشکر کے سامان کے ڈھیر کو آگ لگا دی، اور اس روشنی میں سلجوقیوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اُن خیموں سے شعلے اُٹھنے لگے جن میں سلجوقی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ غزنی کی فوج کی نفری سلجوقیوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی لیکن سوئی ہوئی فوج کو تباہ کرنے کے لیے یہی دو سوار دستے کافی تھے۔ یہ کوئی لڑائی نہیں تھی، یہ

سلجوقیوں کا قتلِ عام تھا۔ ان کے لیے بھاگ نکلنے یا کٹ مرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا۔

دونوں سلجوقی کمانداروں نے اسرائیل سلجوقی اور احمد تونمان خان کو پکڑنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ دونوں حملہ شروع ہوتے ہی نکل گئے تھے۔ صبح جلی اور سلگتی ہوئی خیمہ گاہ میں بکھری ہوئی سلجوقی لاشوں کو دیکھا گیا۔ اسرائیل اور تونمان خان کی لاشیں کہیں نظر نہ آئیں۔

*

اسی جگہ جہاں اسرائیل نے اپنے قبیلے سے للکار کر کہا تھا کہ تلواریں تیز کر لو، ترکشیں تیروں سے بھر لو، ہمارا اگلا جشن فتح کا جشن ہوگا، وہیں اسرائیل اپنے خیمے میں لیٹا ہوا تھا۔ مریم نے اپنے ہاتھوں اُسے شراب کا جام پلایا تھا۔ اُن کے پاس ایک درویش صورت آدمی بیٹھا تھا۔

"پہلی شکست آخری شکست نہیں ہوا کرتی" — درویش کہہ رہا تھا — "دل برداشتہ نہ ہو اسرائیل! تم بے خبری میں مارے گئے ہو۔ آخر فتح تمہاری ہوگی۔"

اسرائیل پر خاموشی طاری تھی۔ وہ جیسے کچھ سُن ہی نہیں رہا تھا۔ مریم نے درویش کو اشارہ کیا اور وہ خیمے سے نکل گیا۔ مریم نے اسرائیل پر اپنے حُسن و جوانی کا جادو طاری کرنا شروع کر دیا اور اُسے وہ عہد یاد دلایا جو اس نے پہلی ملاقات میں کیا تھا۔ اسرائیل کے جسم میں جان واپس آنے لگی۔

تین چار روز بعد جب اسرائیل اپنے قبیلے کو از سرِ نو منظم کر رہا تھا، اُسے اطلاع ملی کہ ایلک خان مر گیا ہے اور اُس نے مرتے وقت کہا ہے کہ اسرائیل سے کہنا کہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ میری زندگی میں تم سلطان محمود کو ختم کر دو گے لیکن تمہاری پسپائی کی تفصیل سُن کر مجھے اتنا صدمہ ہوا ہے جو میں اس عمر میں برداشت نہیں کر سکا۔ میں اپنے بیٹے احمد تونغان خان کو اپنا جانشین مقرر کر کے اس دنیا سے نامراد جا رہا ہوں۔ تم اپنا عہد پورا کرنا ورنہ میری روح بدروح بن کر تمہیں راتوں کو چین سے سونے کبھی نہیں دے گی۔ تونغان

خان سے دوستی قائم رکھنا۔ ایلتگین کو بھی ساتھ رکھو۔ تم میں کوئی بھی محمود کو اکیلے شکست نہیں دے سکتا۔ میں ایلتگین کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔

ایلک خان نے پیغام ایلتگین کے ہاتھ بھیجا تھا۔ اُس نے کہا تھا "ایلتگین کے ساتھ دو لڑکیاں تمہارے پاس آ رہی ہیں۔ مریم انہیں اچھی طرح جانتی ہے۔ مرنے سے پہلے تمہیں ایک طریقہ بتاتا ہوں۔ تم نے کہا تھا کہ تم سلطان محمود کو شکست نہ دے سکے تو اُسے کسی اور طریقے سے مار دو گے۔ ان دو لڑکیوں کو استعمال کرو۔ بڑی تیز اور ہوشیار لڑکیاں ہیں۔ سلطان محمود کی فوج میں چند ایک کماندار سلجوقی ہیں۔ ان لڑکیوں کو انہیں پھانسنے کے لیے غزنی بھیجو۔ یہ سلجوقی کمانداروں کے ساتھ شادی کریں گی لیکن در پردہ دوسرے سلجوقیوں کو جو محمود کی فوج میں ہیں، اپنے جال میں پھانستی رہیں گی۔ انہیں باہر کے ایک آدمی نے تربیت دی ہے۔ تمہارا نام بھی اسرائیل ہے لیکن وہ آدمی بنی اسرائیل ہے۔ اس سے تمہیں شک نہ ہو کہ وہ یہودی ہے تو تمہیں نقصان پہنچائے گا۔ اس کا ہدف سلطان محمود ہے۔ اُس نے وعدہ کیا ہے کہ سلطان کی فوج کے سلجوقیوں کو خریدنے کی ضرورت پڑی تو وہ نقد مدد بھی دے گا۔ اس مہم میں تم خرچ کرنے سے نہ ڈرنا۔ احمد توغان خان تمہیں مالی امداد دے گا۔"

اسرائیل نے دونوں لڑکیوں کو دیکھا تو اُس نے محسوس کیا کہ وہ مریم کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھیں لیکن خوبصورت تھیں۔ ان لڑکیوں نے جب اسرائیل کے ساتھ باتیں شروع کیں اور ناز و انداز دکھائے تو اس کے ذہن سے مریم اُترنے لگی۔ ان دونوں میں کچھ اور ہی کشش تھی۔ کوئی جادو سا تھا جس نے ان لڑکیوں کی شکل و صورت ہی بدل ڈالی تھی۔ اسرائیل یوں اٹھ بیٹھا جیسے اُسے نئی توانائی مل گئی ہو۔

*

ڈوبنے والے تنکوں کے سہارے ڈھونڈا کرتے ہیں۔ میدان میں شکست کھانے والے زیر زمین چلے جاتے اور سانپ بن جایا کرتے ہیں۔ بڑے بڑے

جری مرد جنہیں کوئی بھی زیر نہ کر سکا، کسی حسین و جمیل عورت یا سانپ کے ڈنک سے مرے ہیں۔ عورت نے بادشاہوں کو نچایا ہے اور عورت نے اپنا آپ قربان کر کے بادشاہی کی گرتی ہوئی عمارت کو تھاما اور استحکام بھی بخشا ہے۔

جہاں یہودیوں کی تربیت یافتہ یہ دو مسلمان لڑکیاں سلطان محمود کے قتل کے لیے آئی تھیں وہاں مریم بھی تھی جو بیداری میں ملکہ بننے کے خواب دیکھا کرتی تھی۔ اور وہاں ایک عنبرین بھی تھی جو ایلک خان کے خاندان کی ہی بیٹی تھی۔ وہ اسی ماحول کی پروردہ تھی جس میں سلطان محمود غزنوی کا نام حقارت سے لیا جاتا تھا اور جس میں غزنی کی سلطنت کی جڑیں کاٹنے کے منصوبے بنتے رہتے تھے مگر سلطان محمود کی نفرت اس کے لیے عقیدت بن گئی تھی۔ اس نے مریم سے بھی کہا تھا کہ وہ سلطان محمود سے نہیں اسلام سے نفرت کا اظہار کر رہی ہے۔

اب یہ دو لڑکیاں اُس کے سامنے اسرائیل سلجوقی کی طرف بھیجی گئی تھیں۔ وہ ان لڑکیوں کو اچھی طرح جانتی پہچانتی تھی لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ ایک اجنبی صورت آدمی انہیں کمرے میں لے جا کر کیا پڑھاتا اور بند کمرے میں کیا ہوتا ہے۔ عنبرین نے ان سے پوچھا تھا تو انہوں نے بتایا تھا کہ یہ اُن کا اتالیق ہے۔ عنبرین کو افسوس سا ہوا تھا کہ اسے اتالیق کی شاگردی میں کیوں نہیں بٹھایا جاتا۔ اُسے وجہ معلوم تھی۔ اُس کے خیالات کچھ اور تھے، وہ بات کچھ اور کرتی تھی اور وہ اسلام اسلام کی رٹ لگائے رکھتی تھی۔ وہ اس شاہی خاندان کی دوسری لڑکیوں کی طرح شوخیوں اور کدکڑوں میں شب و روز نہیں گزارتی تھی۔ سب کہتے تھے کہ مخبوط الحواس ہے۔

عنبرین کو صرف دو شوق تھے۔ گھوڑ سواری اور تیر اندازی۔ یہ تو اُس دور کا دستور تھا کہ لڑکیاں گھوڑ سواری، شتر سواری اور تیر اندازی سے خوب واقف ہوتی تھیں لیکن عنبرین مردوں کے مقابلے میں گھوڑا دوڑاتی اور دوڑتے گھوڑے سے نشانے پر تیر چلاتی تھی۔ اُس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوا تھا۔ وہ اکثر گھوڑا دوڑاتی جنگل میں دور نکل جایا کرتی تھی۔

سلجوقی نقصان تو بہت اٹھا گئے تھے۔ اُن کے گھوڑے اور اونٹ بھی پیچھے رہ گئے تھے لیکن سلطان محمود کو معلوم تھا کہ اس قبیلے کی تعداد کم نہیں۔ ایلک خان کی فوج بھی سلجوقیوں کی اتحادی تھی۔ وہ کسی بھی روز سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ کر سکتے تھے۔ اُن پر نظر رکھنا ضروری تھا۔ چنانچہ سلطان محمود نے حکم دے دیا تھا کہ اپنی فوج کی گشت سرحدوں سے باہر جتنی دُور تک جا سکے چلی جایا کرے۔

عمر یزدانی فوج میں کمانڈر تھا۔ اس کے ماتحت تین سرحدی چوکیاں تھیں۔ یہ سرحد اُس علاقے سے ملتی تھی جو ایلک خان کا تھا۔ یہ دریائے اوکسس کے پار کا علاقہ تھا۔ سلطان محمود نے دو چوکیاں دریا کے پار بنا دی تھیں۔ ان کی نفری کے لیے دریا میں ہر وقت کشتیاں موجود رہتی تھیں۔ عمر یزدانی اسی چوکی میں رہتا تھا۔ ایک روز وہ گشتی سنتریوں کو دیکھنے کے لیے چلا گیا کہ وہ کہیں بیٹھ تو نہیں جاتے۔

اُس نے دُور سے دیکھا کہ گھوڑ سوار سنتری چلے جا رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھتا رہا۔ وہ کہیں رُکے نہیں اور آگے جا کر جنگل میں غائب ہو گئے۔ اُدھر جانا عجیب نہیں تھا۔ عمر یزدانی دوسری طرف نکل گیا۔ وہ کمانڈر تھا۔ اُس کے پاس کمان اور ترکش نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن گشت پر جاتے وہ کمان اور ترکش ساتھ لے جاتا تھا۔ دشمن کے علاوہ اُس علاقے میں ہرن اور خرگوش ہوتے تھے جن کا شکار دلچسپ تھا۔ اُس روز اُسے دُور ہرنوں کا ایک جوڑا نظر آیا۔ عمر یزدانی نے گھوڑے کا رُخ اُدھر کو کر لیا اور کمان میں تیر ڈال لیا۔ وہ چھپ چھپ کر ذرا چکر کاٹ کے جا رہا تھا تاکہ ہرنوں کو خبر نہ ہو لیکن ہرن وہاں سے چل پڑے اور دُور ہی دُور ہٹتے گئے۔ عمر یزدانی ہرنوں میں ایسا گم ہوا کہ دیکھ نہ سکا کہ وہ کتنی دُور نکل گیا ہے۔ آگے علاقہ چٹانی آ گیا تھا۔

ہرن سرپٹ دوڑ پڑے جیسے ڈر گئے ہوں۔ دُور سے دوڑتے گھوڑے کے ٹاپو سنائی دینے لگے جو قریب آ رہے تھے۔ عمر یزدانی رُک گیا۔ اُسے ایک

گھوڑ سوار دکھائی دیا جو سرپٹ دوڑتے گھوڑے سے دائیں اور بائیں تیر چلا رہا تھا۔ گھوڑا ایک طرف مُڑ گیا۔ تب عمر یزدانی نے دیکھا کہ گھوڑ سوار عورت ہے اور گھوڑے کے تعاقب میں چار بھیڑیئے ہیں۔ عورت گھوڑے کو دائیں کبھی بائیں کر کے بھیڑیوں پر تیر چلاتی تھی مگر بھیڑیئے اُس کی زد میں نہیں آتے تھے۔

اس علاقے کے بھیڑیئے بڑے ہی طاقتور اور خونخوار ہوا کرتے تھے۔ گھوڑا بھیڑیوں کے ڈر سے بہت تیز دوڑ رہا تھا۔ اُسے آخر تھکنا اور رُکنا تھا۔ عورت کے لیے بھیڑیوں کا مقابلہ اور اُن سے بچنا ناممکن تھا۔ عمر یزدانی نے کمان میں تیر ڈال رکھا تھا۔ اُس کا گھوڑا تازہ دم تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اعلیٰ نسل کا فوجی گھوڑا ہوا ہو گیا۔ چاروں بھیڑیئے اس کے آگے آگے گھوڑ سوار عورت کے پیچھے دوڑے جا رہے تھے۔ وہ گھوڑے تک تقریباً پہنچ گئے تھے۔ ایک نے اچھل کر گھوڑے کو پنجہ مار بھی دیا تھا اور ایک گھوڑے کے پہلو میں چلا گیا اور اچھل رہا تھا۔

عمر یزدانی نے تیر نہ چلایا۔ وہ پہلو والے بھیڑیئے کے پیچھے گیا اور گھوڑا اس پر چڑھا دیا۔ یہ بھیڑیا گھوڑے تلے کچلا گیا۔ عمر یزدانی نے گھوڑے کو پیچھے کو موڑا اور دوڑتے گھوڑے سے ایک بھیڑیئے پر تیر چلایا۔ بھیڑیئے نے چیخ ماری اور گھوڑے سے توجہ ہٹا کر دوسری طرف بھاگ اٹھا لیکن دُور نہ جا سکا۔ گر کر تڑپنے لگا۔ باقی دو بھیڑیئے اپنے دو ساتھیوں کا انجام دیکھ کر بھاگ گئے مگر عورت کا گھوڑا ایسا ڈرا ہوا تھا کہ بے لگام ہو گیا تھا۔ رُکتا نہیں تھا۔ عمر یزدانی نے اپنا گھوڑا اس کے پہلو میں کر لیا۔ تب اُس نے دیکھا کہ سوار عورت نہیں بلکہ بڑی خوبصورت جوان لڑکی ہے اور وہ کوئی شہزادی معلوم ہوتی ہے۔

عمر یزدانی نے دوڑتے گھوڑے سے جھک کر لڑکی کے بے لگام گھوڑے کے منہ کے قریب سے لگام پکڑ لی اور اُسے اپنے قابو میں لے لیا۔ لڑکی گھبرائی ہوئی نہیں ہانپی ہوئی تھی۔ اُس نے جب شکریہ ادا کیا تو عمر یزدانی نے اس

کا لب و لہجہ سن کر پوچھا۔ "ایلک خانی؟"

"ہاں.... اور آپ؟"

"غزنوی" — عمر یزدانی نے کہا۔ "میں غزنی کی فوج میں کماندار ہوں۔ ایک ہرن کے پیچھے بہت دُور نکل آیا تھا۔ آپ کا گھوڑا اور اس کے تعاقب میں بھیڑیے دیکھے...."

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ اپنی سرحد سے کتنا باہر آگئے ہیں؟" — لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ ہماری سرحد میں ہیں اور ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔"

"ایلک خان مر گیا ہے"۔ عمر یزدانی نے کہا۔ "زندہ تھا تو بھی مرا ہُوا تھا۔ ہم اُس کی جان کبھی کی نکال چکے تھے۔ آپ کون ہیں؟"

"میرا تعلق ایلک خان کے خاندان سے ہے" — لڑکی نے کہا۔ "میرا نام عنبرین ہے۔"

"تو آپ شہزادی ہیں"۔ عمر یزدانی نے کہا۔ "پھر آپ نے ٹھیک کہا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ اچھا نہیں لگتا کہ میں ایک عورت کے ساتھ طنزیہ یا دھمکی آمیز باتیں کروں.... شہزادی عنبرین! آپ ابھی اُس عمر کو نہیں پہنچیں جس میں انسان اچھے اور بُرے، دوست اور دشمن کو پہچان سکتا ہے۔ میں آپ کو ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے دل سے سلطان محمود کی دشمنی نکال دیں اور اپنے بچوں کو بھی یہی بتائیں کہ ایک مذہب کے دو انسان آپس میں دشمن نہیں ہو سکتے۔"

"مجھے اپنا دشمن نہ سمجھیں" — عنبرین نے کہا۔ "مجھے آپ کی نصیحت کی ضرورت نہیں۔ میرا خاندان مجھے پاگل کہا کرتا ہے کیونکہ میں غزنی کی نفرت کی نہیں محبت کی باتیں کیا کرتی ہوں۔ آج خدا نے شاید اسی کا انعام دیا ہے کہ مجھے بھیڑیوں سے بچانے کے لیے ہمارے ایک دشمن کو ہماری سرحد کے اندر بھیج دیا ہے.... اوہ، میرے خدا! اگر آپ نہ آتے تو یہ بھیڑیے مجھے چیر پھاڑ کر کھا جاتے۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے؟" — عمر یزدانی نے پوچھا۔ "میں آپ کا دشمن ہوں اور آپ کی سرحد کے اندر آ گیا ہوں۔ کیا میں آپ کا قیدی ہوں؟"

"نہیں.... آپ مہمان ہیں" — عنبرین نے کہا۔ "اگر آپ جلدی میں ہیں تو آپ جا سکتے ہیں۔ مجھے جلدی ہے۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ وہ مجھے ڈھونڈ نہ رہے ہوں۔"

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آنکھوں سے آنکھیں اور مسکراہٹ سے مسکراہٹ ٹکرائی۔ عمر یزدانی نے سرگوشی کی۔ "خدا حافظ شہزادی!" — اور اُس نے گھوڑا موڑا۔ گھوڑا چلا ہی تھا کہ اُسے عنبرین کی آواز سنائی دی۔

"ٹھہریئے۔ کل پھر آ سکیں گے؟" — عنبرین نے کہا۔ "میں یہیں آ جاؤں گی۔"

"مجھے گرفتار کرنے کتنے آدمی آئیں گے؟" — عمر یزدانی نے پوچھا۔

عنبرین کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اُس کا چہرہ بجھ گیا۔

"آپ مجھ پر ایسا شک کر سکتے ہیں" — عنبرین نے بڑے ہی اداس لہجے میں کہا۔ "میں آپ کو یقین نہیں دلا سکتی کہ میں آپ کو دھوکہ نہیں دوں گی۔ آپ کہیں تو میں آپ کی چوکی تک آ جاؤں گی۔"

"میں آؤں گا۔"

وہ چلا گیا تو عنبرین اُسے وہیں کھڑی دیکھتی رہی۔

عمر یزدانی نے خطرہ مول لیا اور اگلے روز وہیں چلا گیا جہاں اسے عنبرین ملی تھی۔ اس ملاقات میں ان میں بے تکلفی پیدا ہو گئی۔ پھر اُن کی ملاقاتیں ہر روز ہونے لگیں۔ پانچ چھ روز بعد کی ایک ملاقات میں عنبرین کچھ گھبرائی گھبرائی سی تھی۔

"مجھے تمہاری محبت لے آئی ہے مگر اب ہم خطرے میں ہیں" — عنبرین نے کہا۔ "اپنی ایک ملازمہ نے کل مجھے بتایا ہے کہ میرے ہر روز جنگل میں نکل جانے پر شک کیا جانے لگا ہے اور ہو سکتا ہے میرا تعاقب کیا جائے۔ مجھے اپنی پرواہ نہیں۔ میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے تمہارا فکر ہے۔ ذرا ہوشیار رہنا۔

اگر وہ آ گئے تو میں واپس نہیں جاؤں گی۔ اگر نکل بھاگنے کا موقع مل گیا تو تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی۔ کیا تم ساتھ لے چلنے کے لیے تیار ہو؟"

"تو کیا میں تمہارے ساتھ مذاق کر رہا ہوں جو ہر روز سرحد پھلانگ کر اتنی دور خطرے میں آ جاتا ہوں؟" — عمر یزدانی نے کہا۔

انہیں کچھ اور کہنے اور سوچنے کا موقع نہ ملا۔ انہیں گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دینے۔

"وہ آ گئے ہیں" — عنبرین نے کہا۔

"دیکھو" — عمر یزدانی نے کہا — "وہ آ رہے ہیں۔"

تین گھوڑ سوار کچھ دور سے نظر آ گئے تھے۔ عمر یزدانی اور عنبرین اپنے اپنے گھوڑوں پر تیزی سے سوار ہوئے۔ اُن تین گھوڑ سواروں نے ایڑیں لگا دیں۔ عمر یزدانی اور عنبرین نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ پیچھے سے تین تیر اکٹھے آئے جن میں سے دو عنبرین کے گھوڑے کی پیٹھ میں اُتر گئے۔ گھوڑا بڑی زور سے ہنہنایا۔ عمر یزدانی نے دیکھ لیا۔ اُس نے اپنا گھوڑا عنبرین کے گھوڑے کے پہلو میں کر لیا اور ایک بازو عنبرین کی کمر کے گرد لپیٹ کر کہا کہ وہ اُس کے گھوڑے پر آ جائے۔ گھوڑوں کی رفتار بہت تیز تھی۔ عنبرین عمر یزدانی کے سہارے اس کے گھوڑے پر اس کے آگے آ گئی۔ ان کے قریب سے تین تیر گذر گئے۔

عمر یزدانی نے گھوڑے کو دائیں بائیں کرنا شروع کر دیا تاکہ تیر انداز اُسے نشانے میں نہ لے سکیں۔ آگے چٹانیں آ گئیں۔ عمر یزدانی نے گھوڑا ان میں داخل کر دیا اور وہ محفوظ فاصلے پر پہنچ گیا۔ پھر سرحد آ گئی اور وہ اپنے علاقے میں داخل ہو گیا۔ تعاقب میں آنے والے جانے کہاں سے واپس چلے گئے تھے۔

یہ ایک سال پہلے کا واقعہ تھا۔ اب سلطان محمود ہندوستان کو جا رہا تھا۔ اب اُس نے اپنے سالاروں اور کمانداروں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنی بیویوں کو ساتھ لے جانا چاہیں تو لے جا سکتے ہیں۔ یہ اجازت اُس نے اس لیے دی تھی کہ اب وہ ہندوستان کے کسی علاقے میں اپنی باقاعدہ حکومت قائم کرنا چاہتا تھا اور وہاں فوج بھی رکھنی تھی۔ اُس کے پیشِ نظر لاہور تھا لیکن اس سے پہلے اُسے مہاراجوں کے سر کچلنے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک لاہور کا مہاراجہ ترلوچن پال تھا۔ اُسے اطلاع مل چکی تھی کہ ترلوچن پال اپنی فوج قنوج اور متھرا کے درمیان کہیں لے گیا ہے اور دوسرے مہاراجوں کو متحد کرتا پھر رہا ہے۔

سلطان محمود کی اجازت پر چند ایک سالار وغیرہ اپنی بیویاں ساتھ لے جا رہے تھے۔ عنبرین عمر یزدانی کی بیوی بن چکی تھی۔ عمر یزدانی اُسے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا لیکن عنبرین کی ضد اتنی شدید تھی کہ عمر یزدانی کو اسے ساتھ لے جانا پڑا۔ اس ضد میں محبت کا عمل دخل اتنا نہیں تھا جتنا جذبے کا تھا۔ عنبرین نے عمر یزدانی سے کہا تھا کہ مجھے خدا سے شکوہ ہے کہ مجھے عورت بنا کر پیدا کیا۔ میری روح کفر کے خلاف میدانِ جنگ میں بھٹکتی رہتی ہے۔

"کافر سے زیادہ خطرناک ایمان فروش ہوتا ہے" — عمر یزدانی نے اسے کہا تھا — "کافر کو سب جانتے ہیں کہ کافر ہے اور ہمارا دشمن لیکن ایمان فروش کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ بھائی بنا رہتا اور پیٹھ میں چھرا گھونپ کر بھی کہتا ہے کہ میں تمہارا بھائی ہوں.... تم ایمان فروشوں کے خاندان کی لڑکی ہو۔ میں حیران ہوں کہ تمہاری روح کفر کے خلاف کیوں بھڑکی رہتی ہے؟"

"میری ماں کا ایمان فروشوں کے خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا" — عنبرین نے کہا — "میرا باپ ایک خالی تھا۔ اُس نے میری ماں کو کہیں سے زبردستی اغوا کیا تھا۔ میں پیدا ہوئی اور جب سے میرا شعور بیدار ہوا ہے ماں مجھے بتا رہی ہے کہ یہ ایک خالی مسلمان ہو کر اسلام کے لیے سب سے بڑا خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ ماں مجھے بچپن سے سلطان محمود کی باتیں سنا رہی ہے۔ میں تصور میں اس عظیم سلطان کو دیکھتی رہی ہوں۔ میں ماں باپ کی اکیلی اولاد ہوں۔

ماں کہا کرتی ہے کہ خدا اُسے صرف ایک بیٹا دے دے تو وہ اُس کے ہاتھوں قوم کے ان غداروں کو ختم کرائے۔ اُسے خدا نے بیٹا نہ دیا۔ اب یہ میرا فرض ہے کہ ان غداروں اور ایمان فروشوں کو ختم نہ کر سکوں تو حق پرستوں کا تو ساتھ دوں...میں تمہارے ساتھ بیوی کی حیثیت سے نہیں، مجاہد کی حیثیت سے جا رہی ہوں۔ تم ساتھ نہیں لے چلو گے تو تم جانتے ہو کہ میں گھوڑ سوار ہوں، تیر انداز بھی ہوں، فوج کے پیچھے پیچھے آجاؤں گی۔ مجھے کچھ کرنا ہے عمر! مجھے کچھ کرنے دو۔ عورت تمہارا ایک بازو ہے۔ اسے توڑ کر گھر میں نہ پھینکو۔"

وہ عمر کے ساتھ جا رہی تھی۔ یہ فوجی قافلہ کئی میل لمبا تھا۔ رسد کی گھوڑا گاڑیاں سینکڑوں تھیں۔ پالکیاں بھی ساتھ تھیں جن میں عورتیں تھیں۔ پالکیاں ایک دوسری سے بہت دور دور تھیں۔

*

اور اس فوج کے ساتھ اسی فوج کے دشمن بھی جا رہے تھے۔ یہ پچاس ساٹھ سلجوقی تھے جو بہت عرصے سے غزنی کی فوج میں تھے اور ان کی وفاداری پر کسی کو شک نہیں تھا مگر تھوڑے ہی عرصے سے ان کی وفاداری درپردہ مشکوک ہو گئی تھی۔ کسی کو ان کی بدلی ہوئی نیت کا علم نہ ہو سکا۔ ان میں ایک کمانڈر رجب بائیجان تھا جس نے ڈیڑھ ایک سال پہلے شادی کی تھی۔ ایک اور سلجوقی کی بھی شادی ہوئی تھی۔ ان دونوں کی شادیوں کے بعد غزنی کی فوج کے سلجوقیوں میں یہ تبدیلی آئی تھی کہ وہ اکٹھے رہنے لگے تھے۔

کسی کو معلوم نہیں تھا کہ ان دونوں کو یہ بیویاں انعام کے طور پر ملی تھیں۔ دونوں چند دنوں کی رخصت پر گئے تھے۔ وہاں ایک سفید ریش آدمی تھا اور کچھ اور سرکردہ لوگ بھی تھے۔ سفید ریش نے ایسے الفاظ اور ایسے انداز سے ان دونوں کے ساتھ باتیں کی تھیں کہ دونوں کے خون اُبل پڑے پھر ان کے آنسو نکل آئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ غزنی کی فوج میں واپس نہیں جائیں گے۔

"یہ بزدلی ہے" — سفید ریش نے کہا تھا — "تمہیں انتقام لینا ہے سلجوقیوں

کی ذلت کا انتقام تمہیں لینا ہے۔ اچھا ہے کہ تم غزنی کی فوج میں ہو۔"

"ہم سلطان محمود کو قتل کر دیں گے۔" رجب بائیجان نے کہا۔

"اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا" — وہاں بیٹھے ہوئے ایک اور آدمی نے کہا — "وہ ہم تمہیں بتائیں گے کہ تمہیں کیا کرنا ہے .... پہلا کام یہ ہے کہ غزنی کی فوج میں جتنے سلجوقی ہیں انہیں درپردہ اپنے ساتھ ملا لو۔ ان پر جب تمہیں اعتماد پیدا ہو جائے تو انہیں بتانا کہ کیا کرنا ہے۔ تم کمانڈر ہو۔ جنگی امور کو سمجھتے ہو۔ سلطان محمود کو ہندوستان میں میدانِ جنگ میں دھوکہ دینا ہے۔ وہ خواہ زندہ رہے، اس کی فوج کو تباہ کرنا ہے۔ وہ کسی نہ کسی وقت ہندوستان پر فوج کشی کرے گا۔ تم ساتھ ہو گے۔ تم دشمن کے ساتھ مل کر اس کی فوج کے پہلو پر یا عقب سے حملہ کرا سکتے ہو۔"

"لیکن وہاں دشمن کے ساتھ رابطہ کیسے ہوگا؟" — رجب بائیجان نے کہا — "ہم وہاں کی زبان نہیں جانتے۔"

"تمہارے پاس ذریعہ موجود ہے" — سفید ریش نے کہا — "اور یہ ذریعہ غزنی میں جگہ جگہ موجود ہے۔ یہ وہ ہندو ہیں جنہیں غزنی کی فوج ہر حملے کے بعد جنگی قیدیوں کی حیثیت سے ساتھ لاتی رہی ہے۔ محمود نے ان میں سے وفادار منتخب کر کے ان کے دو دستے تیار کر لیے ہیں۔ باقی ہزاروں قیدی سرکاری ملازم ہیں اور ان میں سے زیادہ تعداد لوگوں نے خرید لی تھی۔ وہ اب ان کے ذاتی ملازم ہیں۔ ہم تمہیں ایسے چار پانچ ہندو دیں گے جو مسلمانوں کے بہروپ میں تمہارے ملازم ہوں گے یا گاڑی بان بن کر ساتھ جائیں گے۔ وہ ہندوستان میں تمہارے راہنما ہوں گے۔ دشمن سے تمہارے رابطے کا ذریعہ بنیں گے۔ ہم انہیں اتنی دولت دیں گے جو انہوں نے کبھی خواب میں نہیں دیکھی۔ انہیں سب سے بڑا انعام یہ ملے گا کہ انہیں آزادی مل جائے گی اور وہ ہندوستان میں رہ جائیں گے۔ میدانِ جنگ میں ایسے حالات تم پیدا کرو گے کہ غزنی کی فوج کے پورے پورے دستے دشمن کی زد میں آجائیں۔"

"تم سلطان محمود کی جنگی چالوں کو اچھی طرح سمجھتے ہو"۔ ایک اور آدمی نے کہا —"وہ وسیع پیمانے پر گھات لگاتا ہے اور وہ تھوڑی سی نفری سے سامنے سے حملہ کرتا اور زیادہ تر نفری کو دائیں بائیں تقسیم کر کے پہلوؤں سے اور عقب سے حملہ کراتا ہے۔ وہ دشمن کو آگے گھسیٹ لاتا ہے۔ اس کے چھاپہ مار دشمن کو رات کو بھی چین نہیں لینے دیتے۔ تم دھیان رکھنا۔ اُس کی چال سے تم دشمن کو قبل از وقت خبردار کر دو۔ محمود کہیں گھات لگائے تو دشمن کو بتا دو۔ تم جانتے ہو کہ سالار جو ساتھ جائے گا وہ کتنا تجربہ کار اور گھاگ ہے۔ ابو عبداللہ محمد الطائی سلطان محمود کا دایاں بازو ہے۔ اس سالار نے تاریخ میں اپنا نام لکھ دیا ہے۔ آنے والی نسلیں جہاں سلطان محمود کو یاد کیا کریں گی، وہاں وہ ابو عبداللہ محمد الطائی کا نام بھی لیا کریں گی۔ میدانِ جنگ میں اگر موقع دیکھو تو اُسے قتل کر دو۔ دُور سے تیر چلا سکتے ہو لیکن پکڑے نہ جانا۔ پکڑے جانے کی صورت میں ہمارا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔"

"اسی لیے ہم سلطان محمود کے قتل کی بات نہیں کرتے" سفید ریش نے کہا —"اُسے ہم غزنی سے ہزاروں میل دُور ہندوستان کے وسط میں ہندوؤں کے ہاتھوں شکست دلانا چاہتے ہیں اور اس کی ایسی حالت کرانا چاہتے ہیں کہ غزنی کی فوج تباہ اور قید ہو جائے اور محمود پاگلوں کی سی حالت میں ہندوؤں کا قیدی ہو جائے" — سفید ریش نے جوشِ جذبات سے کہا — "پھر بادشاہی سلجوقی کی ہو گی۔ سلجوق ایک طاقت کا نام ہے۔ سلجوقی اسلام کی طاقت بنیں گے۔ پھر سلطنتِ سلجوق وسیع ہوتی جائے گی۔"

"اور تم اُس کی فوج کے نائب سالار اور سالار ہو گے" — ایک اور آدمی نے کہا — "ہم تم دونوں کو وہ بیویاں دے رہے ہیں جو صرف بادشاہوں کے ہاں نظر آتی ہیں اور ایک خزانہ تمہارے لیے وقف کر دیا ہے۔"

ایک تو انہیں جذبات سے مغلوب کیا گیا، دوسرے انہیں جو حسین لڑکیاں دی گئیں، ان کے حسن نے ان کی عقل پر قبضہ کر لیا اور جو خزانہ ان کے

آگے رکھا گیا، اس نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ اس کے ساتھ آزاد سلطنتِ سلجوق کی سالاری کا وعدہ ایسا انعام تھا جو ان دونوں سلجوقیوں کے تصوروں کے احاطے سے باہر تھا۔ دونوں لڑکیوں کو الگ تربیت دی گئی تھی۔ انہیں ان دونوں کی لگامیں اپنے ہاتھ میں رکھنی تھیں اور انہیں ہندوستان جا کر غزنی کی فوج کے اہم کمانداروں اور نائب سالاروں کو اپنے جال میں پھانسنا اور دھوکے سے مروانا تھا۔

تھوڑے سے عرصے میں رجب بائیجان اور اس کے ساتھ فرید سمرقند نے غزنی کی فوج کے سلجوقیوں کو سلطان محمود کے خلاف بھڑکا لیا۔ انہیں کچھ نقد دیا، کچھ سبز باغ دکھائے اور ان دونوں سلجوقی کمانداروں کی بیویوں نے انہیں اپنی جھلک دکھائی اور اکیلے اکیلے سلجوقی کو اپنے گھر بلا کر سلجوقیوں کی مظلومیت اور اُن کو غزنی کی فوج کا ظلم و تشدد ایسے انداز سے بتایا کہ پتھر بھی جیسے اشکبار ہو گئے تھے۔ اگر کوئی عورت کسی مرد کو بھڑکائے تو وہ سمجھتا ہے کہ ایک عورت نے اُس کی مردانگی کو للکارا ہے۔ وہ فوراً بھڑک اٹھتا ہے۔ بھڑکانے والی دو بڑی خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ انہوں نے اپنا جادو چلا لیا۔

*

اب ۱۰۲۰-۲۱ء کے موسم سرما کے آغاز میں جب سلطان محمود ہندوستان کی طرف آ رہا تھا تو اُس کی آستین میں بہت سے سانپ بھی ساتھ آ رہے تھے۔ آٹھ دس ہندو بھی گاڑی بانوں اور سائیسوں کے بہروپ میں ساتھ تھے۔ وہ گنگا اور جمنا کے درمیانی علاقے کے رہنے والے تھے۔ انہیں اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ غزنی کی فوج جب ہندوستان میں داخل ہوئی تو ان ہندوؤں کے جسموں میں یوں جان آ گئی جیسے پانی سے نکالی ہوئی مچھلی کو پانی میں پھینک دیا جائے۔ اُن کے دماغ اور تیز ہو گئے۔

ہندوستان میں حالات تیزی سے سلطان کے خلاف ہو رہے تھے۔ باری میں مہاراجہ قنوج راجیا پال ایک لڑکی کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا جو ہندوستان

کے تین مہاراجوں کی سازش کا نتیجہ تھا۔ راجیا پال کا بیٹا لکھمن پال بھی باری میں تھا۔ باری قنوج سے دُور ایک قصبہ تھا جہاں راجیا پال نے قنوج کے غزنوی قلعہ دار سالار ابوالقدر سلجوقی کی منظوری سے اپنی نئی راجدھانی آباد کرلی تھی اور اُس نے کچھ فوج بھی رکھ لی تھی، لیکن اس فوج پر غزنی کی فوج کے افسروں کی نگرانی تھی۔ مہاراجہ راجیا پال کا بیٹا لکھمن پال پیچ و تاب کھاتا رہتا تھا مگر بے بس تھا۔

راجیا پال ایک سازش کے تحت قتل ہوگیا تو وہاں غزنی کی فوج کے جو افسر تھے، انہوں نے پکڑ دھکڑ شروع کردی مگر یہی کارروائی بغاوت کا باعث بن گئی۔ غزنی کی فوج کی تو وہاں کوئی نفری نہیں تھی۔ چند ایک کماندار اور عہدیدار تھے۔ لکھمن پال نے درپردہ اپنی مختصر سی فوج کو تیار کرلیا اور اگلی بات اس فوج نے غزنی کے ان افسروں کو پکڑ لیا۔ ان میں سے صرف ایک کسی طرح بچ گیا۔ وہ قنوج کی طرف دوڑا۔ فوج کی کچھ نفری وہاں موجود تھی مگر وہ راستے میں پکڑا گیا۔ تب پتہ چلا کہ قنوج اور باری کے راستے میں ایک فوج موجود ہے جس نے قنوج اور باری کا رشتہ توڑ رکھا ہے۔

یہ ایک متحدہ فوج تھی جس میں تین ریاستوں کی فوج شامل تھی۔ ایک کالنجر کے مہاراجہ گنڈہ کی، دوسری گوالیار کے مہاراجہ ارجن کی اور تیسری لاہور کے مہاراجہ ترلوچن پال کی۔ ترلوچن پال نے اپنی فوج کہیں دُور رکھی ہوئی تھی۔ اس متحدہ فوج میں قنوج کی شکست خوردہ فوج کے بھگوڑے بھی شامل ہوگئے تھے اور اس میں باری کی فوج کی نفری بھی شامل تھی۔

اس کے علاوہ ایک فوج اور تھی جس کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے لیکن اس کی تعداد کسی نے نہیں لکھی۔ یہ ہندوستان کے شہریوں کی فوج تھی یعنی رضاکار فوج۔ جس قوم کے دیوتاؤں کے بت توڑے گئے اور مورتیاں پھاڑ کر باہر پھینکی گئی تھیں اور جن کا کعبہ جیسا مقدس مقام متھرا مسلمانوں نے بتوں سمیت تباہ کردیا تھا، وہ قوم چین سے نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ اس قوم کا بچہ بچہ بچھو کی طرح ڈنک مارنے

کو تیار تھا۔ ہندو عورتوں نے اپنے زیورات مندروں کے حوالے کر دیئے تھے۔ پنڈتوں نے دہشت پھیلا رکھی تھی کہ دیوتاؤں کا قہر پوری ہندو قوم کو بھسم کر دے گا۔ ہندو یہ نہیں دیکھتے تھے کہ اُن کے پنڈت اُس روز سے انہیں ڈرا رہے تھے جس روز محمود غزنوی نے ہندوستان کے پہلے مندر کے بُت توڑے اور ہندوؤں سے کہا تھا کہ یہ ہے تمہارا دیوتا۔ اسے کہو کہ اپنے ٹکڑے جوڑ کر مجھے اپنی توہین کی سزا دے۔

سلطان محمود نے ہندوستان میں پہلا بُت بیس سال پہلے ۱۰۰۱ء میں توڑا تھا، پھر اُس نے تھانیسر اور متھرا تک کے بُت توڑ کر باہر پھینکے اور اُن کے ٹکڑوں پر اپنی فوج گزاری تھی۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق مہابھارت کی سلامتی انہی بُتوں کی بدولت تھی۔ یہ نہ ہوتے تو ایک بھی ہندو زندہ نہیں رہتا لیکن بیس برسوں میں کسی بھی ٹوٹے ہوئے دیوتا نے اور ہری کرشن نے اور ہر ہر مہادیو نے اور چار ہاتھوں والی دیوی نے کسی ردِعمل اور غصے کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن توہم پرست قوم کو فریب کار پنڈتوں نے ایسی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا کہ تیز ہوا چلتی تھی تو وہ ہاتھ جوڑ کر بھجن گانے لگتے تھے کہ آیا دیوتاؤں کا قہر۔ نقدی اور زیورات کی قربانی کو تو وہ معمولی سمجھتے تھے۔ وہ اپنی کنواری بیٹیوں کو پنڈتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ اُن کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف جو کدورت، نفرت اور انتقام کی آگ بھری گئی تھی، وہ آج بھی اُسی شدت سے موجود ہے جیسی ایک صدی پہلے تھی۔

اب سلطان محمود غزنوی کی ایک اور پیشقدمی کی خبر پھیلی تو ہندوؤں نے اپنا تن، من، دھن قربان کر دیا۔ جوان آدمی جو گھوڑ سواری، نیزہ بازی، تیغ زنی اور تیر اندازی کی سوجھ بوجھ رکھتے تھے، فوجوں میں چلے گئے۔ جوان لڑکیاں بھی لڑنے کو تیار ہوگئیں۔ مندروں کے سنکھ چیخنے لگے اور گھنٹیاں واویلا بپا کرنے لگیں۔ غزنی کی فوج ہندوؤں کے لیے دہشت بنی ہوئی تھی لیکن اُس دور کے ہندو ایسے گئے گزرے نہیں تھے۔ اُن پر مذہب کا جنون طاری تھا۔ ہندو

راجپوت مرنے کے لیے لڑتے تھے۔ دلیری سے لڑتے تھے۔ جان کی قربانی کو وہ کوئی غیر معمولی قربانی نہیں سمجھتے تھے۔

یہ ایک الگ فوج تھی جو چٹانوں کی طرح غزنی والوں کے راستے میں کھڑی ہوگئی تھی۔ باقاعدہ فوج جو مہاراجوں نے اکٹھی کرلی تھی؛ اس کی تعداد ایک لاکھ پینتالیس ہزار پیادہ، چھتیس ہزار گھوڑسوار اور چھ سو چالیس جنگی ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔ (فرخی نے ہاتھیوں کی تعداد نو سو لکھی ہے)۔

سلطان محمود کو پشاور سے آگے نکلتے ہی اطلاعیں ملنی شروع ہوگئی تھیں کہ دشمن کی فوج کتنی ہے اور کہاں کہاں ہے۔ وہ دریائے چناب عبور کر رہا تھا جب اُسے یہ اطلاع ملی کہ باری میں لچھمن پال کی فوج نے غزنی کے چند ایک کمانداروں اور عہدیداروں کو قید کرلیا ہے اور خطرہ ہے کہ قنوج کے قلعے کا محاصرہ ہو جائے گا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک اور جاسوس آیا جس نے سلطان کو بتایا کہ قنوج کے محاصرے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ مہاراجہ گنڈہ اور مہاراجہ ارجن اپنی جنگی قوت کی افراط سے کھلے میدان میں لڑنے کو تیار ہیں۔

اس جاسوس نے سلطان کے ساتھ غزنی کی فوج کا جائزہ لیا تو اُس نے کہا کہ ہندوؤں کی افواج کے مقابلے میں یہ فوج تھوڑی ہے۔

"لاہور کی فوج کہاں ہے؟" ــــ سلطان محمود نے پوچھا۔

"جمنا کے کنارے کسی جنگل میں ہے" ــــ جاسوس نے جواب دیا ــــ "اُس کی صحیح خیمہ گاہ کا پتہ نہیں چلایا جاسکا۔ کوشش جاری ہے۔ خطرہ اسی کا زیادہ ہے۔"

"ہاں" ــــ سلطان نے کہا ــــ "میں اسی خطرے سے چوکنا رہنا چاہتا ہوں۔"

*

اُس دور کے کسی وقائع نگار کا حوالہ دیتے ہوئے انگریز تاریخ نویس سمتھ لکھتا ہے ــــ "محمود غزنوی نے پانچ دریا اور دو عبور کیے اور باری کے مضافات میں پہنچ گیا۔"

سلطان محمود کی پیش قدمی صحیح معنوں میں برق رفتار ہوا کرتی تھی۔ اب کے تو وہ اور زیادہ تیزی سے باری پہنچا کیونکہ باری میں اُس کے کماندار اور عہدیدار ہندوؤں کی قید میں تھے اور وہاں دشمن کی فوج جمع ہو رہی تھی۔ اُس کے ساتھ ہندوستانی گائیڈ تھے۔ اُس نے آرام کیے بغیر باری پر ہلہ بول دیا اور فوج کو حکم دیا کہ اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے۔ باری میں فوج کوئی ایسی زیادہ نہیں تھی۔ اس نے جلدی ہی ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان محمود باری کو شاید تباہ نہ کرتا لیکن اُسے اطلاع ملی کہ ہندوؤں نے غزنی کے قید کیے ہوئے افسروں کو قتل کر دیا ہے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اس شہر کو صاف کر دو۔ چنانچہ باری کو اس طرح تباہ کیا گیا کہ کوئی مکان کھڑا نہ رہنے دیا گیا۔ مندر کا ملبہ بھی اٹھا کر دریا میں پھینک دیا گیا۔

اصل مقابلہ تو مہاراجہ گنڈہ اور مہاراجہ ارجن کے ساتھ تھا۔ سلطان کو ان دونوں مہاراجوں کی افواج کی پوزیشنوں کی اطلاعیں مل رہی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کون سی چال چلے کہ دونوں فوجوں کو الگ الگ کر دے یا دونوں کا مقابلہ کرے۔

"لیکن سلطانِ محترم!" ــــ اُس کے دستِ راست سالار ابو عبداللہ محمد الطائی نے اُسے کہا ــــ "ابھی تک پتہ نہیں چلا کہ لاہور کی فوج کہاں ہے۔ خطرہ تو اُس سے ہے۔ ہم جب حملہ کریں گے تو لاہور کی فوج ہم پر عقب سے یا پہلوؤں سے آجائے گی۔"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ غزنی کی فوج میں شور سا بپا ہوگیا۔ سلطان محمود خیمے سے نکلا اور قاصد کو دوڑایا کہ جاکے معلوم کرے یہ شور کیسا ہے۔ قاصد نے واپس آکر جو اطلاع دی اُس نے سلطان کو پریشان کر دیا۔ اطلاع یہ تھی کہ چار کماندار اور چار سپاہی مشکیزوں میں ہوا بھر کر دریا میں اتر گئے اور دریا پار کر گئے ہیں۔ سلطان اور سالار کو پریشانی یہ تھی کہ یہ آٹھ آدمی بھگوڑے ہو گئے ہیں اور وہ دشمن سے جا ملیں گے۔ ان کا تعاقب آسان نہیں تھا پھر بھی

چند ایک آدمیوں سے کہا گیا کہ وہ مشکیزوں پر دریا کے پار جائیں اور انہیں پکڑنے کی کوشش کریں اور اگر کوئی زیادہ گڑبڑ ہو تو وہیں سے آواز دیں تاکہ اُن کی مدد کو مزید آدمی بھیجے جائیں۔

ایک تو رات کا وقت تھا، دوسرے سردی کا موسم تھا۔ یخ پانی میں تیرنا بہت ہی مشکل تھا لیکن بارہ چودہ رضاکار مشکیزوں پر دریا میں اُتر گئے۔ صرف ایک سہولت تھی۔ موسم سرما کی وجہ سے دریا میں پانی کم تھا اور اس میں برسات کے موسم والا زور نہیں تھا۔ جب یہ کماندار اور سپاہی رضاکارانہ طور پر دریا میں اُترے تو دریا پار سے شور سنائی دینے لگا اور اُس طرف آسمان لال ہونے لگا جیسے کہیں آگ لگی ہو۔

"وہ کماندار کون کون تھے جو پہلے دریا کے پار گئے ہیں؟" سالار محمد الطائی نے پوچھا۔

اُسے نام بتائے گئے۔

"سلطان!" سالار نے سلطان محمود سے کہا۔ "یہ چاروں بھگوڑے نہیں ہو سکتے۔ معاملہ کچھ اور ہے۔ ان چاروں کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ یہ چاروں خطرناک حد تک جوشیلے ہیں۔ انہوں نے دشمن کی کسی خیمہ گاہ پر شبخون مارا ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ دو دستے لے کر پار چلا جاؤں"۔

"لیکن کچھ پتہ تو چلے کہ وہاں کون ہے، کیا ہے"۔ سلطان محمود نے کہا۔ "تم دستے تیار کر لو"۔

دریا پار کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ اندازے کے مطابق وہ جگہ کم و بیش تین میل دور تھی۔ رات کی خاموشی میں آوازیں بہت دبی دبی سی تھیں۔

خاصا وقت گزر جانے کے بعد ایک گھوڑ سوار دریا سے نکلا۔ اُس نے گھوڑے کی پیٹھ پر دریا پار کیا تھا۔ اندھیرے میں وہ چلاتا آ رہا تھا۔ "سلطان کہاں ہیں! سالار کہاں ہیں؟ .... تیار ہو جاؤ۔ حملے کے لیے... سلطان کہاں ہوں گے؟"

اُس کی پکار اور للکار میں ہیجان تھا۔ اُسے روک لیا گیا۔ سلطان اور سالار وہیں تھے۔ سوار اُن کے سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ وہ اُن آٹھ آدمیوں میں سے تھا جو کسی کو بتائے بغیر دریا میں اُتر گئے تھے۔ وہ کمانداری کے عہدے کا آدمی تھا۔ اُس نے جو بات بتائی اُسے سلطان محمود تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔ ہوا یوں تھا کہ ان چار کمانداروں کو ایک جاسوس سے پتہ چلا کہ لاہور کی فوج دریا کے پار کنارے سے اڑھائی تین میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہے اور گہری نیند سوئی ہوئی ہے۔ اس کماندار نے اپنے تین ساتھی کمانداروں کو ساتھ لیا۔ چار سپاہی بھی ساتھ ہو گئے اور وہ جوش میں آ کر دریا پار کر گئے۔ انہوں نے جاسوس کو راہنمائی کے لیے ساتھ لے لیا تھا۔ انہوں نے دشمن کے کیمپ پر جا چھاپہ مارا۔

"کچھ نہ سوچیں سلطان عالی مقام!" اُس نے کہا۔ "فوراً دریا پار کریں۔ دشمن آپ کے قدموں میں پڑا ہے"۔

سلطان محمود نے سالار محمد الطائی کو اجازت دے دی کہ وہ حملہ کرے۔ کماندار نے انہیں بتایا کہ دشمن کی نفری اور کیفیت کیا ہے اور کتنی نفری سے حملہ کیا جائے۔ فوراً تین چار گھوڑ سوار دستے تیار کر کے دریا پار کیا گیا۔ کماندار راہنمائی کر رہا تھا۔ دریا پار کر کے یہ دستے آگے گئے۔ دشمن کی خیمہ گاہ سے شعلے اُٹھ رہے تھے۔ وہاں قیامت کی افراتفری مچی ہوئی تھی۔ گھوڑے شعلوں سے ڈر کر بے قابو ہو رہے تھے۔

اس کیفیت میں سالار ابو عبداللہ محمد الطائی نے سوار دستوں کو حملے کا حکم دے دیا۔ دشمن سوائے بھاگنے کے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا تعاقب کیا گیا لیکن ایک ایک آدمی کا تعاقب ممکن نہیں تھا۔ جو سامنے آیا وہ ہلاک ہوا۔ کچھ لیٹ یا بیٹھ گئے۔ صبح تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ صبح کے اجالے میں خیمہ گاہ کا منظر بڑا ہی بھیانک نظر آیا۔ جگہ جگہ سے دھواں اُٹھ رہا تھا اور لاشیں ہی لاشیں تھیں اور زخمی بُری طرح کراہ رہے تھے۔ بہت سے ہندو سپاہی ہار کر بیٹھ گئے تھے۔

ان سے پتہ چلا کہ یہ لاہور کی فوج تھی اور مہاراجہ ترلوچن پال یہیں تھا۔ سلطان محمود
اسی سے پریشان تھا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ شام کے وقت فوج کو کہیں سے لایا اور
یہاں خیمہ زن ہوا تھا۔ یہ کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ اُس کا ارادہ اور منصوبہ کیا تھا۔ سلطان محمود
کی فوج کے اتنی قریب آنے سے یہی کہا جا سکتا تھا کہ سلطان محمود سامنے کی فوج
سے لڑ رہا ہوتا تو ترلوچن پال پیچھے سے حملہ کر دیتا۔

اب ترلوچن پال وہاں نہیں تھا۔ اس کے اعلیٰ کمانڈر بھی بھاگ گئے تھے
اور وہ اپنا بیشتر خزانہ پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ اُس کی فوج ختم ہو چکی تھی اور یہ خطرہ
ختم ہو گیا تھا کہ غزنی کی فوج پر عقب سے حملہ ہوگا۔

یہ واقعہ تقریباً تمام مورخوں نے لکھا ہے۔ فرشتہ نے ان آٹھ آدمیوں کے متعلق
لکھا ہے کہ وہ سلطان کے باڈی گارڈ تھے لیکن مورخوں کی اکثریت نے انہیں باڈی
گارڈ نہیں کہا۔ انہیں آٹھ جوشیلے کمانڈر اور سپاہی کہا ہے۔ انگریز مورخ وی۔
اے سمتھ نے لکھا ہے "ترلوچن پال دریائے رام گنگا (جو چھوٹا دریا ہے) کے
پار پیچھے ہٹ گیا۔ محمود کے آٹھ افسروں نے جوش اور عتاب کے زیر اثر مشکیزوں
پر تیر کر دریا پار کیا اور ترلوچن پال کی فوج کو ایسا بکھیرا کہ وہ فوراً اکٹھی ہو کر لڑنے کے
قابل نہ رہی۔"

بے شک یہ بے مثال بہادری تھی کہ صرف آٹھ آدمیوں نے کم و بیش بیس ہزار
فوج کی خیمہ گاہ پر ایسا شب خون مارا کہ اُسے تباہ و برباد کر دیا مگر سلطان محمود نے انہیں
خراج تحسین پیش کر کے انہیں سرزنش کی کہ انہوں نے یہ کارروائی کسی کے حکم کے
بغیر کی۔ اِن چار کمانڈروں نے جو بیان دیا وہ اُس دور کے کاغذات میں فارسی
کے بکھرے بکھرے الفاظ کی صورت میں محفوظ ہے۔

انہوں نے کہا کہ سلطان محمود بار بار لاہور کی فوج کے خطرے کا اظہار کرتا
تھا۔ اس کے علاوہ ان میں اس حادثے نے قہر بھر دیا تھا کہ باری میں ہندوؤں
نے غزنی کے چند ایک کمانڈروں اور عہدیداروں کو قتل کر دیا ہے۔ انہیں ترلوچن پال

کی فریب کاری پر زیادہ غصہ تھا۔ وہ غزنی کا باجگزار ہوتے ہوئے دوسرے
مہاراجوں کو غزنی کے خلاف متحد کر رہا تھا اور خود غزنی کی فوج پر عقب سے حملہ
کرنے کے لیے اپنی فوج کو جنگل میں چھپائے ہوئے تھا۔

اُس رات یوں ہوا کہ غزنی کے ایک جاسوس نے پتہ چلا لیا تھا ترلوچن پال
کی فوج فلاں جگہ اسی شام پہنچی ہے۔ قیاس یہی تھا کہ وہ عقب سے غزنی کی فوج
پر حملہ کرے گی۔ جاسوس نے دریا تیر کر پار کیا۔ اتفاق سے ایک کمانڈر جو اس جاسوس
کو جانتا تھا، کنارے پر کھڑا تھا۔ جاسوس نے اُسے بڑی خوشی سے بتایا کہ وہ
یہ کارنامہ کر کے آیا ہے کہ اُس نے لاہور کی فوج کا پتہ چلا لیا ہے۔ یہ کمانڈر جل
اُٹھا۔ اُس نے اپنے تین ساتھی کمانڈروں سے بات کی۔ وہ تیار ہو گئے اور
چار سپاہی بھی تیار ہو گئے۔ انہوں نے جاسوس سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ چلے۔
جاسوس کو سلطان محمود کے پاس جانا اور رپورٹ دینی تھی لیکن یہ جوشیلے کمانڈر
اُسے اپنے ساتھ لے گئے۔

چاروں کمانڈر شب خون مارنے کی مہارت رکھتے تھے۔ وہ ترلوچن پال کی خیمہ گاہ
تک پہنچ گئے۔ پہلے انہوں نے دو سنتریوں کو ہلاک کیا، پھر ایک خیمے کو آگ لگائی۔ اس
کے شعلوں سے انہوں نے کپڑے جلائے اور کئی خیموں پر پھینک دیئے۔ ان میں سے
دو نے سکیم کے مطابق بہت سے گھوڑے کھول دیئے اور چند ایک گھوڑوں کو خنجر
مارے۔ یہ گھوڑے بدک کر بھاگے تو دوسرے گھوڑے بھی ڈر کر اِدھر اُدھر بھاگنے
دوڑنے لگے۔

خیمہ گاہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ فوج ہڑبڑا کر اٹھی۔ ظاہر ہے فوج
کو یہ سمجھنے میں خاصا وقت لگا ہو گا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد خیمہ گاہ
میں آگ ہی آگ تھی۔ زیادہ مدد تیز ہوا نے کی۔ خیمے سے خیمہ جلتا گیا۔ خیمے اس
لیے قریب قریب لگائے گئے تھے کہ دائیں بائیں چٹانیں تھیں۔ آٹھوں جانباز
چٹانوں پر چڑھ گئے۔ اِس مقصد کے لیے وہ تیر کمانیں ساتھ لائے تھے۔ انہوں
نے اُوپر سے اندھا دھند تیر برسانے شروع کر دیئے۔

ایک کمانڈار کو خیال آگیا کہ اپنی فوج آجانے تو ترلوچن پال کی فوج کو مکمل طور پر ختم کیا جاسکتا ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو بتا کر چٹانوں سے اترا۔ وہاں بے شمار گھوڑے ادھر اُدھر دوڑ رہے تھے کچھ دُور جا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ کمانڈار نے ایک گھوڑے کو پکڑا اور اس کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر دریا کی طرف گھوڑے کو دوڑا دیا۔

لاہور کی فوج تو ختم ہو گئی لیکن ترلوچن پال نکل بھاگا۔

*

کالنجر کا مہاراجہ گنڈہ اپنی فوج لے کے کالنجر سے چل پڑا تھا۔ اس کی اطلاع سلطان محمود تک پہنچ گئی۔ اُس نے اپنی فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ وہ قنوج سے چلا تھا اور اس کا رُخ کالنجر کی طرف تھا۔ راستے میں اُسے اطلاع ملی کہ گنڈہ کی فوج دریائے جمنا پار کر آئی ہے۔ سلطان محمود نے راستے میں دو پڑاؤ کیے اور تقریباً ایک سو میل فاصلہ طے کر گیا۔ اس سے بیس بائیس میل آگے الٰہ آباد ہے جہاں دریائے گنگا اور جمنا مل کر ایک دریا ہو جاتے ہیں۔ گنڈہ کی فوج بڑھی آرہی تھی اور غزنی کی فوج سے تین چار میل دُور رُک گئی۔

یہاں آکر سلطان محمود کا وہ دشمن بیدار ہونے لگا جو اُس کے ساتھ غزنی سے آیا تھا۔ یہ عورتیں تھیں جو فوج کے ساتھ تھیں! پہلے وہ اس طرح الگ الگ تھیں کہ کئی عورتیں ایک دوسری کو دیکھ بھی نہ سکیں کہ کون کون ساتھ آئی ہے۔

رات کا وقت تھا۔ عنبرین اپنے خیمے سے نکلی اور ٹہلتے ٹہلتے ذرا پرے نکل گئی۔ اُسے کھسر پھسر سنائی دی۔ رات چاندنی تھی۔ اُسے کچھ شک سا ہوا۔ وہ دبے پاؤں چھپ چھپ کر آگے بڑھی۔ اُسے ایک عورت کی آواز سنائی دینے لگی جو بڑی صاف تھی۔

"اب زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہیئے" عورت کہہ رہی تھی — "لاہور کی فوج تو دھوکے میں ۔۔ ہو گئی ہے۔ اب تم بتاتے ہو کہ ایک مہاراجہ کی فوج آرہی

ہے۔ ان گاڑی بانوں میں سے دو کو بھیج دو تاکہ مہاراجہ کی فوج کے ساتھ رابطہ ہو جائے۔ باقی کام لڑائی شروع ہوتے ہی کریں گے۔"

"میں نے سب کو خبردار کر دیا ہے" — ایک آدمی نے کہا۔

"میں ہمیشہ کے لیے تمہاری ہوں" — عورت نے کہا — "اُسے تو بڑے نام خاوند بنا رکھا ہے۔"

کوئی آرہا تھا۔ اس عورت کے ساتھ جو آدمی تھا، وہ جلدی سے کھسک گیا۔ عنبرین بھی وہاں سے ہٹ آئی لیکن اُس نے نظر رکھی کہ وہ عورت کدھر جاتی ہے۔ وہ ادھر ہی آرہی تھی جہاں عورتوں کے خیمے تھے۔ عنبرین ایک جھاڑی کے پیچھے بیٹھ گئی۔ وہ عورت قریب آئی تو عنبرین اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اس عورت کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"دوشین؟" — عنبرین نے اُسے چاندنی میں پہچانتے ہوئے کہا — "شاید مجھے غلطی لگ رہی ہے؟"

"عنبرین ہو تم!" — دوشین نے کہا — "تم یہاں؟ کس کے ساتھ آئی ہو؟ اُسی کے ساتھ آئی ہو گی جس کے ساتھ بھاگی تھیں؟"

"تم بھی تو بھاگ کے آئی ہو گی" — عنبرین نے کہا — "کسی ایک خالی لڑکی کا غزنی کی فوج کے ساتھ ہونا حیران کُن لگتا ہے۔ کون ہے تمہارا خاوند؟"

"رجب بائیجان!" — دوشین نے کہا — "کمانڈار ہے۔"

"رجب بلجوائی کہو نا!" — عنبرین نے کہا — "میں اُسے جانتی ہوں۔ اُسی سے مل کے آرہی ہو؟"

"میں کسی سے بھی مل کے نہیں آرہی" — دوشین نے کہا۔

عنبرین ہنس پڑی اور بولی — "میں جانتی ہوں وہ رجب نہیں تھا۔ آج کوئی بھی کمانڈار ادھر نہیں آسکتا۔ میرا خاوند بھی کمانڈار ہے۔ وہ بھی نہیں آسکتا .... دوشین! ذرا ہوش سے اور اپنی نیت ٹھکانے رکھ کے یہاں رہو۔"

دوشیزہ نے لپک کر عنبرین کو گلے لگا لیا اور ہنسنے لگی۔ پھر بولی — "تم ٹھیک کہتی ہو۔ وہ رجب نہیں تھا۔ وہ اُس کا دوست تھا۔ رجب کا پیغام لایا تھا... تم مجھ پر کچھ شک کر رہی ہو۔ میں سلطنتِ غزنی کی وفادار ہوں۔ اگر نہ ہوتی تو یہاں کیوں آتی؟ مجھے تم اپنے جیسا سمجھو۔ تم غزنی کی فوج کی سلامتی اور فتح کی دعا کیا کرتی ہو نا؟ میں دن رات دعا کرتی ہوں" — اور وہ ہنستی ہوئی چلی گئی۔

عنبرین وہیں کھڑی گہری سوچ میں کھو گئی۔

سلطان محمود مہاراجہ گنڈہ کی فوج کا جائزہ لینے کے لیے خود آگے گیا۔ اُس کے ساتھ سالار محمد الطائی تھا۔ وہ گھوڑے سے اُتر کر ایک اونچے درخت پر چڑھ گیا۔ اُس نے مہاراجہ گنڈہ کی فوج دیکھی تو اُس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ مورخین جن میں گردیزی، ابن الاثیر اور فرخی قابلِ ذکر ہیں، لکھتے ہیں کہ سلطان محمود نے بلند جگہ سے سامنے دیکھا تو وہ اپنی گھبراہٹ کو چھپا نہ سکا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی فوج کے خیمے، گھوڑے، ہاتھی اور ہندو فوجی نظر آتے تھے۔ دور دور تک زمین کھُدی ہوئی تھی۔ یہ خندقیں تھیں۔ ابوالقاسم فرشتہ نے بھی سلطان محمود کے اسی ردِعمل کی گواہی دی ہے۔

انہی مورخوں میں سے بعض نے اُس وقت کی تحریروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ محمود غزنوی نے اپنے سالار ابوعبداللہ محمد الطائی سے کہا کہ مجھے دشمن ملک کے اندر اتنی دور تک نہیں آنا چاہیئے تھا۔ کمک کہاں سے آئے گی؟ پسپائی کی صورت میں ہم کہاں جائیں گے؟ دشمن ہمیں واپس قنوج کے قلعے تک نہیں پہنچنے دے گا۔ ہم قلعہ بند ہو کر ہی لڑ سکتے ہیں۔

"میں نے سلطان محمود کی زبان سے 'پسپائی' کا لفظ پہلی بار سنا ہے" — سالار محمد الطائی نے سلطان محمود سے کہا — "دشمن کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ پھر بھی ہمیں پسپائی کی نہیں سوچنی چاہیئے"۔

"اتنی ہی فوج گوالیار کی ہے جو ابھی پہنچی نہیں" — سلطان محمود نے کہا — "وہ بھی آ گئی تو کیا ہوگا!" — وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا اور سر کو ہلکا سا

جھٹکا دے کر بولا — "اللہ مجھے معاف کرے.... اللہ مجھے معاف کرے... میں اللہ کی ذات کو بھول گیا تھا"۔

وہ عشاء کے وقت جس طرح کیا کرتا تھا اسی طرح درخت سے اُترا۔ قبلہ رُو ہو کے دو رکعت نفل ادا کئے۔ اس کے ساتھ جو سالار اور دیگر افراد تھے، انہوں نے بھی نفل ادا کئے، اور سلطان واپس اپنے کیمپ میں آ گیا۔

مہاراجہ گنڈہ کی فوج کی نفری پچاس ہزار پیادہ، چھتیس ہزار گھوڑ سوار اور چھ سو چالیس جنگی ہاتھی تھے۔ اُسے سب سے بڑا یہ فائدہ حاصل تھا کہ وہ اپنے ملک میں تھا اور اُس کی ریاست ایک دن کی مسافت پر تھی۔ اس ملک کا بچہ بچہ اُس کے ساتھ تھا۔ سلطان محمودؒ کو اپنے اللہ پر بھروسہ تھا۔

سلطان نے اپنے کیمپ میں جا کر تمام کمانڈروں اور ان سے بھی کم عہدیداروں کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا — "تم نے کسی بھی میدان میں مجھے مایوس نہیں کیا۔ تم نے انتہائی مشکل حالات میں بھی دشمن کو شکست دی ہے۔ تم نے دُگنی طاقت کے دشمن سے بھی ہتھیار ڈلوائے ہیں مگر آج ہمارے سامنے پہاڑ آن کھڑے ہوئے ہیں۔ میں ایسا حکم نہیں دے سکتا کہ ایک آدمی بارہ آدمیوں سے لڑے اور انسان ہاتھیوں سے ٹکرا جائیں۔ میں تمہیں یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ تم یہاں کیا مقصد لے کر آئے ہو۔ میں تمہیں یہ بھی یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہم اگر ہار گئے تو ہم بھاگ کر کہیں بھی نہیں جا سکیں گے۔ ہم میں سے بعض مارے جائیں گے اور بعض ہندوؤں کے قیدی ہوں گے۔ ہندو غزنی کے قیدیوں سے اپنی ہر ایک شکست کا انتقام لے گا۔ اپنے بُتوں کی توہین کا انتقام لے گا اور سب سے بڑا نقصان اسلام کو پہنچے گا۔ ہندو مہاراجے غزنی پر چڑھ دوڑیں گے۔ تم نہ ہوئے تو انہیں روکنے والا کوئی نہ ہوگا۔ ہمارا ملک ان کا ہوگا۔ ہماری بیٹیاں ان کی ہوں گی اور ہندو سلطنتِ غزنی کو جو اسلام کا مرکز ہے، بُت خانہ بنا دیں گے۔ آگے یہودی اور نصرانی ہیں جو پہلے ہی ہمارے مسلمان امراء اور حکمرانوں کو درپردہ مدد دے کر ہماری جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ اگر ہندو ہمارے

ملک میں پہنچ گئے تو تمام کفار متحد ہو کر خانہ کعبہ تک پہنچ جائیں گے۔ پھر ہم سب اللہ کے حضور رُوسیاہ پیش ہوں گے .... آج تمہیں اللہ کے حکم سے لڑنا ہے۔ اللہ کا نام زبان پر لے کر لڑنا ہے۔"

اس کے بعد سلطان محمود نے دستوں کی تقسیم بنائی اور انہیں بتایا کہ کون سا دستہ کہاں ہوگا اور اسے کیا کرنا ہے۔ اُسے فنِ حرب و ضرب اور جنگی چالوں کا کمال دکھانا تھا ورنہ وہ اتنے طاقتور دشمن کو شکست نہیں دے سکتا تھا۔

دائیں طرف دریائے جمنا اور بائیں طرف دریائے گنگا تھا۔ دونوں دریاؤں کے درمیان کہیں فاصلہ بیس میل تھا کہیں چالیس میل۔ سلطان محمود اس کوشش میں تھا کہ گنڈہ کی فوج کو دو حصوں میں کاٹ دے اور انہیں دریاؤں تک لے جائے لیکن یہ ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اُس نے بہرحال دستوں کو تقسیم کر کے ضروری ہدایات دے دیں اور انہیں کہا کہ وہ سپاہیوں تک اُس کا پیغام پہنچا دیں۔

*

عنبرین نے دوشین کا خیمہ دیکھ لیا تھا۔ اُسے پختہ شک ہو گیا تھا کہ دوشین صرف اپنے خاوند کو دھوکہ نہیں دے رہی بلکہ سلطان محمود کے لیے دھوکہ بن کر آئی ہے۔ عنبرین کو اُسی روز اس کے خاوند نے بتایا تھا کہ سلطان محمود نے کمانداروں سے کیا کہا ہے اور یہ بھی کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اُس نے عنبرین سے کہا تھا کہ وہ دعا کرے۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا تھا۔

عنبرین نے اپنے خاوند عزیز دانی کو نہیں بتایا تھا کہ یہاں ایک ایلک خانی لڑکی ہے جو ایک سلجوقی کماندار کی بیوی بن کر آئی ہے۔ وہ دوشین کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اُس کے خیالات سے بھی واقف تھی۔ وہ مان ہی نہیں سکتی تھی کہ دوشین اور اُس کا سلجوقی خاوند غزنی کے وفادار ہو سکتے ہیں۔ دوشین کو خدا نے جتنا حُسن دیا تھا، اُس نے اتنی ہی شیطانیت اپنی فطرت میں بھر لی تھی۔ چنانچہ عنبرین اسے چھپ چھپ کر دیکھتی رہتی تھی۔ اُس نے اپنے ملازم سے بھی کہہ دیا تھا کہ وہ اُس لڑکی پر نظر رکھے۔

رات کا وقت تھا۔ عنبرین خیمے میں اکیلی تھی۔ ملازم اندر آیا اور اسے بتایا کہ دوشین کو اُس نے جاتے دیکھا ہے اور اُسی طرف اُس نے دو گاڑی بانوں کو بھی جاتے دیکھا ہے۔ عنبرین خیمے سے نکل گئی اور اُسی طرف چل پڑی جدھر ملازم نے بتایا تھا کہ دوشین گئی ہے۔ عنبرین چھپ چھپ کر اور ذرا راستہ بدل کر جا رہی تھی۔ اسے بڑی اچھی اوٹ مل گئی۔ اس سے ذرا پرے چار آدمی کھڑے تھے اور ان کے ساتھ نہ صرف دوشین تھی بلکہ ایک اور عورت بھی تھی۔ عنبرین پاؤں کے بل سرکتی اور آگے چلی گئی اور اسے باتیں سنائی دینے لگیں۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اُس کی بات ہو چکی ہے۔ عنبرین کو آخری بات سنائی دی۔

"کشتی کنارے پر بندھی ہے" ۔۔۔ ایک آدمی کہہ رہا تھا۔ "آواز نکالے بغیر کشتی تک پہنچنا اور کشتی میں سوار ہو کر رسّہ کھول دینا۔ پانی کا بہاؤ اُدھر کو ہی ہے۔ چپّو دُور جا کر مارنا۔ سنتری اِدھر بھی چلے جایا کرتے ہیں۔ فاصلہ زیادہ نہیں۔ دو ساعت میں پہنچ جاؤ گے .... پھر سن لو۔ مہاراجہ سے کہنا کہ سوار دستہ ہمارے بائیں پہلو پر لائے۔ تم نے راستہ دیکھ لیا ہے۔ وہ اُسے سمجھا دینا۔ میں اُدھر ہی ہوں گا۔ مہاراجہ سے کہنا کہ وہاں ہماری طرف سے کوئی مقابلہ نہیں ہوگا۔ انہیں قلب تک راستہ مل جائے گا۔ اگر انہیں موقعہ مل گیا تو سلطان ہمارے تیر سے مر چکا ہوگا۔ مہاراجہ کو ہمارے پہلو تک کا راستہ اچھی طرح سمجھا دینا اور اُسے بتانا کہ ہماری فوج اُس کی فوج پر حملہ کر کے پیچھے ہٹے گی۔ تم لوگ اسے پسپائی نہ سمجھ لینا اور پیچھے نہ آ جانا ورنہ دائیں بائیں سے مارے جاؤ گے۔ ہمارا حملہ آور دستہ پیچھے ہٹے تو تم بھی پیچھے چلے جانا۔ کہیں ہمارے سلطان کے پھندے میں نہ آ جانا .... جاؤ نکل جاؤ۔ تمہارا انعام تمہیں معلوم ہے کیا ہے۔"

دو آدمی دریا کی طرف چلے گئے اور باقی دوشین اور دوسری عورت کو ساتھ لے کر کسی اور طرف چلے گئے۔ عنبرین اوٹ سے اٹھی اور تیز قدم اپنے خیمے تک آئی۔ کمان اور ترکش اٹھایا اور خنجر کمر میں اُڑسا۔ اُس نے ملازم

سے کہا کہ وہ برچھی اور تلوار لے کر اُس کے ساتھ چلے۔

*

عنبرین ناتجربہ کار تھی۔ اُس پر جذبات کا غلبہ تھا۔ وہ یہ تو سمجھ گئی تھی کہ سلطان محمود تاریخ کے بہت بڑے دھوکے کا شکار ہو رہا ہے لیکن اُسے صحیح طریقے سے کارروائی کرنے کی سوجھ بوجھ نہیں تھی۔ سلطان محمود سے اس کی عقیدت مندی کا یہ عالم تھا کہ اُس پر دیوانگی طاری ہو گئی اور ملازم کو ساتھ لے کر دریا کی طرف دوڑ پڑی۔ دریا دُور نہیں تھا۔ وہ دیکھ نہ سکی کہ اُس کے تعاقب میں کوئی آ رہا ہے۔ وہ کنارے سے کشتی ہٹنے سے پہلے دریا تک پہنچنے کی کوشش میں تھی۔

وہ پہنچ گئی۔ چاندنی شفاف تھی۔ کشتی کنارے سے ہٹ گئی تھی۔ وہ اور آگے چلی گئی اور ایک گھٹنہ زمین پر رکھ کر اُس نے ایک تیر چلایا۔ فوراً بعد دوسرا چلایا۔ اس کے ساتھ ہی اُسے اپنے پیچھے شور سا سنائی دیا۔ وہ اٹھی اور پیچھے دیکھا۔ اُس کے ملازم پر دو آدمیوں نے حملہ کر دیا تھا۔ ان میں سے ایک آدمی عنبرین کی طرف دوڑتا تو ملازم اسے برچھی سے روک لیتا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ ملازم لڑ تو رہا تھا لیکن اس کا مقابلہ دو فوجیوں کے ساتھ تھا۔ ملازم زخمی ہو گیا۔

ان دونوں آدمیوں نے عنبرین اور اُس کے ملازم کو دریا کی طرف جاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ انہیں وہیں ختم کرنے کے لیے ان کے پیچھے چلے گئے تھے۔ اُن کے لیے یہ زندگی اور موت کا معرکہ تھا۔

ایک آدمی نے عنبرین پر حملہ کیا۔ وہ تلوار کا وار بچا گئی۔ اس آدمی نے دوسرا وار کیا۔ عنبرین نے یہ وار بھی خطا کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے چلانا شروع کر دیا۔ "آؤ، آؤ۔ دریا کی طرف آؤ" — اب اس پر حملہ کرنے والا بپھر کر اس پر آیا لیکن عنبرین پیچھے کو اُلٹے پاؤں دوڑی اور اس نے کمان میں تیر ڈال لیا۔ اس آدمی کو وہ زندہ پکڑوانا چاہتی تھی۔

"کمان سے تیر نکال لے لڑکی!" — اس کے حملہ آور نے کہا۔ "ہم تجھے چھوڑ دیں گے۔"

عنبرین تیر انداز تھی۔ اُس نے کمان اوپر کر کے کھینچی تو وہ آدمی بوکھلا کر دوڑ پڑا۔ عنبرین نے تیر چھوڑ دیا جو اس آدمی کی ران سے پار ہو گیا۔ فاصلہ بہت تھوڑا تھا۔ دوسرا آدمی زخمی ملازم کو مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عنبرین نے اُس کی بھی ٹانگوں کا نشانہ لے کر تیر چھوڑ دیا۔ تیر اُس کے کولہے میں اُتر گیا۔

وہ دونوں دوڑے لیکن ٹانگوں میں تیر اُترے ہوئے تھے۔ وہ دُور نہ جا سکے۔ عنبرین کے مسلسل شور پر گشت کے سنتری دوڑے آئے۔ عنبرین نے انہیں کہا کہ دریا میں ایک کشتی جا رہی ہے اُسے پکڑو، ہندوؤں کے جاسوس جا رہے ہیں۔ سنتریوں نے بڑی ہی بلند آواز سے کسی کو پکارا۔ ذرا سی دیر میں چار پانچ فوجی آ گئے۔ عنبرین نے انہیں بتایا کہ کشتی میں دونوں آدمی اس کے تیروں سے زخمی ہیں۔

دو سنتری کنارے کنارے دوڑے۔ کشتی کنارے کے ساتھ ساتھ ہی جا رہی تھی۔ کشتی میں بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کے جسموں میں تیر اُترے ہوئے تھے۔ وہ کشتی کو دُور لے جانے کے قابل نہیں تھے۔ سنتری دریا میں اُتر گئے اور کشتی کو کنارے پر لے آئے۔ کشتی میں دونوں آدمی زندہ تھے۔ باہر جو دو آدمی عنبرین کے تیروں سے زخمی ہوئے تھے، انہیں بھی پکڑ لیا گیا۔ سنتری یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ دونوں ان کی اپنی فوج کے کماندار تھے۔

سب کو اسی وقت سالار محمد الطائی کے پاس لے گئے۔ کشتی میں جو جا رہے تھے وہ ہندو تھے جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے سلجوقیوں کے ساتھ آئے تھے۔ سالار محمد الطائی اُن سب کو سلطان محمود کے سامنے لے گیا۔ ہندو ابھی زندہ تھے اور ہوش میں تھے۔ دونوں کماندار رجب بائیجان اور فرید سمرقند کی ٹانگوں میں تیر اُترے ہوئے تھے۔ سلطان محمود نے کہا کہ جب تک یہ سچ نہ بولیں ان کے جسموں سے تیر نہ نکالے جائیں۔

سب سے پہلے ہندو بولے اور انہوں نے بتا دیا کہ وہ ہندو ہیں اور سلجوقی کمانڈر انہیں مسلمانوں کے بہروپ میں ساتھ لائے تھے اور اب وہ مہاراجہ گنڈہ کے پاس جا رہے تھے ۔ انہوں نے ساری بات بتا دی۔ دونوں سلجوقی کمانڈروں نے بھی جرم کا اعتراف کر لیا۔ جب انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اسرائیل سلجوقی کے منصوبے پر عمل کیا ہے تو سلطان محمود کے چہرے پر قہر اُتر آیا۔

"اگر ہم خیریت سے واپس چلے گئے تو سب سے پہلے اسرائیل سلجوقی اور اس کے دستِ راست الپتگین کو ٹھکانے لگاؤں گا"۔ سلطان محمود نے کہا۔

سلطان نے دتیبن اور اُس کی ساتھی لڑکی کو بھی گرفتار کرنے کا حکم دے دیا اور اُن تمام سلجوقیوں سے ہتھیار لے کر انہیں نہتہ کر دیا جو اس کی فوج میں تھے ۔ ان سب کو الگ کر کے ان پر پہرہ کھڑا کر دیا گیا۔ اب سلطان کسی سلجوقی پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں تھا۔

*

سلطان محمود مہاراجہ گنڈہ کی جنگی طاقت دیکھ کر پہلے ہی پریشان تھا اور سوچ سوچ کر اُس کا سر چکرانے لگا تھا۔ اب اُس پر اس سازش کا انکشاف ہُوا تو بہت ہی بے چین ہو گیا۔ وہ قبلہ رُو ہو کر نفل پڑھنے لگا اور خدا کے حضور بہت گڑگڑایا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ اُسے قرآنِ پاک سے بہت پیار تھا۔ اُس رات وہ قرآنِ پاک ہاتھ میں لے کر گڑگڑا رہا تھا۔ اُسے اچانک ایک روشنی نظر آئی۔ اُس کا دماغ روشن ہو گیا۔ اُسے خیال آیا کہ گنڈہ کی رگوں پر حملہ کیا جائے۔ اُس نے اپنے ایک نائب سالار کو ایلچی کی حیثیت سے مہاراجہ گنڈہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا:

"آپ کی نجات اور سلامتی اس میں ہے کہ آپ اسلام قبول کر لیں ۔ اگر آپ نے انکار کیا تو آپ تصور میں نہیں لا سکتے کہ آپ، آپ کی فوج اور آپ کی

راجدھانی پر کیسی بھیانک تباہی آئے گی ۔ آپ کا جواب نفی میں آیا تو میں آپ پر حملہ کر دوں گا اور اُدھر آپ کی راجدھانی محاصرے میں آ جائے گی ۔ میں کافی فوج بھیج چکا ہوں ۔ امید ہے آپ میرے ہاتھوں اپنی فوج کا قتلِ عام نہیں ہونے دیں گے اور کالنجر اور اس کے مندروں کو جلتے ہوئے کھنڈر بننے سے بچا لیں گے۔"

مہاراجہ گنڈہ نے سلطان کے ایلچی کو عزت سے رخصت کیا لیکن اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اُس پر خوف طاری ہو گیا تھا ۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اُس نے غزنی کی فوج کی خیمہ گاہ کی طرف پیشقدمی شروع کر دی۔ اُس نے ہراول دستے روانہ کیے۔ سلطان محمود کے دیکھ بھال کے آدمیوں نے فوراً سلطان کو اطلاع دی۔ سلطان نے سالار محمد الطائی سے کہا کہ وہ ہندوؤں کے ہراول پر ایسا حملہ کرے کہ ان کی ساری فوج پر دہشت طاری ہو جائے ۔

سالار محمد الطائی نے میدانِ جنگ میں عمر گزار دی تھی۔ قبل از وقت اطلاع ملنے سے اُس نے اپنے دو سوار دستے سامنے کی بجائے دائیں بائیں تقسیم کر دیئے اور کمان اپنے ہاتھ میں رکھی۔ جب مہاراجہ گنڈہ کا ہراول آگے آیا تو دونوں طرف سے گھوڑ سواروں نے اُس پر حملہ کر دیا۔ سالار محمد الطائی نے بڑا ہی شدید حملہ کرایا۔ گنڈہ کے ہراول کا حال بہت بُرا کر دیا گیا۔ جو ہندو واپس زندہ پہنچ گئے انہوں نے ساری فوج میں دہشت پھیلا دی۔

اُس روز اور کوئی لڑائی نہ ہوئی ۔ رات کو سلطان محمود پھر خدا کے حضور رکوع و سجود کرنے لگا۔ اُسے توقع تھی کہ مہاراجہ گنڈہ رات کو حملہ کر دے گا مگر کچھ بھی نہ ہُوا اور صبح ہو گئی۔ سلطان نماز سے فارغ ہُوا تو سالار محمد الطائی نے اُس کے خیمے میں آ کر یہ عجیب خبر سنائی کہ مہاراجہ گنڈہ کی فوج ابتری کی حالت میں رات کو جانے کہاں چلی گئی ہے۔ سالار کو دیکھ بھال کرنے والوں نے بتایا تھا۔

"یہ دھوکہ ہے"۔ سلطان محمود نے کہا۔ "اتنا طاقتور دشمن بغیر لڑے

بھاگ تو نہیں سکتا۔ مہاراجہ گنڈہ نے ہمیں آگے بڑھنے کا موقعہ دیا ہے۔ اُسے توقع ہے کہ ہم آگے بڑھیں گے تو وہ میری فوج کو پھانس لے گا۔"

یہ دھوکہ نہیں تھا۔ محمد قاسم فرشتہ اور دوسرے تمام مورخوں نے لکھا ہے کہ رات کو مہاراجہ گنڈہ کے دل پر خوف طاری ہو گیا اور وہ محسوس کرنے لگا کہ وہ تباہی کی طرف جا رہا ہے۔ یہ ایک معجزہ تھا اور یہ سلطان محمود کی دعاؤں کا کرشمہ تھا۔ سلطان محمود نے کچھ دستے ساتھ لیے اور مہاراجہ گنڈہ کی خیمہ گاہ تک گیا۔ وہاں خیمے لگے ہوئے تھے اور فوج جا چکی تھی۔ سلطان اسے گھات سمجھتا رہا لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔

سلطان محمود کو اطلاع ملی کہ مہاراجہ گنڈہ کی فوج کالنجر کو جا رہی ہے۔ سلطان محمود نے تعاقب کا حکم دے دیا۔ یہ ایک دلیرانہ حکم تھا لیکن سلطان نے ہراول کو بہت آگے بھیج دیا تھا تاکہ یہ گھات ہو تو پتہ چل جائے مگر کہیں بھی گھات نہیں تھی۔ سلطان محمود دشمن کی فوج تک پہنچ گیا۔ سالار محمد الطائی نے دیکھا کہ سلطان بہت آگے چلا گیا ہے تو وہ تین چار سو سوار ساتھ اپنی کمان میں لے کر سلطان کے پیچھے چلا گیا۔

کسی بھی مورخ نے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ مہاراجہ گنڈہ کو کیا ہو گیا تھا اور وہ لڑائی سے کیوں منہ موڑ گیا تھا۔ سلطان محمود کے تعاقب سے وہ بھاگ اٹھا۔ یہاں تک کہ اُس کی فوج سازوسامان پیچھے چھوڑ کر بھاگ گئی۔

وی اے سمتھ اور عطبی نے لکھا ہے کہ مہاراجہ گنڈہ پر غزنی کی فوج کا خوف اتنا زیادہ نہیں تھا۔ اُس پر کوئی پُراسرار سا خوف طاری ہو گیا تھا جیسے اُس پر کسی غیبی قوت کا یا آسیب کا اثر ہو گیا ہو۔ بعض تحریروں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُس پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور اُس نے ایسی باتیں کی تھیں کہ اُس کے افسر بھاگ اُٹھے۔

اِسے معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ مورخوں کے مطابق جب سلطان محمود واپس

آیا تو مہاراجہ گنڈہ کے چھ سو چالیس ہاتھیوں میں سے پانچ سو اسّی سلطان کے پاس تھے۔

خود سلطان محمود پر کچھ ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ اُس نے ہندوستان میں اپنی باقاعدہ حکومت قائم کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور غزنی کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اُس کی واپسی کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اُسے غزنی سے اطلاع ملی تھی کہ سلجوقی بہت بڑی طاقت بن گئے ہیں اور ہر لمحہ خطرہ ہے کہ وہ غزنی پر حملہ کر دیں گے۔

قلعے جو نعروں نے سر کئے

سُلطان محمود غزنوی

مہاراجہ گنڈہ کو شکست دے کر جب غزنی پہنچا تو اُس کے ساتھ کم و بیش چھ سو ہاتھی اور ڈیڑھ سو گھوڑے تھے۔ مہاراجوں کی فوجوں کے قیدیوں کی تعداد سات سے دس ہزار تک تھی۔ غزنی کے لوگ اپنے فاتح سُلطان کے استقبال کے لیے شہر سے دُور نکل گئے تھے۔ اُن کے نعروں سے آسمان پھٹا جاتا تھا۔ تھکے ماندے سپاہیوں کے چہروں پر رونق آگئی تھی۔ جب قیدی لوگوں کے سامنے سے گزرے تو لوگوں نے فتح و نصرت کا وہ واویلا بپا کیا کہ فضا لرزنے لگی۔ لوگ اِن ہندو قیدیوں پر طعنوں کے تیر برسانے لگے۔ بعض اُن کے قریب جا کر کہتے تھے کہ غزنی میں تمہیں سچا خدا ملے گا۔ اس کے آگے سجدہ کرنا۔ تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ مگر ہندو فارسی نہیں سمجھتے تھے۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے تماشائیوں کو دیکھتے تھے۔ بعض کے ہونٹوں پر طاری ہوئی مسکراہٹ اور بعض کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

ان تماشائیوں میں چار آدمی الگ تھلگ کھڑے اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے سلطان محمود کو دیکھ رہے تھے۔ وہ کوئی نعرہ نہیں لگا رہے تھے۔ اُن کے چہروں پہ سنجیدگی طاری تھی۔ اُن کے سامنے سے سلطان محمود گزر گیا تو وہ فوج کو گہری نظروں سے دیکھنے لگے۔ اب کے چونکہ مہاراجے مقابلے سے مُنہ موڑ گئے تھے اس لیے سلطان محمود کی فوج کا جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ لگتا تھا جیسے

جتنی فوج ہندوستان کی تھی اس سے زیادہ واپس آئی ہو۔ حالانکہ سلطان محمود کچھ دستے قنوج کے گرد و نواح میں اور لاہور کے قریب بھی چھوڑ آیا تھا۔ یہ علاقے اُس کے باجگزار تھے۔

"سلطان بغیر لڑے واپس آگیا ہے۔ بہت لوٹ مار کر لایا ہے۔"

"لڑائی ہوتا تو یہ جنگی قیدی کہاں سے لے آتا؟ اتنے زیادہ ہاتھی اور گھوڑے کہاں سے آتے؟"

"لوگوں کے اتنے زیادہ ہجوم میں سے اگر میں سلطان پر تیر چلا دوں اور کمان پھینک کر ہجوم میں غائب ہو جاؤں تو میں پکڑا نہیں جاؤں گا اور سلطان کا کام بھی تمام ہو جائے گا۔"

"اکیلے سلطان کو قتل کر دینے سے کیا حاصل ہوگا؟ اس کی سلطنت ہمارے قبضے میں نہیں آجائے گی۔ اس کے بیٹے جوان ہیں جو جنگی چالوں میں باپ کی طرح دانشمند ہیں۔"

"قتل کی باتیں چھوڑو۔ ہمیں یہ دیکھنے کے لیے بھیجا گیا ہے کہ سلطان محمود کی فوج کو دیکھ کر آؤ کتنی تعداد واپس آرہی ہے اور اس کی حالت کیا ہے۔"

"اسرائیل سلجوقی دھوکے میں شکست کھا گیا تھا۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔"

"اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھو۔ غزنی کی جنگی طاقت ہم سے زیادہ ہے۔"

"ایک سلجوقی غزنی کے پانچ فوجیوں پر بھاری ہے۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ اکیلے سلطان محمود کو قتل کر دیا جائے تو اُس کی فوج کا حوصلہ ٹوٹ جائے گا۔"

"اور غزنی والوں کی حالت اِس فقیر جیسی ہو جائے گی۔" اس آدمی نے ایک فقیر کی طرف اشارہ کر کے ہنستے ہوئے کہا اور اُس نے فقیر سے کہا — "او بھکاری! اپنے سلطان سے کہہ کر جو دولت ہندوستان سے لوٹ کے لایا ہے، اُس میں سے کچھ تجھے دے دے۔"

فقیر پھٹے پُرانے کپڑے پہنے، داڑھی اور سر پر گرد ڈالے، ایک ہاتھ میں لاٹھی، دوسرے میں کشکول اُٹھائے اِن چاروں کے پاس کھڑا تھا۔

"میں غزنوی نہیں سلجوقی ہوں" — بھکاری فقیر نے کہا "غزنی والے سلجوقی فقیروں کو بھیک بھی نہیں دیتے۔"

"اگر تمہاری رگوں میں سلجوقی خون ہوتا تو دریا میں ڈوب کر مر جاتے بھیک نہ مانگتے" — ایک نے اُسے کہا — "فوراً یہاں سے نکلو اور وہاں پہنچو جہاں اسرائیل سلجوقی کی بادشاہی ہے۔ وہاں کوئی بھکاری نہیں۔ سب بادشاہ ہیں۔"

"میں جانتا تھا آپ چاروں سلجوقی ہیں" — فقیر نے کہا — "اِسی لیے آپ کے پاس آن کھڑا ہوا تھا۔"

"لیکن ہم تمہیں بھیک نہیں دیں گے" — ایک سلجوقی نے کہا — "ہم تمہاری یہ عادت پکی نہیں کرنا چاہتے۔"

سلطان محمود غزنوی کھانے سے فارغ ہو چکا تھا۔ اُس نے کھانا فراغت سے نہیں کھایا تھا۔ کھانے کے دوران وہ اپنے وزیر سے اپنی غیر حاضری کے عرصے کی رپورٹیں لیتا رہا تھا۔

"سلجوقیوں کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے" — وزیر نے اُسے بتایا تھا "سلجوقی ایک جنگی طاقت بن گئے ہیں۔ اسرائیل سلجوقی میں کوئی ایسی کشش ہے کہ بخارا اور کچھ اور علاقوں کے ایسے لوگ بھی اُس کے ساتھ مل گئے ہیں جو سلجوقی نہیں۔ اسرائیل سلجوقی نے اپنے قبیلے کو کرائے کی فوج بنا دیا ہے۔ ایلک خان کے ساتھ اب بھی اُس کا اتحاد اور جنگی معاہدہ ہے۔"

"یہ خطرہ میرے ساتھ ہندوستان میں بھی گیا تھا" — سلطان محمود نے کہا اور وزیر کو تفصیل سے سنایا کہ دو سلجوقی کمانداروں نے چند ایک ہندو گاڑی بانوں کے ذریعے مہاراجہ گنڈہ کو غزنی کی فوج کی نقل و حرکت سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر عنبرین نام کی ایک لڑکی نے جو کماندار عمر یزدانی کی بیوی ہے، بروقت ان ہندوؤں کو پکڑوا دیا تھا۔

"اور یہ خطرہ یہاں بھی آپ پر منڈلا رہا ہے" — وزیر نے کہا — "آج چار سلجوقی پکڑے گئے ہیں۔ وہ دیکھنے آئے تھے کہ آپ کے ساتھ جو فوج واپس

آئی ہے وہ کتنی ہے اور کس حال میں ہے۔ وہ آپ کے قتل کی باتیں بھی کر رہے تھے۔"

"کیا وہ مان گئے ہیں کہ وہ جاسوسی کرنے آئے تھے اور ان کا ارادہ مجھے قتل کرنے کا بھی تھا؟" — سلطان محمود نے پوچھا — "وہ کہاں ہیں؟"

"وہ یہیں ہیں" — وزیر نے کہا — "حکم فرمائیں تو انہیں آپ کے سامنے لایا جائے۔ اُن سے اگلوا لیا گیا ہے کہ وہ یہاں بہت بُری نیت سے آئے تھے۔"

چار آدمیوں کو اندر لایا گیا جن کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ اُن کے سر ڈول رہے تھے اور اُن سے کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اُن پر تشدد کیا گیا ہے۔ وزیر نے دربان کو کسی کا نام بتا کر کہا کہ اُسے اندر بھیج دو۔

ایک فقیر اندر آیا جس کے کپڑے پھٹے پرانے اور غلیظ تھے۔ اُس کی داڑھی اور سر کے لمبے لمبے بال پسینے اور مٹی سے جُڑے ہوئے تھے۔ اُس کے ایک ہاتھ میں لاٹھی اور دوسرے میں کشکول تھا۔

"سلطان عالی مقام!" — وزیر نے کہا — "یہ ہے وہ بھکاری جس نے ان کی باتیں سنیں پھر ان پر نظر رکھی کہ کہاں جاتے ہیں اور جب یہ اپنے ٹھکانے پر پہنچے تو اس فقیر نے چھاپہ مروا کر انہیں پکڑوا دیا۔ یہ جس کے گھر ٹھہرے تھے وہاں کی تلاشی لی گئی ہے۔ وہ لوگ بھی مشکوک نکلے۔ یہ فقیر محکمہ جاسوسی کا عہدیدار ہے۔ ہم نے جب دیکھا کہ آپ کے استقبال کے لیے لوگ ہجوم در ہجوم باہر نکل آئے ہیں تو ہم نے ان لوگوں میں جاسوس پھیلا دیئے تھے۔ یہ عہدیدار آپ کو بتائے گا کہ اس نے ان پر کیوں شک کیا تھا۔"

"میں نے دیکھا کہ لوگ فتح و نصرت کے نعرے لگا رہے تھے" — فقیروں کے بھیس میں اس جاسوس عہدیدار نے بتایا — "ہر کوئی ناچنے اور کودنے کی کیفیت میں تھا لیکن یہ چاروں بڑی سنجیدہ رُخی سے آپ کو دیکھ رہے تھے جیسے انہیں افسوس ہو رہا ہو کہ لوگ فاتحانہ نعرے لگا رہے ہیں۔ میں نے

فریب ہو کر ان کی باتیں سنیں تھیں۔ اُس کی ان کے ساتھ جو باتیں ہوئی تھیں وہ اُس نے سلطان کو بتائیں۔

"کیا تم اب اپنے ارادوں کے متعلق مجھے کچھ بتانا چاہو گے؟" سلطان محمود نے ان سلجوقیوں سے پوچھا "میں نے سنا ہے کہ تم نے تسلیم کر لیا ہے کہ تم مجھے قتل کرنے آئے تھے۔"

"نہیں سلطان محمود!" ۔۔۔ ایک سلجوقی نے کہا "ہم میں ایک نے آپ کے قتل کی بات کی تھی لیکن قتل کا ارادہ نہ تھا۔ ہم جب پکڑے گئے تو سب کچھ بتا دیا تھا۔ ہم پر بہت تشدد کیا گیا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے دلوں میں جو کچھ تھا وہ صاف بتا دیا تھا۔ ہم سلجوقی ہیں۔ ہم جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ ہم آپ کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ آپ نے ہمیں ایک بار شکست دی ہے۔ ہم اس شکست کا انتقام لیں گے۔ ہم ہندو نہیں مسلمان ہیں۔ ہمارا کوئی ملک نہیں۔ زمین کا کوئی ایسا خطہ نہیں جسے ہم اپنا وطن کہہ سکیں۔ ہم پہاڑیوں میں رہتے ہیں۔ ہم اپنا وطن حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"لیکن تمہاری نظر صرف میری سلطنت پر کیوں جم گئی ہے؟" سلطان محمود نے پوچھا ۔۔۔ "تم کسی کمزور حکمران سے اُس کی زمین چھین سکتے ہو۔"

"کمزور سے کچھ چھیننا بہادروں کا شیوہ نہیں" ۔۔۔ ایک سلجوقی نے کہا ۔۔۔ "آپ ہم سے زیادہ طاقتور ہیں۔ ہم آپ کی سلطنت کے کسی حصے کو اپنا وطن بنائیں گے ..... ہماری اس بات کو سچ مانیں کہ ہم آپ کو قتل نہیں کرنا چاہتے۔ ہم آپ کی جنگی طاقت کو کمزور کریں گے اور میدانِ جنگ میں آپ کو مارنے کی کوشش کریں گے۔"

"مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ تم بہادر جنگجوؤں کی طرح دل کی بات کہہ رہے ہو جو تمہارے دل میں ہے" ۔۔۔ سلطان نے کہا ۔۔۔ "میں بھی تمہارے ساتھ بہادر جنگجوؤں جیسا سلوک کروں گا۔ تم غزنی کے مہمان ہو" ۔۔۔ اُس نے وزیر سے کہا ۔۔۔ "ان کی بیڑیاں کھلوا دو۔"

ان کی بیڑیاں کھلنے لگیں۔ سلطان محمود کہہ رہا تھا "غزنی کی فوج کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"بہت طاقتور فوج ہے" ۔۔۔ ایک سلجوقی نے کہا "ہمارا خیال تھا کہ یہ فوج ہندوستان سے کمزور ہو کر آئے گی لیکن ہاتھیوں اور گھوڑوں کے لحاظ سے یہ اور زیادہ طاقتور ہو کے آئی ہے۔"

"کیا تمہارا سردار اسرائیل سلجوقی ہمارے خلاف لڑے گا؟"

"اس کا جواب وہی دے سکتا ہے" ۔۔۔ سلجوقی نے کہا "ہم سے صرف ہمارے متعلق پوچھیں۔"

"میں کچھ نہیں پوچھوں گا" ۔۔۔ سلطان محمود نے کہا "میں تمہیں کچھ بتاؤں گا۔ اپنے سردار اسرائیل سلجوقی کو میرا سلام کہنا اور اُسے کہنا کہ میں تمہیں یہاں سے نکال کر دریائے جیحون کے پار کا بہت سا علاقہ دے دوں گا۔ تم اپنے تمام قبیلے کو وہاں منتقل کر دو اور اسے اپنا وطن بنا لو۔ اُسے کہنا کہ ایک ہی مذہب کی دو فوجیں ایک دوسرے کا خون بہائیں گی تو فائدہ یہودیوں اور نصرانیوں کو پہنچے گا۔ وہ میرے بھی اتنے ہی دشمن ہیں جتنے تمہارے ہیں۔ انہیں موقع ملا تو ہم دونوں کو نیست و نابود کر دیں گے۔ اُسے یہ بھی کہنا کہ ہر کسی کی موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ فتح اور شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تم نے اپنے آدمی میرے ساتھ ہندوستان بھیجے کہ وہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے طاقتور مہاراجہ کو میرے جنگی راز دے کر مجھے شکست دلائیں مگر وہ ایک ایسی عورت کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے جو تمہارے دوست ایلک خان کے خاندان کی ہے۔ تم بہادر جنگجو ہوتے تو دو عورتوں سے وہ کام نہ کراتے جو مردوں کو کرنا چاہیے تھا۔ تم نے ہندوؤں کو ساتھ ملا کر مجھے دھوکہ دینا چاہا مگر تم نہیں جانتے کہ ہندو مسلمان کا دوست نہیں ہو سکتا ..... اپنے سردار سے یہ بھی کہنا کہ جس کے ہاتھوں تم نے مجھے شکست دلانے کا انتظام کیا تھا، اُسے خدا نے ایسا مرعوب کیا کہ

وہ لڑے بغیر میدانِ جنگ سے غائب ہوگیا۔ یہ اللہ کی شان ہے۔ تم بھی اللہ کے آگے سر جھکا دو۔ اُسے کہنا کہ مجھے ملے۔ وہ میرے پاس نہ آنا چاہے تو میں اُس کے پاس چلا جاؤں گا۔ میرا پیغام اُس تک پہنچا دینا۔۔۔ جاؤ، میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔"

*

اس داستان کی پچھلی کڑی میں بتایا جا چکا ہے کہ غز نام کا ایک جنگجو قبیلہ تھا جس کا اپنا کوئی وطن نہیں تھا۔ وہ پہاڑیوں میں خانہ بدوش رہتا تھا۔ اس قبیلے کا ایک سردار لقمان تھا جو اپنے آپ کو سلجوقی کہلاتا تھا۔ وہ قبیلے میں اتنا مقبول تھا کہ اس نے ایک الگ تھلگ سلجوقی قبیلہ بنا لیا۔ غز قبیلے کے بیشتر لوگ اس کی اطاعت میں آ گئے اور سلجوقی کہلانے لگے۔ یہ لوگ آزاد زندگی بسر کرتے تھے۔ ادھر اُدھر سے مویشی چوری کرلاتے تھے۔ قافلوں کو بھی لوٹ لیتے تھے۔ وہ پہاڑیوں میں بڑی خوشنما اور سرسبز جگہوں میں رہتے تھے۔ نوجوان لڑکیاں بھی اغوا کر لیتے تھے لیکن ظلم و تشدد نہیں کرتے تھے۔ ان میں آئی ہوئی باہر کی لڑکی خوش رہتی تھی۔

انہوں نے اپنے رہن سہن اور طور طریقوں میں ایسی دلکشی پیدا کر رکھی تھی کہ غیر سلجوقی خانہ بدوش بھی ان میں شامل ہوگئے اور سلجوقی کہلانے لگے۔ ساٹھ ستر برسوں میں ان کی تعداد باہر کے قبیلوں کی شمولیت اور دو تین نئی نسلیں پیدا ہونے سے کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ یہ چونکہ جنگجو قبیلہ تھا اس لیے اس کی حیثیت ایک فوج کی سی ہوگئی تھی۔ انہیں چھوٹے موٹے مسلمان حکمران ایک دوسرے کے خلاف لڑاتے تھے۔ ترکستانیوں اور سمانیوں کی لڑائیوں میں سلجوقیوں نے سمانیوں کا ساتھ دیا تھا۔ پھر ایک اور حکمران الپتگین نے سلجوقیوں کے ساتھ سلطان محمود کے خلاف جنگی معاہدہ کرلیا تھا اور دونوں نے سلطان محمود سے شکست کھائی تھی۔ شکست کھانے والا اسرائیل سلجوقی تھا جو لقمان سلجوقی کا بیٹا تھا اور اُس کے مرنے کے بعد سلجوقی قبیلے کا سردار بنا تھا۔

اسرائیل سلجوقی کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ وہ بڑا خوبصورت جوان تھا۔ اُس کی شخصیت میں ایسا اثر تھا کہ اُس کے پیروکار اُس کا وہ حکم بھی فوراً مانتے تھے جس میں یقینی موت کا خطرہ ہوتا تھا۔ اُس نے لڑائیوں میں مختلف حکمرانوں کی مدد کرکے اپنا خزانہ بھر لیا تھا اور اُن کی کمزوریوں اور ہوس پرستی سے بھی وہ بہت فائدہ اٹھاتا تھا۔

سلطان محمود ہندوستان سے واپس آیا تو اُس کے وزیر نے اُسے بتایا کہ اسرائیل بہت بڑی طاقت بن گیا ہے اور سلطنتِ غزنی کے لیے ایک ایسا خطرہ جسے فوراً دبا لینا بہت ضروری ہوگیا ہے۔ سلطان کو چار سلجوقی جاسوسوں کی صورت میں اسی وقت ثبوت مل گیا تھا۔ سلطان نے تدبر سے کام لے کر ان سلجوقیوں کو رہا کر دیا اور ان کے سردار اسرائیل سلجوقی کو پیغام بھی بھیج دیا کہ وہ اُسے ملے۔

"جو شخص آپ کے قتل کے منصوبے بنا رہا ہے اور جو آپ کی سلطنت کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے، اُس سے آپ دوستانہ ملاقات کریں گے؟" — وزیر نے حیران سا ہو کے سلطان سے پوچھا۔

"ہاں، میں اُسے دوست بنانے کی کوشش کروں گا" سلطان نے کہا۔ "اسرائیل سلجوقی گمراہ نام کا مسلمان ہے، مسلمان تو ہے۔ ہم ایک دوسرے کا بہت خون بہا چکے ہیں۔ ایک میری وہ جرأت ہے کہ میں اپنے ملک سے اتنی دور ہندوستان کے وسط تک چلا جاتا ہوں جہاں کی زمین اور جہاں کا آسمان بھی میرا دشمن ہوتا ہے۔۔۔۔ اور یہ بھی ایک جرأت ہوتی ہے کہ اپنے بھائی کی لغزشیں معاف کر دو اور اس کے آگے جھک جاؤ۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ مجھے دو مہمیں ایک ساتھ سر کرنی پڑ رہی ہیں۔ ایک طرف ہندوستان ہے۔ اس خطے کو میں محمد بن قاسم کی امانت سمجھتا ہوں۔ یہ دارالاسلام تھا جو بُت خانہ بن گیا ہے اور میں اسلام کو فروغ دینے کے علاوہ ہندوؤں کی اُس جنگی طاقت کو ختم کر رہا ہوں جو ختم نہ ہوئی تو صرف ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ بن جائے گی۔ ایک طرف یہودی اور نصرانی ہیں، دوسری طرف ہندو

ہیں۔ یہ وہ پہاڑ ہیں جو ہماری طرف سرک رہے ہیں۔ ہم نے یا جس دور میں بھی مسلمانوں نے ان سے توجہ ہٹائی یا ان کے جھانسے میں آ گئے، مسلمان آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے ....

"دوسری اہم یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی میرے دشمن ہو گئے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کا بہت خون بہا چکے ہیں۔ بادشاہی اور سلطانی کی ہوس نے انہیں اندھا کر رکھا ہے۔ اسرائیل سلجوقی واقعی ایک جنگی طاقت بن گیا ہے۔ میں اس طاقت کو طاقت سے ختم کر سکتا ہوں۔ کفار کا یہی مقصد ہے۔ میں کفار کا یہ مقصد پورا نہیں ہونے دوں گا۔ میں کوشش کروں گا کہ اسرائیل سلجوقی میری شرائط تسلیم کر لے۔ میں اسے ایک وطن دے دوں گا۔"

*

بیس بائیس روز بعد اسرائیل سلجوقی بخارا کے پہاڑی علاقے میں ایک بڑی ہی حسین اور ٹھنڈی جگہ بیٹھا تھا۔ اس کے پاس اُس کی بیوی مریم بیٹھی تھی اور ان دونوں کے پاس دو ادھیڑ عمر آدمی بیٹھے تھے۔ اسرائیل کے سامنے وہ چار سلجوقی بیٹھے ہوئے تھے جنہیں غزنی میں جاسوسی کے جرم میں پکڑا گیا تھا لیکن سلطان محمود نے انہیں رہا کر دیا تھا۔ وہ اسرائیل سلجوقی کو تفصیل سے سنا چکے تھے کہ وہ کس طرح پکڑے گئے، سلطان محمود نے ان کے ساتھ کیا باتیں کیں اور اسرائیل کے نام کیا پیغام دے کر رہا کر دیا ہے۔

"تم کہتے ہو کہ سلطان محمود نے کہا تھا کہ وہ ہمیں ایک خطہ دے گا جو ہمارا وطن ہوگا"۔۔۔ اسرائیل سلجوقی نے کہا۔ "کیا اُس نے یہ بات سنجیدگی سے کہی تھی یا ہمیں طعنہ دیا تھا؟ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اُس نے یہ بات گھمنڈ میں کہی تھی؟"

"نہیں"۔۔۔ ایک سلجوقی نے جواب دیا۔ "وہ سنجیدہ معلوم ہوتا تھا۔ اگر اُس کے دل میں گھمنڈ ہوتا تو وہ یہ نہ کہتا کہ جہاں آپ اسے ملنا چاہیں گے وہ وہیں آ جائے گا!"

"اُسے پتہ چل گیا ہے کہ سلجوقی اب اتنے طاقتور ہو گئے ہیں کہ اپنی شرطیں

منوا سکتے ہیں"۔۔۔ اسرائیل سلجوقی کی بیوی مریم نے کہا۔

مریم سلطان محمود کے ایک بدترین دشمن ایلک خان کی بھتیجی تھی۔ وہ بڑی ہی حسین اور جوان لڑکی تھی۔ اُس نے شادی سے پہلے اسرائیل سے کہا تھا۔۔۔ "میں اُس مرد پر اپنا سب کچھ قربان کر دوں گی جو سلطان محمود کی سلطنت کو تباہ کر کے اسے بھٹکنے کے لیے ان پہاڑوں میں چھوڑ دے گا"۔۔۔ اُس نے اسرائیل سلجوقی سے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ اسرائیل نے ایلک خان سے کہا تھا کہ وہ سلطان محمود کو مروا دے گا۔ اسی وعدے پر مریم نے اسرائیل کے ساتھ شادی کی تھی مگر اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ اسرائیل سلطان محمود کی اس پیشکش پر غور کر رہا ہے کہ وہ سلجوقیوں کو ایک الگ وطن دے گا۔

اسرائیل سلجوقی نے ان چاروں آدمیوں کو اور اُن دو آدمیوں کو بھی جو اُس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اٹھا دیا۔ اس کے پاس مریم اکیلی رہ گئی۔

"میں ایسی بات نہیں سننا چاہتی کہ آپ نے سلطان محمود کی پیشکش قبول کر لی ہے"۔۔۔ مریم نے اسرائیل سے کہا۔۔۔ "وہ حالات کچھ اور تھے جو آپ کی شکست کا باعث بنے تھے۔ اب آپ کو کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ ہماری اپنی طاقت کے علاوہ الپتگین ہمارے ساتھ ہے۔ توغان خان ہمارے ساتھ ہے۔ اپنے دشمن کے لالچ میں نہ آئیں۔ ہم اب اپنا وطن دوسروں سے ملک چھین کر بنا سکتے ہیں"۔

"سنو مریم!"۔۔۔ اسرائیل سلجوقی نے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تمہارے دل میں سلطان محمود کی اتنی نفرت نہیں جتنی یہ خواہش تمہارے دل میں تڑپ رہی ہے کہ تم ایک ملک کی ملکہ بنو۔ میں تمہیں ملکہ بنا دوں گا لیکن ہمیں سب سے پہلے زمین کا ایک ٹکڑا چاہیے جسے ہم اپنا وطن کہہ سکیں۔ وہاں ہم اپنی فوج کو باقاعدہ تربیت دیں گے۔ وہاں ہمارے قلعے ہوں گے۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ فوج لڑتی ہوئی پیچھے ہٹتی ہے تو ہمیں کہیں پناہ نہیں ملتی۔ ہم قبائلی اور جنگلی کہلاتے ہیں۔ مجھے محمود سے کچھ وصول کر لینے دو"۔

بات مریم کی سمجھ میں آگئی مگر وہ جو دو آدمی اسرائیل کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہ نہیں جانتے تھے کہ مریم اسرائیل کی یہ بات سمجھے، رات کو وہ ایک قدرتی اوٹ میں بیٹھے تھے۔ مریم ان کے ساتھ تھی اور انہیں کہہ رہی تھی ــ "میں نے اس شخص کے ساتھ صرف اس لیے شادی کی تھی کہ یہ سلطان محمود کا کام تمام کر دے گا مگر اس کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص غزنی کے اس سلطان کے جھانسے میں آجائے گا۔ اس نے مجھے یہ تو کہا ہے کہ وہ محمود سے کچھ وصول کرنا چاہتا ہے مگر مجھے اس کی نیت پر شک ہے۔ یہ محمود کا طفیلی بن جائے گا۔"

"تمہاری نظر میں کوئی اور ہے جو سلجوقی قبیلے کی سربراہی کر سکے؟" ــ دونوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"توغان خان!" ــ مریم نے کہا ــ "وہ میرا چچا زاد ہے۔ میں اُس کے ساتھ شادی کر لوں گی۔ وہ مجھے ایسا بُری طرح چاہتا ہے کہ میں نے جب اسرائیل کے ساتھ شادی کی تھی تو توغان خان زہر کھانے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ مجھے پتہ چل گیا۔ میں اُسے ملی تو اُس کی حالت پاگلوں جیسی ہو چکی تھی۔ میں اُسے زندہ دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے باپ کا جانشین تھا، پھر اُس کا باپ مر بھی گیا اور وہ باپ کا جانشین بنا لیکن ذہنی طور پر وہ اس قابل نہ تھا۔ میں نے اُسے زندگی دی اور زندگی اس طرح دی کہ اسرائیل سے چوری چھپے اُس کی بھی بیوی بنی رہی۔ یہ سلسلہ اب تک چل رہا ہے .... مجھے امید ہے کہ اسرائیل کا مر جانا ہمارے لیے بہتر ہو گا۔ توغان خان ہمارا مقصد پورا کر دے گا۔"

ایک سایہ سا اُن جھاڑیوں کے عقب سے بے آواز گزر گیا جن کی اوٹ میں وہ تینوں بیٹھے تھے۔ دونوں آدمیوں نے اُٹھ کر دیکھا۔ بادل کے ایک ٹکڑے کا سایہ رینگتا جا رہا تھا۔ یہ ٹکڑا چاند کے آگے سے گزر گیا تھا۔

"کون تھا؟" ــ مریم نے سرگوشی میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے بادل کا ٹکڑا چاند کے آگے سے گزرا ہے۔"

صبح کا اجالا نکھر رہا تھا۔ ایک جگہ چٹانوں نے اوٹ بنا رکھی تھی۔ دائیں، بائیں اور پیچھے تین چٹانیں تھیں۔ ان کے درمیان تنگ سی جگہ خالی تھی۔ تین درخت ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ تھے۔ درمیان والے درخت کے ساتھ مریم یوں کھڑی تھی کہ اس کی پیٹھ تنے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے تھے اور ایک رسی اُس کے ٹخنوں اور تنے کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ اسی طرح ساتھ والے درختوں کے ساتھ وہ دونوں آدمی بندھے ہوئے تھے جو رات مریم کے ساتھ تھے۔ ان کے سامنے اسرائیل سلجوقی ٹہل رہا تھا۔ تین تیر انداز کمانوں میں تیر ڈالے آٹھ دس قدم دور کھڑے تھے۔

"میں جانتا تھا تم دونوں یہودی ہو" ــ اسرائیل سلجوقی نے ان دونوں سے کہا ــ "اور تم مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے ماہر ہو۔ میں نے تمہارے سپرد یہ کام کیا تھا کہ دو چار لڑکیوں اور دو چار آدمیوں کو تیار کرو جو سلطان محمود کی جڑیں کاٹیں مگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ یہودی سانپ ہیں جو اپنے مالک کو بھی ڈس لیتے ہیں .... اور اس ناگن کو دیکھو" اُس نے اپنی بیوی مریم کی طرف اشارہ کر کے کہا ــ "بیک وقت دو آدمیوں کی بیوی بنی رہی۔ تم ملکہ بننا چاہتی تھیں .... ایسی خواہش کہ تمہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ تمہارا خاوند کون ہے؟"

"میں تمہیں آخری بار کہہ رہی ہوں کہ سلطان محمود کے دھوکے میں نہ آنا" ــ مریم نے غصے سے چلا کر کہا۔

"آج تم جو کچھ بھی کہو گی آخری بار کہو گی" ــ اسرائیل نے کہا ــ "اور میں تمہیں آخری بار بتا دیتا ہوں کہ میں تمہارے دھوکے کے باوجود توغان خان کو اپنا دوست اور سلطان محمود کو اپنا دشمن سمجھوں گا اور ایک روز لوگ سلطنت غزنی کو بھول جائیں گے اور سلطنتِ سلجوق کو یاد کیا کریں گے" ــ اُس نے گردن تان کر کہا ــ "میں سلطان محمود سے ایک خطہ لے لوں گا اور وہی خطہ غزنی کی فوج کا، سلطان محمود کا اور سلطنتِ غزنی کے عروج کا قبرستان بنے گا۔"

"تم جیسے جاہل اور گنوار قبائلی دو مردوں کے لیے قبر کھود کر اس میں خود دفن ہوا کرتے ہیں" ــــ درخت سے بندھے ہوئے ایک یہودی نے کہا "سنو اسرائیل! تمہارا نام اسرائیل اس لیے ہے کہ تمہاری رگوں میں یہودی خون ہے۔ اس خون کی لاج رکھتے ہوئے میں تمہیں کام کی باتیں بتاتا ہوں۔ تم نے ٹھیک کہا ہے کہ ہم دونوں یہودی ہیں اور ہم نے اپنے نام اور حلیے مسلمانوں جیسے رکھے ہوئے ہیں۔ ہم اسلام کے متعلق اتنا علم رکھتے ہیں جو تمہاری مسجدوں کے امام بھی نہیں رکھتے۔ ہم مسلمانوں کا ایمان خریدنے کے ماہر ہیں۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ ہماری باتیں تمہارے کسی آدمی نے سن لی تھیں اور ہم پکڑے گئے لیکن تم ہماری تعریف نہیں کرتے کہ ہم تمہیں تمہاری بیوی کے ہاتھوں قتل کرا رہے تھے؟ ..... میں تمہیں صاف بتا دیتا ہوں کہ تمہارا انجام قریب آ گیا ہے۔ تم سلطان محمود کو شکست نہیں دے سکتے۔ وہ ایمان کا پکا ہے۔ ہم وہیں کامیاب ہوتے ہیں جہاں ایمان کچا ہوتا ہے، اور جہاں ایمان کچا ہوتا ہے وہاں شکست لازمی ہوتی ہے۔ ہمیں مسلمانوں کے ایمان کی پختگی اور ناپختگی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ ہمارا کام ہے کہ پکے اور کچے کو آپس میں ٹکراتے رہیں۔ شکست سلطنتِ حقیقی کی ہوتی ہے مگر ہم اُسے یقین دلائے رکھتے ہیں کہ تم سب سے زیادہ پکے ہو"۔

"تم ذلیل یہودی!" ــــ اسرائیل نے دانت پیس کر کہا "مجھے طعنے دے رہے ہو؟" ــــ اُس نے ایک طرف ہٹ کر تیر اندازوں کو اشارہ کیا۔

تین تیر بیک وقت کمانوں سے نکلے اور دونوں یہودیوں اور مریم کے سینوں میں اُتر گئے۔

"اور تیر نہ چلانا" ــــ اسرائیل سلجوقی نے کہا "انہیں یہیں بندھا رہنے دو۔ ان کی لاشیں گدھ اور بھیڑیے کھائیں گے"۔

دو چار مہینے ہی گزرے تھے کہ ہندوستان سے غزنی کی فوج کا ایک

آدمی آیا جو جاسوسی اور سراغ رسانی کے محکمے کا تھا۔ یہ سنایا جا چکا ہے کہ کالنجر کا مہاراجہ گنڈہ کسی پُراسرار خوف کے زیرِ اثر لڑے بغیر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ کسی بھی مورخ نے اُس کے بھاگ جانے کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں لکھی کہ اُس پر کوئی پُراسرار خوف طاری ہو گیا تھا۔ اس "پُراسرار خوف" کی وضاحت کسی بھی تحریر سے نہیں ملتی۔ بہرحال یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سلطان محمود کو اتنی آسان فتح کبھی بھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

مہاراجہ گنڈہ کا اتحادی گوالیار کا مہاراجہ ارجن تھا۔ اُسے بھی بھاگنا پڑا تھا۔ سلطان محمود واپس غزنی چلا گیا تھا۔ اس کا ایک قلعہ دار ابوالقدر سلجوقی قنوج کے قلعے میں تھا۔ اُس نے اپنے جاسوس کالنجر اور گوالیار بھیج دیئے تھے۔ انہوں نے ابوالقدر سلجوقی کو جو اطلاعات اور معلومات دی تھیں، وہ ایک جاسوس خود سلطان محمود کے پاس لایا تھا۔ یہ جاسوس اسی علاقے کا ایک مسلمان تھا۔ وہ ہندو رِشی کے بہروپ میں کالنجر گیا تھا۔

"مہاراجہ گنڈہ کالنجر پہنچتے ہی ہوش میں آ گیا تھا" ــــ جاسوس نے سلطان محمود کو بتایا "وہ جب میدانِ جنگ سے بھاگا تھا تو میں فوراً ہی کالنجر چلا گیا تھا اور اُس بڑے مندر میں جا ڈیرے ڈالے تھے جس میں کبھی کبھی مہاراجہ گنڈہ عبادت کے لیے جایا کرتا ہے۔ اس کی راجدھانی بھی خوف سے کانپ رہی تھی۔ مندروں کے سنکھوں اور گھنٹوں نے ایسا واویلا بپا کیا تھا کہ سارا کالنجر ہراساں ہو گیا تھا۔ میں خود تو نہیں دیکھ سکا، مجھے بتایا گیا کہ مہاراجہ کو دو تین مندر میں رکھا گیا تھا ....

"میں نے ایک روز شہر کی ایک گلی میں ایک عورت کو اپنے مکان کی دہلیز پر بیٹھے بین کرتے دیکھا۔ میں، چونکہ رِشی کے بہروپ میں تھا، اس لیے میں نے اس عورت سے رونے کی وجہ پوچھی۔ اُس نے دانت پیس کر کہا کہ تم سنت سادھو ہو، میرا بچہ واپس لا دو۔ پتہ چلا کہ پنڈتوں نے اپنا حساب کتاب کر کے مہاراجہ گنڈہ کو بتایا تھا کہ تین ایسے بچوں کی قربانی دینی ہے جن کی عمریں چھ ماہ سے زیادہ نہ

ہوں۔ چنانچہ اُسی روز تین ماؤں کی گودیوں سے بچے اٹھالیے گئے اور انہیں ذبح کرکے ان کا خون پانی میں ملا کر مہاراجہ گنڈہ کو اس میں نہلایا گیا۔ اس عورت نے مجھے کہا کہ میرے بچے کا خون کرنے والا اس دنیا میں سزا پائے گا....

"میں نے زیادہ وقت مندر میں گزارا۔ پنڈتوں کے ساتھ میرا دوستانہ ہوگیا۔ ان سے مجھے راج محل کی باتوں کا علم ہونے لگا... سلطان عزنی دستم قند!"

"عابدین!" — سلطان محمود نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "یہ بھول جاؤ کہ میں کہاں کا سلطان ہوں، یا میں سلطان ہوں بھی یا نہیں۔ مجھے یوں ساری بات سناؤ جیسے اپنے کسی دوست کے ساتھ باتیں کیا کرتے ہو۔"

میں کہہ رہا تھا کہ ہندوؤں کے مندروں کی دنیا کیسی پُراسرار ہے۔ ہم ایک سیدھے سادے مذہب کے لوگ وہاں جا کر چکرا جاتے ہیں۔ عورت کا اس مذہب میں بہت دخل ہے۔ نوجوان لڑکیاں وہاں کی اندھیری غلام گردشوں میں یوں پھرتی ہیں جیسے ویرانوں میں چمگادڑ اڑتے پھرتے ہیں۔ میں مندر کی ایسی ہی ایک غلام گردش میں جا رہا تھا۔ کوئی میرے ساتھ ٹکرا گیا۔ وہ عورت تھی اور سسک رہی تھی۔ میرے ساتھ لپٹ گئی اور خوفزدگی سے کانپتی ہوئی سرگوشیاں کرنے لگی — 'مجھے بچا لو۔ میں مہاراجہ کے لیے نہیں مرنا چاہتی۔ مجھے اپنے گھر لے چلو۔ مجھے اپنے پاس رکھ لینا۔ میں مرنا نہیں چاہتی'....

"میں سمجھ گیا کہ یہ کسی کی نوجوان اور کنواری بیٹی ہے جسے پنڈت اس کی قربانی دینے کے لیے پکڑ لائے ہوں گے.... آپ مجھے مجرم کہیں گے لیکن سلطانِ عالی مقام! میں نے اپنا وہ فرض نظر انداز کر دیا جس کے لیے میں مندر میں ٹھہرا تھا۔ میں نے اسے اپنا فرض سمجھا کہ ایک انسانی جان کو ایک جھوٹے اور بے بنیاد مذہب پر قتل ہونے سے بچاؤں۔ یہ ایک نیکی تھی اور میرا عقیدہ ہے کہ نیکی کرو تو جزا ملتی ہے۔ میں نے اپنے اللہ کو پکارا اور عرض کی کہ خدائے ذوالجلال! زندگی اور موت تیرے اختیار میں ہے۔

یہاں انسان بُت بنا کر انسانوں کو ان کے لیے ذبح کر رہے ہیں۔ اگر میں یہ نیکی کر گزروں تو مجھے صرف یہ جزا عطا کر کہ جس مقصد کے لیے یہاں آیا ہوں وہ پورا ہو جائے...

"اس تاریک غلام گردش میں مجھے امید کی کرن نظر آئی۔ لڑکی کہہ رہی تھی — 'مجھے لے چلو۔ جہاں جی چاہے لے چلو۔ یہاں سے لے چلو۔ یہاں سے نکال لو۔ میں بھاگ آئی ہوں۔ وہ مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے' — اُس کا جسم کانپ رہا تھا جیسے بے لباس ہو کر سرد پانی میں کھڑی ہو۔ مجھے تیز تیز قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے لڑکی سے کہا کہ وہ دل مضبوط کرے اور خاموش ہو جائے۔ اُسے اپنے بازو میں لے کر میں ایک طرف ہو گیا۔ وہاں سے دیوار کٹی ہوئی تھی جیسے غار بنا ہوا تھا۔ وہ ایک کمرہ سا تھا۔ باہر سے آواز آئی — 'یہاں دیکھ لو۔ جا کہاں سکتی ہے'...

"میں نے رشیوں کا جو لباس پہن رکھا تھا اس کے اندر خنجر تھا جو میں نے نکال لیا۔ باہر شاید دو آدمی تھے۔ ایک وہیں اندر آ گیا جہاں میں لڑکی کو لے کر چھپا تھا۔ گھُپ اندھیرا تھا۔ وہ مجھے دروازے میں جس کے کواڑ نہیں تھے، سیاہ بھوت کی طرح نظر آیا۔ بولا — 'اندر کون ہے' — وہ آگے آیا تو میں نے اُسے خنجر مارنے کی بجائے، پیچھے ہو کر اُس کی گردن دبوچ لی۔ باہر سے آواز آئی — 'ہے یا نہیں'! میں نے جواب دیا — 'نہیں ہے۔ تم باہر کو دوڑو' — مجھے باہر دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ جس کی گردن میرے ہاتھوں کے شکنجے میں آگئی تھی، تھوڑی دیر تڑپ کر مر گیا...

"میں نے جلدی جلدی اُس کے کپڑے اُتارے اور لڑکی کو پہنا دیئے۔ اُس کا چہرہ مسخ کرنا ضروری تھا۔ اُس کے بال کھلے ہوئے تھے۔ میں فرش کی مٹی پر ہاتھ پھیر پھیر کر اُس کے منہ اور بالوں پر ملتا رہا۔ ایک کپڑا اُس کے سر پر ڈال دیا۔ جسے میں نے مار دیا تھا، اُس کے گلے سے سونے موتیوں کی مالا اُتار کر لڑکی کے گلے میں ڈال دی اور اُسے باہر لے آیا۔ مجھے ان راستوں

کا علم تھا۔ میں اُسے روشن راستے میں لے گیا اور وہاں میں اُسے مندر کے ایسے ویران اور ہیبت ناک حصے میں لے گیا جہاں فرش پر کئی کی وجہ سے سبز کائی جمی ہوئی تھی۔ میں نے کائی پر ہاتھ پھیر کر لڑکی کے چہرے کا رنگ صدیوں پرانی دیواروں اور فرشوں جیسا کر دیا اور اُس کے بالوں میں مٹی ڈال کر اُسے سادھنی بنا دیا....

"وہ خوبصورت لڑکی تھی اور اس کی عمر چودہ پندرہ سال تھی۔ مندر کے اندر اور باہر اُس کی تلاش میں بھاگ دوڑ شروع ہو چکی تھی۔ پنڈت اور اُن کے چیلے گھبرائے گھبرائے اِدھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ وہ ہمارے قریب سے بھی گزرے۔ لڑکی کو کوئی بھی نہ پہچان سکا۔ میں اُسے مندر کے احاطے سے نکال کر شہر کے قریب ہی جنگل میں لے گیا۔ لڑکی نے بتایا کہ اُسے ایک دو روز بعد مندر میں ذبح کیا جانا تھا۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اُس کے ماں باپ اُسے قربان دینے کے لیے بالکل تیار نہیں تھے۔ اس کا باپ گنڈہ کے دربار میں کسی اچھے رتبے پر تھا۔ اُسے ڈرا کر اور اُسے رتبے سے محروم کر دینے کی دھمکی دے کر لڑکی کو اُس سے لیا گیا تھا....

"میں نے شام کے بعد اُس کے گھر جا کر اُس کے باپ کو بتایا کہ اُس کی لڑکی جنگل میں ہے۔ وہ بہت ڈرا ہوا تھا۔ اُس نے بتایا کہ اُس کے گھر کی تلاشی ہو چکی ہے۔ باپ بہت پریشان تھا۔ کہتا تھا کہ وہ لڑکی کو اب اپنے گھر نہیں رکھ سکتا کیونکہ پکڑا جائے گا اور مہاراجہ اُسے بڑی اذیت ناک سزا دے گا۔ وہ اس پر حیران تھا کہ میں رشی تھا اور لڑکی کو قربانی سے بچا لایا تھا۔ میں نے اُسے بتا دیا کہ میں رشی نہیں ہوں۔ ابھی اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں کون ہوں۔ اُس نے رو کر کہا کہ اُس کی ایک بیٹی اور بھی ہے جس کی عمر سترہ سال ہے۔ اُس کے گھر کی تلاشی لینے والے اُسے کہہ گئے ہیں کہ تمہاری وہ بیٹی نہ ملی تو اس بیٹی کی قربانی دی جائے گی۔ میں نے اُسے کہا کہ وہ پسند کرے تو

میں اُسے بھی محفوظ جگہ پہنچا سکتا ہوں....

"وہ سزا سے بھی ڈرتا تھا۔ بہر حال وہ تیار ہو گیا اور اُس نے پوچھا کہ اُسے کہاں پناہ مل سکتی ہے۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں اُسے قنوج کے قلعے میں لے جا سکتا ہوں۔ اُسے اپنی بیٹیوں سے بہت پیار تھا، حالانکہ ہندو اپنی جان بچانے کے لیے اپنی عورتوں کو چھوڑ کر بھاگ جایا کرتے ہیں۔ وہ مجھے انعام پیش کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ اپنا انعام بعد میں بتاؤں گا....

"اُس کے خاندان کو میں نے چوری چھپے وہاں سے نکالا۔ وہ بہت بڑے رتبے کا آدمی تھا۔ اُس نے گھوڑا گاڑی کا انتظام کر لیا تھا۔ راستے میں ایک پڑاؤ کیا تو اُس نے بتایا کہ وہ بے شمار سونا اور نقدی ساتھ لایا ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے ان چیزوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نے اُسے یہ بھی بتا دیا کہ میں مسلمان ہوں۔ تب اُسے بتایا کہ میرا مقصد کیا ہے۔ اُس نے خوش ہو کر کہا کہ وہ میرا مقصد پورا کر سکتا ہے، کیونکہ وہ مہاراجہ گنڈہ کے اندر کے راز جانتا ہے۔ اُس نے بتایا کہ مہاراجہ گنڈہ میدانِ جنگ سے ایک ایسا خوف لے کر بھاگ آیا تھا جس کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ تم چونکہ ہندوستان کے ہی رہنے والے ہو اس لیے تمہیں معلوم ہو گا کہ ہمارے بعض سادھو، سنیاسی، یوگی، جوگی اور پنڈت ایسا علم جانتے ہیں جس کا عمل کسی پر کیا جائے تو اُس کا دماغ کچھ عرصے کے لیے بے کار ہو جاتا ہے۔ یہ علم ہر کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ بعض یوگی ہمالیہ کی اُن بلندیوں پر چلے جاتے ہیں جہاں برف کبھی نہیں پگھلتی۔ یہ لوگ وہاں ننگے رہتے ہیں اور ایسی طاقت حاصل کر لیتے ہیں جو دُور بیٹھے دوسروں پر اثر کرتی ہے...

"مہاراجہ گنڈہ اتنا کمزور آدمی نہیں کہ اتنی زیادہ فوج کے ہوتے ہوئے بغیر لڑے بھاگ آتا۔ وہ جب بھاگ کر آیا تھا تو کالنجر کے لوگوں پر ایسی دہشت طاری ہو گئی تھی کہ لوگ گھروں سے بھاگ جانے کی تیاریاں

کرنے لگے تھے۔ افواہ پھیل گئی تھی کہ غزنی کی فوج کالنجر کی طرف آ رہی ہے۔ لیکن یوگی نے بتایا کہ مہاراجہ پر کسی نے عمل کر دیا ہے۔ اُس نے اس کا توڑ شروع کر دیا۔ اس کے لیے تین دودھ پیتے بچوں کو قربان کیا گیا۔ عمل کا اثر اُتر گیا۔ پھر یہ بھی پتہ چلا کہ یہ کس نے کیا تھا۔ یہ ایک رانی نے کرایا تھا جو اپنے بیٹے کو مہاراجہ کا جانشین بنانا چاہتی تھی لیکن مہاراجہ نے دوسری رانی کے بیٹے کو راجکمار بنا دیا۔ مہاراجہ نے اس رانی کو اور اُس کے بیٹے کو قتل کرا دیا ہے۔ رانی نے مہاراجہ سے کہا تھا کہ وہ اُسے قتل کر دے اُس کے بیٹے کو زندہ رہنے دے۔ مہاراجہ نے اُسے یہ شرط بتائی کہ وہ اُس یوگی کا سراغ دے دے جس نے اُس کے دماغ کو اور اُس کی فوج کو کیل دیا تھا....

"رانی نے بتا دیا۔ وہ یہی یوگی تھا جو اب اُس عمل کا توڑ کر رہا تھا۔ مہاراجہ وعدے سے پھر گیا۔ اُس نے رانی کو درپردہ قتل کرا کے اُس کے بیٹے کو بھی قتل کروا دیا ہے۔ جب یوگی نے عمل کا اثر ختم کر دیا تو مہاراجہ نے اُسے بھی قتل کرا دیا۔ پھر بڑے پنڈت مہارشی نے اُسے بتایا کہ اب ایک نوجوان کنواری کی قربانی ضروری ہے۔ اُس نے لڑکی کی کچھ نشانیاں بتائیں اور میری چھوٹی بیٹی کی نشاندہی کی کہ یہ ہے وہ لڑکی جو دیوتاؤں نے مانگی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ اُس نے میری بیٹی کی نشاندہی کیوں کی ہے۔ اُس نے ایک بار مجھ سے بڑی بیٹی مانگی تھی۔ میں نے انکار کر دیا تھا۔ تم مسلمان ہو۔ تم نہیں جانتے کہ ہم دیوتاؤں کو ناراض کر دیں تو کچھ نہیں ہوتا۔ اگر پنڈت کو خفا کر دیں تو ہم پر آسمان ٹوٹ پڑتا ہے۔ ہمارا مذہب ہمارے پنڈت کا حکم اور خواہش ہے....

"پھر سلطان محترم! اُس نے مجھے بتایا کہ ہوش آتے ہی مہاراجہ گنڈہ نے اپنی فوج کو اکٹھا کیا اور بتایا کہ اُسے ایک یوگی نے کیل دیا تھا۔ اُس نے اپنی فوج سے کہا کہ مسلمان خوش ہوں گے کہ انہیں لڑے بغیر فتح ہوئی

ہے۔ اب میں انہیں پھر للکاروں گا اور وہ پہلے والی فتح کے نشے میں بدمست ہو کر آئیں گے اور تم انہیں ہلاک کرو گے، انہیں زندہ پکڑو گے اور یہاں ان گلیوں میں تم انہیں ٹٹوؤں اور گدھوں کی طرح اپنی گاڑیوں اور ہلوں کے آگے جوتو گے۔ ہر ہر مہادیو نے مجھے اشارہ دے دیا ہے کہ اب غزنی کے مسلمان یہاں تباہ ہونے کے لیے آئیں گے....

"اُس نے ایسے الفاظ کہے کہ فوج جوش سے بھر گئی۔ یہاں تک کہ جو جوان آدمی فوج میں نہیں تھے وہ بھی فوج میں شامل ہو گئے۔ پھر وہ گوالیار مہاراجہ ارجن کے پاس چلا گیا۔ بہت دنوں بعد واپس آیا تو اُس نے بتایا کہ گوالیار میں بھی وہ وہاں کی فوج اور وہاں کے لوگوں میں ایسی ہی آگ لگا آیا ہے۔ پھر وہ لاہور چلا گیا۔ وہاں سے اُسے یہ مایوسی ہوئی کہ مہاراجہ ترلوچن پال نے اُس کا اتحادی بن کر لڑنے سے انکار کر دیا لیکن اُسے اپنی بہت سی فوج اور سامان دے دیا ہے۔ مہاراجہ ترلوچن پال نے اسے مالی امداد دینے کا بھی وعدہ کیا ہے....

"سلطان عالی مقام! اس ہندو نے مجھے بتایا کہ لاہور کی فوج دوآبہ گنگا جمنا میں آ گئی ہے اور یہ کالنجر میں آ جائے گی۔ مہاراجہ گنڈہ نے کہا ہے کہ اب وہ غزنی کی فوج کو شکست دے کر سارے ہندوستان میں پھر جائے گا اور نہ کوئی مسجد کھڑی رہنے دے گا نہ کسی مسلمان کو زندہ چھوڑے گا....

"میں نے اُس سے پوچھا، کیا مہاراجہ گنڈہ بڑہانک رہا ہے یا وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ کر گزرنے کے قابل ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ہاں وہ اس قابل ہو گیا ہے۔ اُس نے یہاں تک ارادہ کر رکھا ہے کہ مہاراجہ ارجن کو ساتھ ملا کر لاہور پر بھی قبضہ کرے گا۔ غزنی کی فوج کے جو چند ایک دستے یہاں قنوج، باری، متھرا، نگرکوٹ، بھیرہ اور ملتان میں ہیں انہیں فوراً ختم کر دیا جائے گا۔ اب کے اُس کے ارادے بڑے خطرناک ہیں۔ اب تو عورتیں بھی لڑنے کی

تیاریاں کر رہی ہیں۔"

*

اس جاسوس نے جس کا نام عابدین تھا، سلطان کو بتایا کہ اس ہندو کو قنوج پہنچا دیا گیا اور اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا۔ اُس نے سالار ابوالقدر سلجوقی کو سونا اور نقدی پیش کی اور کہا کہ اس کے عوض وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ اُس کی بیٹیوں کو پریشان نہ کیا جائے۔ اُس سے نہ کسی نے سونا لیا نہ نقدی، اور اس کی بیٹیوں کو باعزت طریقے سے رکھا گیا۔ اُس نے ایسا اثر قبول کیا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑنے کے لیے تیار ہو گیا۔ قلعے کے امام نے اُسے اس کے تمام کنبے سمیت مسلمان کر لیا۔

"سلطانِ محترم!" — عابدین نے کہا — "ہم نے اُس کی ہر بات پر یقین نہ کیا، بلکہ اس کی بتائی ہوئی جگہوں پر جاکر دیکھا تو اس کی ہر بات سچ نکلی۔ ہمارے جو آدمی گوالیار میں ہیں، انہوں نے بتایا کہ جنگی تیاریاں زوروں پر ہیں اور ہندوؤں کے ارادے یہ ہیں کہ سب سے پہلے غزنی کے اُن دستوں کو ختم کیا جائے گا جو مختلف جگہوں پر موجود ہیں۔ پھر سارے ملک میں مسلمانوں کے بچے بچے کو قتل کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی مسلمان ہندو مت قبول کرے گا تو اُسے بھی زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس کے بعد تمام ملک کی فوج غزنی کی طرف کوچ کرے گی۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ لوگوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلائی جا رہی ہے۔ مندروں میں مسلمانوں کا ذکر پنڈتوں کی زبان سے یوں ہوتا ہے جیسے مسلمان کا قتل ثواب کا کام ہے۔"

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ جنگی تیاریاں کس مرحلے میں ہیں؟" — سلطان محمود نے عابدین سے پوچھا — "کیا تم جنگی انداز سے بات کر سکتے ہو؟"

"یقیناً کر سکتا ہوں" — عابدین نے جواب دیا — "مہاراجوں کی تیاریاں تقریباً آخری مرحلے میں ہیں۔ جو نئے لوگ فوج میں شامل ہوئے ہیں وہ اچھے گھوڑ سوار ہیں، تیر اندازی اور تیغ زنی میں بھی اچھے ہیں لیکن ابھی کچے ہیں۔ ابھی وہ فوج کی شکل میں لڑنے کے قابل نہیں ہوئے۔ انہیں میدانِ جنگ کی سختیاں برداشت کرنے کی تربیت دی جا رہی ہے۔ سالار ابوالقدر سلجوقی اور دوسری جگہوں کے کمانداروں نے مجھے کہا تھا کہ میں آپ کو مشورہ دوں کہ آپ ذرا کوچ کر آئیں تو ہندوؤں کو سر اٹھانے سے پہلے دبوچا جا سکتا ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ ہندو مسلمانوں کو فوراً ہی قتل کرنا شروع نہ کر دیں۔ ہم فوج کو مروا سکتے ہیں لیکن یہ ہماری برداشت سے باہر ہو گا کہ کسی نہتے مسلمان کا خون بہہ جائے۔ ہمیں یہاں مسجدوں اور مسلمانوں کی حفاظت کرنی ہے۔ اگر ہندوؤں نے مسلمانوں پر حملے شروع کر دیئے تو وہ مسلمان خواتین کو اٹھا لے جائیں گے، پھر تاریخ تاقیامت ہم پر لعنت بھیجتی رہے گی۔"

"ہمیں اب لاہور میں اپنی حکومت قائم کرنی پڑے گی" — سلطان محمود نے کہا — "اور ہمیں بہت جلد کوچ کرنا پڑے گا۔"

*

سلطان محمود نے اپنے سالاروں کو کوچ کی وجہ بتائی اور فوری کوچ کے احکام دے کر کہا کہ کوچ بہت تیز ہو گا۔ پڑاؤ بہت کم ہوں گے۔ سوار اور پیادے چلتے چلتے کچھ کھا لیا کریں گے اور منزل کا پہنچ ہو گی جہاں کے قلعے کا محاصرہ کر لیا جائے گا۔ محاصرے کے دوران فوج آرام کرے گی۔ سلطان محمود نے سب کو نقشے پر کوچ کا راستہ دکھایا اور وہ جگہیں بتائیں جہاں پڑاؤ کرنے تھے۔

ان سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اسرائیل سلجوقی کا پیغام آ گیا۔ پیغام لانے والا کوئی ذمہ دار آدمی تھا۔ اُس نے اسرائیل کا پیغام زبانی دیا — "اگر سلطان میری طاقت سے خائف ہو کر سلجوقیوں کو وطن دے رہے ہیں تو میں ایسا وطن قبول کر لوں گا، اور اگر سلطان کو اپنی جنگی طاقت پر ناز ہے اور مجھے بھیک کے طور پر زمین کا خطہ دے رہے ہیں تو میں ایسا وطن قبول نہیں کروں گا۔ میں غزنی کی سلطنت کا طفیلی، اتحادی بھی نہیں بنوں گا۔ میں اپنی قوم کے لیے خود ایک وطن حاصل کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ مجھے سلطان کا جواب چاہیئے کہ آپ مجھ پر

کیوں مہربان ہو رہے ہیں۔ میں آپ کو پھر بتا دیتا ہوں کہ میرے پاس غزنی کی فوج کے ساتھ ٹکر لینے کے لیے کافی فوج ہے۔"

سلطان محمود کو ہنسی آ گئی اور بولا ۔۔ "اسرائیل سلجوقی میں جرأت بھی ہے اور طاقت بھی ہے لیکن اس میں عقل کی کمی ہے۔ اُسے کہنا کہ نہ میں اُسے کمزور سمجھتا ہوں نہ اپنے آپ کو۔ میں اس خطے میں امن قائم کرنا چاہتا ہوں ہماری آپس کی لڑائیوں سے کفار فائدہ اٹھا رہے ہیں . . . اور اسرائیل سلجوقی کو میرا سلام دے کر کہنا کہ میں ہندوستان جا رہا ہوں۔ میری واپسی کا انتظار کرے۔ میں ان علاقوں میں اس کی حیثیت کو تسلیم کرتا ہوں۔ میری غیر حاضری میں کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کرے۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ سلطان محمود کو یہ خدشہ نظر آ رہا تھا کہ اس کی غیر حاضری میں اسرائیل سلجوقی غزنی پر حملہ کر دے گا۔ سلطان کو معلوم تھا کہ سلجوقیوں کی جنگی طاقت بہت زیادہ ہو گئی ہے اور وہ چھوٹے موٹے حکمرانوں سے تلوار کی نوک پر اپنی شرائط منوا سکتے ہیں چنانچہ سلطان محمود نے اسرائیل کے ایلچی کو سبز باغ دکھا کر بتایا کہ وہ سلجوقیوں کی ہر شرط مانے گا۔ ایلچی نے واپس جا کر اسرائیل کو یہی سبز باغ دکھائے۔ اسرائیل مطمئن ہو گیا اور اُس نے کہا کہ وہ سلطان محمود کی واپسی کا انتظار کرے گا۔

*

یہ ۲۳-۱۰۲۲ عیسوی (۴۱۴ ہجری) کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ایک بار پھر وہ برق رفتار پیشقدمی کی جس پر آج کے دَور کے جنگی مبصر اور مؤرخ حیران ہیں۔ اگر وہ راستہ دیکھا جائے جس راستے سے وہ کالنجر پہنچا تھا تو یقین نہیں آتا کہ اُس دَور میں جب فوج گھوڑوں پر سوار ہوتی اور پیدل بھی چلتی تھی اتنی زیادہ رکاوٹیں عبور کر کے یہ فوج اتنی تیز رفتاری سے آئی تھی وہ کالنجر جانے کی بجائے پہلے گوالیار گیا جو مہاراجہ گنڈا کے ایک طاقتور اتحادی مہاراجہ ارجن کی راجدھانی تھی۔ غزنی سے گوالیار تک اُسے کئی ایک

چھوٹے دریا عبور کرنے پڑے۔ صرف بڑے دریا گنے جائیں تو آٹھ بنتے ہیں ۔۔ سندھ، جہلم، چناب، راوی، ستلج، گنگا، جمنا اور گمبل ۔۔ دریائے گمبل گوالیار کے قریب سے گذرتا اور آگے جا کر جمنا میں شامل ہو جاتا ہے۔

گوالیار کا قلعہ آج بھی کھڑا ہے۔ یہ بڑی سخت چٹانوں پر تعمیر کیا گیا ہے اور اُس دَور میں اسے بجا طور پر ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ مہاراجہ ارجن کو اُس وقت پتہ چلا کہ غزنی کی فوج آ گئی ہے جب یہ فوج قلعے کو محاصرے میں لے چکی تھی۔ سلطان محمود بڑے اچھے وقت پہنچا تھا۔ گوالیار اور کالنجر کی فوجوں کو اکٹھے ہو کر سلطان محمود کا مقابلہ کرنا تھا لیکن دونوں فوجیں ابھی اپنی اپنی راجدھانیوں میں تھیں اور لڑنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

سلطان محمود نے دیکھ لیا تھا کہ اس قلعے کو سر کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ جن چٹانوں پر یہ قلعہ تھا ان پر پاؤں جما کر ٹھہرنا بہت مشکل تھا۔ اس کے باوجود سلطان محمود نے فوج کو حکم دیا کہ پوری بلند آواز سے نعرے لگائے جائیں اور قلعے پر ہلہ بول دیا جائے۔ قلعے کی دیواروں سے تیروں کا مینہ برس رہا تھا مگر غزنی کے سپاہی آگے بڑھ بڑھ کر دروازے توڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ دو ہاتھیوں کو پہلو بہ پہلو جوت کر ان کے درمیان درختوں کے بہت بڑے بڑے تنے باندھے گئے۔ ہاتھی دوڑتے دروازے کی طرف جاتے اور تنوں کے اگلے سرے دروازے سے ٹکراتے مگر دروازے مضبوط تھے۔

تیر اندازوں نے آگے جا کر قلعے کی دیواروں کے اُوپر تیر برسائے۔ تکبیر کے نعروں سے زمین و آسمان دہل رہے تھے۔ چار روز تک یہی کیفیت رہی۔ پانچویں دن کا سورج طلوع ہوا تو قلعے پر سفید جھنڈا لہراتا نظر آیا۔ سلطان محمود نے حکم دے دیا کہ لڑائی بند کر دی جائے۔ قلعے کی دیواروں سے اب کوئی تیر نہیں آ رہا تھا۔ قلعے کا دروازہ کھلا اور ایک پالکی باہر آئی جسے چار آدمیوں نے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ یہ پالکی سلطان محمود کے سامنے اتاری گئی۔ اس میں سے ایک آدمی باہر آیا جو مہاراجہ کے دربار کا معلوم ہوتا تھا۔ وہ ایلچی تھا اور صلح کا پیغام

لایا تھا۔ وہ اپنے ساتھ تحفے کے طور پر تین ہاتھی لایا تھا۔ مہاراجہ ارجن کے اس ایلچی اور سلطان محمود کے درمیان ایک ترجمان کے ذریعے جو باتیں ہوئیں، وہ ایک دستاویز میں محفوظ ہیں۔ یہ شام کی قدیم زبان میں لکھی ہوئی ہے اور اس کا ترجمہ ڈاکٹر اے۔ ایس۔ ٹرائیٹون نے انگریزی میں کیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف علی گڑھ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ اس کا ترجمہ یوں ہے:

"سلطان محمود غزنوی نے قلعے (گوالیار) پر ایسے طوفانی حملے بولے کہ چار روز بعد مہاراجہ (ارجن) کا ایک سفیر پالکی میں باہر آیا۔ پالکی چار آدمیوں نے اٹھا رکھی تھی۔ سفیر نے سلطان محمود سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں اور ہم پر حملے کا مقصد کیا ہے۔ سلطان نے کہا 'میں مسلمان ہوں۔ میں آپ کو کافر سمجھ کر دعوت دیتا ہوں کہ بت پرستی ترک کر کے خدا کی عبادت کریں جس طرح ہم کرتے ہیں۔ آپ ہمارا شرعی قانون تسلیم کریں اور گائے کو پوجنے کی بجائے اس کا گوشت کھائیں'۔

— سفیر نے کہا 'ہم گائے کا گوشت نہیں کھا سکتے۔ آپ اپنا کوئی عالم ہمارے پاس بھیجیں جو ہمیں بتائے کہ آپ کا مذہب کیسا ہے۔ اگر یہ ہمارے مذہب سے بہتر ہوا تو ہم اسے قبول کر لیں گے'....

"سلطان محمود نے فوج کے ایک امام کو قلعے میں بھیج دیا۔ شام کو امام مہاراجہ کا یہ جواب لے کر باہر آیا کہ ہم آپ کا مذہب قبول نہیں کر سکتے۔ ہم آپ کو تین سو ہاتھی اور کئی من چاندی پیش کرتے ہیں۔ آپ محاصرہ اٹھا لیں' — سلطان محمود نے پیغام بھیجا — 'مجھے منظور ہے لیکن اس شرط پر کہ آپ ہمارا لباس پہنیں اور ہماری طرح کمر کے ساتھ تلوار باندھیں اور ہندوستان کی رسم کے مطابق اپنے ایک ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کا اگلا سرا کاٹ کر میرے حوالے کر دیں تاکہ مجھے اعتبار آجائے کہ آپ صلح چاہتے ہیں اور آئندہ میرے خلاف نہیں لڑیں گے'....

"سلطان محمود کا جو سفیر (نام نہیں لکھا) پیغام لے کر مہاراجہ ارجن کے پاس گیا، اُس کا بیان ہے — 'میں جب ہندوستان کے اس بادشاہ

(مہاراجہ ارجن) کے پاس گیا تو چاندی کے تخت پر ایک بڑا ہی خوبرو جوان بیٹھا تھا۔ اُس کے گہرے سانولے رنگ میں بھی حُسن تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ میں وہ لباس لایا ہوں جو آپ کو پہننا ہے اور اپنی انگلی کاٹنی ہے۔ اُس نے مجھے کہا کہ اپنے سلطان سے کہہ دینا کہ میں نے آپ کا بھیجا ہوا لباس پہن کر انگلی کاٹی ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ میں اپنے سلطان کو دھوکہ نہیں دوں گا۔ آپ کو ہمارا لباس پہننا پڑے گا....

"اُس نے با دلِ نخواستہ ہمارا لباس پہن لیا اور کمر کے ساتھ ہماری تلوار باندھ لی۔ مجھے اُس کی بے بسی پر ترس آگیا۔ میں اُسے کہنا نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنی انگلی کاٹے۔ اُس نے خود ہی ایک ملازم سے کہا کہ اُسترا لے آؤ۔ اُسترا آیا تو اُس نے اس سے اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے تین حصوں میں سے اوپر والا حصہ بڑے اطمینان سے کاٹ دیا۔ میں نے اُس کے چہرے پر درد کا ہلکا سا تاثر بھی نہ دیکھا۔ اُس نے کٹی ہوئی انگلی ایک دوائی میں ڈال دی پھر اس پر ایک سفوف چھڑک کر پٹی باندھ دی۔ اُس نے انگلی کا کٹا ہوا حصہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر مجھے دے دیا اور رسم کے مطابق اُس نے مجھے بیش قیمت کپڑے، چاندی اور دو گھوڑے دیئے۔"

اُس وقت کے ایک اور مؤرخ سبط ابن الجوزی نے یہی واقعہ لکھا ہے اور اس نے یہ اضافہ کیا ہے کہ سلطان محمود کے پاس کٹی ہوئی انگلیوں کے بہت سے ٹکڑے تھے۔ یہ ہندو مہاراجوں کی رسم تھی کہ جس سے شکست کھاتے اُسے اپنی چھوٹی انگلی کا اوپر والا حصہ کاٹ کر دے دیتے تھے۔

*

سلطان محمود نے مہاراجہ ارجن کو اپنے تابع کر کے کالنجر کا رُخ کیا۔ کالنجر کا قلعہ بہت وسیع و عریض تھا۔ اس کے اندر کی آبادی پانچ لاکھ سے زیادہ تھی۔ بیس ہزار مویشی اور پانچ سو ہاتھی تھے۔ سلطان محمود نے اس قلعے کا محاصرہ اس طرح کیا کہ قلعے کے اندر جانے والے تمام راستے بند کر دیئے۔

یہ دراصل مضبوط دیواروں کے اندر بہت بڑا شہر تھا۔ سلطان نے مہاراجہ گنڈہ کے لیے پیغام بھیجا جو قلعے کے صدر دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر قاصد نے بلند آواز سے دیا:

"ہم آپ کو خبردار کرتے ہیں کہ قلعے کے اندر ہم کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اپنی مخلوق کا قتلِ عام نہ کرائیں۔ ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ اسلام قبول کر لیں یا ہماری شرائط پر تاوان اور جزیہ ادا کریں۔"

پہلے چند دن مہاراجہ گنڈہ ڈٹا رہا مگر سلطان محمود کی فوج نے ہلہ بولا تو مہاراجہ نے صلح کی خواہش ظاہر کر دی لیکن اسلام قبول نہ کیا۔ وہ سالانہ رقم مقرر کر کے غزنی کا باجگزار ہو گیا اور اُس نے تین سو ہاتھی پیش کیے۔ سلطان محمود نے گنڈہ کو بھی غزنی کا لباس بھیجا کہ وہ پہن کر اپنی چھنگلی انگلی کاٹ دے۔ گنڈہ نے یہ شرط قبول کر لی اور اپنی انگلی کاٹ کر بھیج دی۔

یہاں مہاراجہ گنڈہ نے سلطان محمود کے ساتھ ایک مذاق کیا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ گنڈہ نے تین سو ہاتھی مہاوتوں کے بغیر قلعے سے نکالے اور سلطان کو پیغام بھیجا کہ اگر آپ کی فوج اتنی بہادر ہے تو ان ہاتھیوں کو پکڑے۔ سلطان محمود مان گیا۔ ہاتھی باہر آئے تو وہ بدمستی میں چیختے چنگھاڑتے اِدھر اُدھر بھاگنے دوڑنے لگے۔ معلوم ہوا کہ ان ہاتھیوں کو کوئی نشہ پلایا گیا ہے جس سے یہ مستی میں آ گئے ہیں۔ ان تین سو ہاتھیوں نے غزنی کی فوج میں قیامت بپا کر دی۔ سلطان محمود نے حکم دیا کہ بہترین گھوڑ سوار ان ہاتھیوں کو خیمہ گاہ سے نکالیں یا انہیں تیروں اور برچھیوں سے ہلاک کر دیں۔

سلطان محمود کی فوج میں ایک تاتاری دستہ بھی تھا (بعض مؤرخوں نے اسے ترک دستہ کہا ہے)۔ اُنہوں نے للکار کر کہا کہ ہم ہندوؤں پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتے کہ ہم ان کے ہاتھی پکڑ نہیں سکتے۔ چنانچہ بہت سے تاتاری (یا ترک) گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بڑی ہی مشکل اور غیر معمولی دلیری سے انہوں نے تمام ہاتھیوں پر قابو پا لیا۔ قلعے کی دیواروں سے ہندوؤں نے داد و تحسین کے نعرے

بلند کیے۔

مہاراجہ گنڈہ سے ہتھیار ڈلوا کر سلطان لاہور پہنچا۔ وہاں کا مہاراجہ ترلوچن پال وہاں سے بھاگ کر اجمیر چلا گیا۔ سلطان محمود نے لاہور میں اپنی حکومت قائم کر دی اور لاہور میں اپنا پہلا گورنر مقرر کیا۔ یہ تھا ایاز جسے سلطان محمود اس لیے بہت چاہتا تھا کہ اُس میں غیر معمولی ذہانت تھی اور سلطان اس کے تدبر سے بہت متاثر تھا۔

سلطان محمود لاہور میں بہت سی فوج چھوڑ کر مارچ، اپریل ۱۰۲۳ء میں غزنی واپس چلا گیا جہاں اسرائیل سلجوقی اُس کی سلطنت کے لیے تشویشناک خطرہ بن چکا تھا۔

سومنات کے دروازے پر

لاہور میں سلطنتِ غزنی کا پہلا گورنر مقرر کر کے جب سلطان محمود غزنوی غزنی پہنچا تو وہ اُس طرح مسرور اور مطمئن نہیں تھا جس طرح وہ ہندوستان پر ہر حملے کے بعد ہوا کرتا تھا، حالانکہ اب کے اُس نے ہندوستان کے وسط میں جا کر وہاں کے تین بڑے ہی طاقتور مہاراجوں کو شکست دی اور اُس نے اپنے بدترین دشمن مہاراجہ لاہور کی قسمت سربمہر کر کے وہاں اپنا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ اس کی یہ کامیابی غیر معمولی تھی مگر وہ خوش نظر نہیں آتا تھا۔

اُس کے دستِ راست، تاریخ ساز سالار ابوعبداللہ محمد الطائی نے اُسے چند دن دیکھا، آخر ایک روز پوچھا کہ وہ کیوں پریشان سا لگ رہا ہے۔ سلطان نے ہلکی سی مسکراہٹ سے وجہ بتائی۔ اُس کی عمر پچپن برس ہو چکی تھی جسے وہ بڑھاپے کی عمر نہیں سمجھتا تھا لیکن وہ جسم میں کمزوری سی محسوس کرنے لگا تھا۔ تھکن بھی جلدی ہو جاتی تھی۔

سالار ابوعبداللہ نے اُسی وقت سلطان کے ذاتی طبیب کو بلایا۔ طبیب نے سلطان کی نبض دیکھی۔ کچھ پوچھا۔ دل کی دھڑکن محسوس کی اور کہا کہ طویل آرام کی ضرورت ہے۔ اعصاب بہت تھک گئے ہیں۔ جسم میں بیماریوں کے خلاف مدافعت کی صلاحیت کمزور ہو گئی ہے۔ اگر سلطان نے اعصاب کو آرام نہ دیا تو کسی وقت کوئی معمولی سی بیماری بھی جاں لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔

"میں آرام کی حالت میں نہیں مرنا چاہتا"۔ سلطان محمود نے کہا "موت سے میری ملاقات بستر پر نہیں ہونی چاہئے۔ میں اپنے جسم کو آرام نہیں دے سکتا۔ جسم کو خاک میں مل جانا ہے۔ اس کی طاقت کم ہو گئی تو میں روح کی قوت سے وہ فرض ادا کروں گا جو خدائے ذوالجلال نے مجھے سونپا ہے۔ شیخ الاسفند! مجھے یہ بتائیے کہ میری روح تو علیل نہیں؟"

"نہیں"۔ طبیب شیخ الاسفند نے جواب دیا "میں آپ کو صحیح بات بتا دیتا ہوں۔ میں نے آپ کو آپ کی جسمانی کمزوری بہت کم بتائی ہے۔ آپ کا جسم کوچ، محاصروں اور جنگ کے قابل نہیں رہا۔ آپ روحانی قوت سے لڑ رہے ہیں"۔

"میرے پیر و مرشد شیخ ابوالحسن خرقانی اسے ایمان کی قوت کہا کرتے ہیں"۔ سلطان محمود نے کہا "جسم اتنا ہی کمزور ہوتا ہے جتنا انسان سمجھتا ہے۔ کمزوری اور درد ایک احساس کے دو نام ہیں۔ آپ درد کو جتنا شدید سمجھنا چاہتے ہیں درد اتنا ہی شدید ہوگا۔ محترم شیخ! میں آپ کو نہیں بلانا چاہتا تھا۔ ابوعبداللہ نے آپ کو میرے لیے بلایا ہے"۔

"آپ نے جسمانی کمزوری کا ذکر کیا تھا اس لیے میں نے انہیں بلانا ضروری سمجھا"۔ ابوعبداللہ نے کہا "جسمانی کمزوری اچھی نہیں ہوتی"۔

"میں کچھ اور محسوس کر رہا ہوں"۔ سلطان محمود نے کہا "مجھے ایک آخری مہم سر کرنی ہے۔ مجھے اپنی روح سے اشارے مل رہے ہیں کہ مجھے جو کچھ کرنا ہے جلدی جلدی کر لوں۔ ہندوستان کے بُت مجھے راتوں کو للکارتے ہیں۔ ڈرتا ہوں کہ اپنا فرض مکمل کرنے سے پہلے دُنیا سے اُٹھ جاؤں گا۔ مجھے فوجی طاقت چاہئے۔ ہماری طاقت بکھری ہوئی ہے۔ مجھے ان سرداروں، امیروں اور حکمرانوں کو متحد کرنا ہے جو میری غیر حاضری میں غزنی کے لیے خطرہ بن جاتے ہیں۔ مجھے محسوس ہونے لگا ہے کہ میری عمر تھوڑی رہ گئی ہے اور میں اپنا فرض ادا نہیں کر سکا"۔

سالار ابوعبداللہ محمد الطائی نے سلطان محمود کو جذبات سے نکال لیا اور دونوں

اس مسئلے پر بات چیت کرنے لگے کہ فوجی طاقت میں کس طرح اضافہ کیا جائے اور سلطنتِ غزنی جن مخالفین میں گھری ہوئی ہے، ان کی سرکوبی کس طرح کی جائے۔ آخر دونوں اس فیصلے پر متفق ہوگئے کہ فوجی طاقت کی نمائش کی جائے اور ان پڑوسیوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ غزنی کی اطاعت قبول کریں۔... سب سے زیادہ خطرہ اسرائیل سلجوقی کی طرف سے تھا جو ایک جنگی طاقت بن چکا تھا۔

*

۱۰۲۴ء کے اوائل میں ایک روز سلطان محمود ایک ایسی فوج کے ساتھ بلخ کی طرف جا رہا تھا جس کے نیچے زمین کانپ رہی تھی۔ اس فوج میں کوئی ایک بھی سپاہی پیادہ نہیں تھا۔ سب گھوڑ سوار تھے اور ان کی تعداد ۵۴ ہزار تھی اور اس سوار فوج کے ساتھ ۱۳۰۰ جنگی ہاتھی تھے۔ یہ فوج خوبصورت لگتی تھی لیکن دشمن پر دہشت طاری کرتی تھی۔ یہ اُس فوج کے علاوہ تھی جو سلطنتِ غزنی کے بڑے بڑے شہروں، اہم چوکیوں اور سرحدوں پر موجود تھی۔

اس سوار فوج کے آگے آگے ایلچی جا رہے تھے۔ راستے میں جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں آتی تھیں، سلطان کے ایلچی اُن کے امراء کے پاس جا کر سلطان محمود کا یہ پیغام دیتے تھے کہ سلطانِ غزنی چوّن ہزار گھوڑ سوار اور تیرہ سو جنگی ہاتھیوں کے ساتھ آ رہا ہے۔ اگر آپ اللہ کے نام پر کفار کے خلاف جدوجہد کی خاطر غزنی کی اطاعت قبول کر کے غزنی کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کریں تو آپ کی ریاست اور جاگیر قائم رہے گی ورنہ آپ غزنی کے قیدی ہوں گے اور آپ کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے گا جو سلطانِ غزنی مناسب سمجھے گا۔

تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ اتنی ہیبت ناک جنگی قوت دیکھ کر چھوٹے موٹے امرا اور والی بیش قیمت تحفے لے کر سلطان محمود کے استقبال کو آ گئے۔ اُس نے ان کے تحفے اور دوستی کو قبول کر کے انہیں کہا کہ وہ انہیں دریائے جیحون کے پار کسی جگہ ایک ضیافت میں مدعو کرے گا اور وہاں بتائے گا کہ اس کا ارادہ کیا ہے اور وہ کیا چاہتا ہے۔

سلطان دریا پار کر گیا۔ خوتون کا حکمران قدر خان مشہور جنگجو اور غزنی کا طاقتور دشمن تھا۔ اُس کے پاس جب سلطان محمود کے ایلچی پہنچے تو اُس نے بلاحیل و حجت سلطان کی اطاعت قبول کر لی اور تحفوں سے لدے ہوئے اونٹ لے کر سلطان کے استقبال کو آ گیا۔ سلطان نے وہیں جہاں اسے قدر خان ملا تھا، فوج کو خیمہ زن کر دیا۔ وہ سرسبز اور حسین خطہ تھا۔ سلطان نے اردگرد کے تمام اُمراء، والیان اور حکمرانوں کو وہاں مدعو کیا۔ سلطان کو جن کی طرف سے زیادہ خطرہ تھا وہ بلخ کا حکمران الپتگین تھا اور دوسرا اسرائیل سلجوقی۔ دونوں مل کر سلطان سے لڑ چکے تھے اور انہوں نے شکست کھائی تھی۔

اسرائیل سلجوقی کے متعلق پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ سلجوقیوں کا بے تاج بادشاہ تھا۔ سلجوقیوں کا کوئی ملک نہیں تھا لیکن ہر حکمران ان سے خائف تھا کیونکہ سلجوقی زبردست جنگجو تھے۔ وہ پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتے تھے۔ وہ ایک باقاعدہ جنگی طاقت بن گئے تھے۔ سلطان محمود ہندوستان کے مہاراجہ گنڈہ اور مہاراجہ ارجن کو شکست دینے اور انہیں اپنی اطاعت میں لانے کے لیے گیا تو اسرائیل اور الپتگین نے اُس کے خلاف جنگی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ سلطان نے ان دونوں کی طرف ایلچی بھیجے اور انہیں ضیافت پر مدعو کیا۔

جب ایلچی نے الپتگین کو سلطان کا پیغام دیا تو اُس نے طنزیہ انداز میں پیغام سُنا۔ اس کے ساتھ اس کی ملکہ بیٹھی تھی۔

"کیا تمہارے سلطان نے درخواست کی ہے کہ ہم اُس کی دعوت قبول کریں؟" ــــ ملکہ نے پوچھا۔

"ملکہ عالیہ!" ــــ ایلچی نے کہا۔ "سلطانِ غزنی نے والئی بلخ و سمرقند الپتگین کو ضیافت میں مدعو کیا ہے۔ انہوں نے آپ کا ذکر نہیں کیا تھا۔"

"تمہارے سلطان کے ارادے کیا ہیں؟" ــــ الپتگین نے پوچھا۔

"جو سلطان چوّن ہزار بہترین گھوڑ سوار اور ایک ہزار تین سو جنگی ہاتھی جن کے ہودوں سے برچھیاں اور تیر برستے ہیں، اپنے ساتھ لایا ہے، اُس کے ارادے

سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیئے" — ایلچی نے کہا — "آپ کا زبردست قدر خان سلطان کی اطاعت قبول کر چکا ہے۔ میں یہ امید لے کر آیا ہوں کہ آپ اپنی فوج کا قتلِ عام نہیں کرائیں گے۔"

"قدر خان بزدل ہے" — حسین ملکہ نے کہا — "تمہارے سلطان کا مقابلہ ایک طاقتور بادشاہ کے ساتھ ہے۔"

"ملکۂ عالیہ!" — ایلچی نے کہا — "یہ عورتوں کی لڑائی نہیں۔ میں بلخ و سمرقند کے بادشاہ سے مخاطب ہوں۔ مجھے حکم ملا ہے کہ جواب لے کر آؤں کہ آپ سلطان کی دعوت قبول کرتے ہیں یا نہیں۔"

"ہم آئیں گے" — ایلتگین نے دوٹوک لہجے میں جواب دیا — "لیکن ہم یہ فیصلہ کر کے نہیں آئیں گے کہ ہم غزنی کی اطاعت قبول کرتے ہیں یا نہیں۔"

اور وہ سلطان محمود غزنوی کی ضیافت میں آ گیا۔ اس کے ساتھ اُس کی ملکہ نہیں تھی۔ وہ چند ایک ہی قبطلوں کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ محمود غزنوی نے نہایت خوبصورت جنگل میں ضیافت کا انتظام کیا تھا۔ ضیافت کے بعد سلطان نے سب کو الگ بٹھا لیا۔ اُس کے ساتھ اُس کے سالار تھے اور اُس کے ساتھ اس کا ایک اور مشہور سالار ارسلان جاذب بھی تھا جو اُس وقت خوارزم کا گورنر تھا۔ وہ دوٹوک فیصلہ کرنے والا اور دشمن کے خلاف انتہائی قدم اٹھانے والا سالار تھا۔ اُس کا اصول تھا کہ دشمن پر رحم کرنا اپنے آپ کو شکست کے راستے پر ڈال لینے کے مترادف ہوتا ہے۔

"میرے دوستو!" — دو مورخین، سبطِ ابن الجوزی اور ابن الاثیر کے مطابق سلطان محمود نے ان سب سے خطاب کرتے ہوئے کہا — "آپ سب نے میری جنگی طاقت دیکھ لی ہے۔ میں تیرہ سو ہاتھی لایا ہوں۔ بارہ سو غزنی میں ہیں۔ گھوڑ سواروں کا یہ لشکر اُس کا نصف ہے جو میں نے اپنی سلطنت میں جگہ جگہ رکھا ہوا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں پیادہ فوج ساتھ نہیں لایا۔ کیا یہ فوج آپ سب کو تہ تیغ کر لینے کے لیے کافی نہیں؟ لیکن میں آپ کو اپنی جنگی طاقت سے نہیں

ڈرانے آیا ہوں۔ خدا نے مجھے یہ طاقت صرف اس لیے دی ہے کہ میں اُس کی راہ میں جہاد کر رہا ہوں۔ آپ مجھے ہندوستان کا لٹیرا اور دولت کا پجاری کہتے ہیں۔ اگر میں ایسا ہی ہوتا تو میرے پاس اتنی دولت اور اس قدر سونا ہے کہ میں باقی عمر آرام سے عیش و عشرت میں گزار سکتا ہوں اور میری تین نسلیں بھی عیش کر سکتی ہیں مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا جہاد مکمل نہیں ہوا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میری ساری عمر کوچ اور جنگ کرتے گزری ہے اور میں محل میں نہیں میدانِ جنگ میں مرنا چاہتا ہوں۔ میرے غزانے یہیں رہ جائیں گے اور میری لاش ہندوستان کی مٹی میں مل جائے گی....

"آپ سب میرے خلاف ہیں لیکن آپ کا آپس میں بھی اتحاد نہیں۔ آپ حکمرانی کے شیدائی ہیں۔ کیا آپ چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اسی لیے آپ سب کے دلوں پر خوف طاری رہتا ہے۔ آپ نے اللہ کے بندوں کو اپنی رعایا اور اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ محترم ایلتگین والئی بلخ و سمرقند ہم میں موجود ہیں۔ میں سُن رہا ہوں کہ یہ اپنی رعایا پر ظلم و تشدد کرتے ہیں اور کوئی ایک بھی انسان ان سے خوش نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ حکمرانی دل کو تسکین اور دماغ کو نشہ دیتی ہے۔ آپ میں کچھ ایسے بھی ہیں جو مذہب کا دھوکہ دے کر حکومت کر رہے ہیں۔ ایسے حکمران اپنی رعایا کے سامنے اپنے الفاظ میں زاہد اور پارسا بنے رہتے ہیں لیکن وہ بھول رہے ہیں کہ اُن کے اوپر ایک طاقت ہے جو صرف اُن کا نہیں، ساری دُنیا کا تختہ اُلٹ سکتی ہے۔ یہ دُنیا اُسی طاقت کے حکم سے وجود میں آئی ہے۔ رعایا پر ظلم، رعایا کو انسان نہ سمجھنا، خدا کے بندوں کو خدا کے سچے مذہب کا دھوکہ دینا ایسے گناہ ہیں جو خدا معاف نہیں کرتا .... اور آج خدا نے مجھے آپ کے سر پر بھیج دیا ہے....

"میں آپ کو بڑے صاف الفاظ میں بتاتا ہوں کہ میں آپ کو اپنا غلام بنانے نہیں آیا۔ میں آپ کی زمینوں پر قبضہ کرنے نہیں آیا۔ میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ یہ زمین اللہ کی ہے اور اس زمین پر ہر انسان کا خواہ وہ کتنا ہی ادنیٰ ہے، اتنا ہی حق ہے جتنا ایک بادشاہ کا، ایک سلطان کا اور ایک امیر کا ہے۔ میں آپ کو اسلام کے نام پر متحد کرنے آیا ہوں۔ میں آپ میں سے کسی کو بھی میدانِ جنگ

میں نہیں لے جاؤں گا۔ یہ فرض میں اپنے ذمے رکھتا ہوں۔ مجھے ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنانا ہے۔ ہندوستان مسلمانوں کا ہے۔ ہندوستان اُن شہیدوں کا ہے جو محمد بن قاسم کے ساتھ نعرے لگاتے آئے تھے اور شہید ہو گئے۔ آج اُن کی ہڈیوں کی خاک پر بُت خانے تعمیر ہو گئے ہیں۔ وہاں مسجدیں ویران ہو گئی ہیں۔ وہاں اسلام کی بیٹیوں کی عصمتیں لُٹ رہی ہیں۔ وہاں اسلام کا چراغ ٹمٹما رہا ہے...

"میرے بھائیو! میں ایک عقیدے کی جنگ لڑ رہا ہوں۔ ذرا دُور آگے مستقبل میں جھانکیں۔ اگر ہم نے ہندو کا ڈنک پُوری طرح نہ مارا اور اس باطل مذہب کو جڑوں سے نہ اکھاڑا تو ہندوستان مسلمانوں کا مذبح خانہ بنا رہے گا۔ وہاں کی مسجدیں اصطبل بن جائیں گی....

"آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ میں کیا کہ رہا ہوں۔ آج تک آپ نے اپنے کان، اپنی آنکھیں اور اپنے دماغ بند رکھے۔ آج میں انہیں کھولنے آیا ہوں۔ آپ کے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ سب اپنی اپنی فوج کا نصف حصہ مجھے دے دیں جو مجھے ہندوستان لے جانا ہے اور آپ سب ایک عہدنامہ کریں کہ آپ میری غیر حاضری میں غزنی کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے بلکہ غزنی کی پاسبانی کریں گے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ میں آپ سب کو گرفتار کر لوں اور آپ کی ریاستوں اور جاگیروں کو اپنے قبضے میں لے لوں۔ خدائے ذوالجلال نے مجھے اتنی طاقت دی ہے کہ میں اپنا یہ ارادہ پورا کر سکتا ہوں"۔

سلطان محمود خاموش ہو گیا اور اُس کی نظریں سب پر گھومنے لگیں "جس کسی کو میری شرط منظور نہیں وہ ہاتھ کھڑا کر دے"۔ سلطان محمود نے کہا۔

کسی ایک نے بھی ہاتھ نہ اٹھایا۔ سلطان محمود نے سب کو خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا کہ کل عہدنامہ تحریر ہو گا اور ہر ایک کی اس پر مہر لگوائی جائے گی۔

*

اگلی صبح سلطان محمود نے نماز سے فارغ ہوتے ہی عہدنامہ تحریر کرایا اور سب کو بلایا۔ اُسے اطلاع دی گئی کہ سمرقند و بلخ کا حکمران ایلتگین غیر حاضر ہے۔ ذرا سا سراغ

یہ ملا کہ سحر کی تاریکی میں چند گھوڑے فلاں سمت جاتے دیکھے گئے تھے۔ سلطان کے حکم سے سوار دوڑا دیئے گئے جنہوں نے اُسے راستے میں جا لیا۔ اُس کے ساتھ محافظ تھے۔ اُس نے محافظوں کو مقابلے کا حکم دیا لیکن غزنی کے سواروں کی تعداد زیادہ تھی۔ ان کی للکار پر محافظوں نے مقابلے کی جرأت نہ کی۔ ایلتگین کو واپس لے آئے اور سلطان کے سامنے لا کھڑا کیا۔

"کیا تم خدا کی گرفت سے بھاگ سکتے ہو؟"۔ سلطان محمود نے کہا "میں اپنی اطاعت کا نہیں خدا کی اطاعت کا پیغام لے کر آیا تھا۔ تمہارے بھاگنے کا سبب کیا ہے"؟

"میں غزنی کی اطاعت قبول نہیں کروں گا"۔ ایلتگین نے جواب دیا۔

سلطان محمود نے حکم دیا۔ "اسے اسی وقت زنجیروں میں باندھ کر ہندوستان بھیج دو اور ملتان کے قلعے میں قید کر دو۔ یہ باقی عمر وہیں گزارے گا"۔

اُس کی باقی عمر ملتان کے قلعے کی ایک کوٹھڑی میں گزری۔

باقی سب نے عہدنامے پر دستخط کر دیئے۔ سلطان محمود ابھی اِدھر سے فارغ ہُوا ہی تھا کہ اُسے اطلاع دی گئی کہ اسرائیل سلجوقی آ گیا ہے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، وہ سلجوقیوں کا بے تاج بادشاہ تھا۔ اُس کا کوئی ملک نہیں تھا لیکن چھوٹی موٹی ریاستوں پر اُس کی دہشت طاری تھی۔ اُس کی فوج کرائے پر لی جاتی تھی۔ سلجوقیوں کے علاوہ کئی اور خانہ بدوش اور جنگلوں میں رہنے والے قبائل اُس کے ساتھ جا ملے تھے۔ اس طرح اُس کے لشکر کی تعداد لاکھوں ہو گئی تھی۔ یہ ساری تعداد جنگجو تھی اور بے حد دلیر۔

اسرائیل سلطان محمود کو اپنی وفاداری پیش کرنے آیا تھا۔ وہ ایک بار سلطان محمود سے شکست کھا چکا تھا اور اُس کی ایک بڑی ہی تباہ کُن زمین دوز کارروائی ناکام ہو چکی تھی۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ سلطان محمود اب جو جنگی طاقت لایا ہے، اس کا وہ مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ سلطان محمود کی جنگی چالوں اور اس کی فوج کے قہر سے وہ پہلے ہی واقف تھا۔ وہ آیا تو وفاداری پیش کرنے تھا لیکن اُس دور کی کتاب "طبقاتِ ناصری" میں لکھا ہے:

"وہ (اسرائیل) ترکمانیوں کے ایک دستے کے آگے آگے آرہا تھا۔ اُس نے اپنے سر پر ٹوپی ٹیڑھی رکھی ہوئی تھی جو اُس کی رعونت اور شجاعت کا اظہار کرتی تھی اور اُس کی گردن اکڑی ہوئی تھی جیسے وہ کسی سے ڈرنے والا نہیں۔"

اسی تحریر میں اُس کے متعلق لکھا ہے۔ "وہ جب کسی کے تعاقب میں ہوتا یا کسی کے خلاف لڑ رہا ہوتا تو وہ طوفانی بگولے اور کڑکتی ہوئی گھٹا کی مانند ہوتا تھا۔ اُس کے مقابلے میں جو آتا وہ ہمیشہ کے لیے مِٹ جاتا تھا۔ فضا میں اُڑتا ہُوا کوئی پرندہ اور جنگل میں دوڑتا کوئی ہرن اُس کے تیر سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔"

وہ سلطان محمود سے مِلا۔ سلطان محمود نے اُس کے ساتھ وہی باتیں کیں جو وہ دوسروں سے کر چکا تھا۔ اسرائیل نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔ جب سلطان نے اُس سے پوچھا کہ وہ کتنی فوج دے سکتا ہے تو اُس نے جو جواب دیا، وہ لفظ بلفظ تاریخ میں محفوظ ہے۔ مشہور مؤرّخ گبن نے لکھا ہے:

"اسرائیل نے اپنی ترکش سے ایک تیر نکال کر سلطان محمود کو دیا اور کہا — "اگر آپ یہ تیر شمال کی طرف چھوڑ دیں تو پچاس ہزار ترکمانی جنگجو آپ کے پاس آجائیں گے۔ اگر آپ کو مزید فوج کی ضرورت ہو تو دوسرا تیر کوہ بلخان کی طرف چھوڑ دیں تو پچاس ہزار مزید لشکر گھوڑوں پر سوار ہو کر آپ کے پاس آجائے گا" — سلطان محمود نے اُسے کہا — "اگر مجھے آپ کی ساری فوج کی ضرورت پڑے تو؟" — اسرائیل نے کہا — "میری کمان اپنے قاصد کے ہاتھ بھیج دیں جو وہ تمام علاقے میں دکھا کر واپس آجائے۔ آپ کے پاس دو لاکھ فوج آجائے گی" — سلطان محمود کو اسرائیل کی نیّت پر کچھ شک ہُوا۔"

دوسرے مؤرّخین جن میں گردیزی، گزیدہ، ابن الاثیر اور ایک کتاب "مجموعہ الانصاب" قابلِ ذکر ہے، اس واقعہ پر متفق ہیں۔ ان سے شہادت ملتی ہے کہ سلطان محمود نے اسرائیل کو اُس کے خیمے میں بھیج دیا اور اُس کی خاطر تواضع کا حکم دیا۔ وہ چلا گیا تو سلطان نے اسرائیل کے متعلق مزید معلومات فراہم کیں۔ قدر خان نے بتایا کہ سلجوقی سب کے لیے مصیبت بنے ہوئے ہیں۔ ان سے وفاداری کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ سلطان کے اپنے سالار ارسلان جاذب نے بھی سلطان کو بتایا کہ سلجوقی کسی اخلاق اور ضابطے کے پابند نہیں۔

خود سلطان محمود اسرائیل کا انداز اور اُس کی ٹیڑھی ٹوپی دیکھ کر شک میں پڑ گیا تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ اسرائیل کو گرفتار کر کے کشمیر کے قلعہ کالنجر (موجودہ کوٹلی) میں قید میں ڈال دیا جائے۔ اُسی وقت اسرائیل کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں زنجیریں ڈال کر کشمیر کو روانہ کر دیا گیا۔ مؤرّخوں کے مطابق، وہ سات سال اس قلعے میں رہ کر وہیں مر گیا۔ اُس نے ایک بار فرار کی کوشش کی تھی۔ قلعے سے نکل بھی گیا تھا لیکن برفانی علاقے میں دُور نہ جا سکا اور پکڑا گیا۔

اُسے جب زنجیریں ڈال کر لے جایا جانے لگا تو اُس کے ساتھ ترکمانیوں کا جو دستہ آیا تھا وہ قریب ہی کھڑا تھا۔ اسرائیل سلجوقی نے بلند آواز سے اپنے دستے سے کہا۔ "تمہارا فرض ہے کہ غزنی کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔"

سلطان محمود نے کسی وقت سلجوقیوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ انہیں آزاد زمین دے گا۔ اب اُس نے حکم دیا کہ سلجوقیوں کو دریائے جیحوں اور دریائے زرافشان کے درمیان کا علاقہ دے دیا جائے اور انہیں فوراً وہاں لایا جائے۔ چنانچہ سلجوقیوں کے چار ہزار کنبے اس خطّے میں آگئے۔ ان کے آنے تک سلطان محمود وہیں رہا۔ اُس نے ترکمانیوں اور ترکستانیوں کو الگ کر لیا اور انہیں کہا کہ وہ غزنی کی فوج میں آجائیں۔ مؤرّخ لکھتے ہیں کہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ترکمان اور ترکستان کے لوگوں نے سلطان محمود کو دیکھا اور اس کی باتیں سُنیں۔ سلطان نے اپنی فوج کے بہت سے آدمیوں کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ وہ ان لوگوں میں اُٹھیں بیٹھیں اور انہیں بتائیں کہ سلطان محمود کا عزم اور ایمان کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بہت سے ترکستانی اور ترکمانی غزنی کی فوج میں شامل ہو گئے۔

سلطان محمود کی یہ مہم کامیاب رہی۔ اب وہ سکون سے ہندوستان کے متعلق سوچ سکتا تھا۔

*

ہندوستان کے مغربی ساحل پر صوبہ گجرات واقع ہے۔ اس کا ایک مشہور شہر
کاٹھیاواڑ بالکل ساحل پر ہے۔ اس کے ستر میل جنوب میں سومنات کا شہر ہے۔
وہاں بھارتی حکومت نے آزادی کے بعد ایک مندر تعمیر کیا ہے جو ایک بہت بڑے
قدیم مندر کے کھنڈرات پر کھڑا ہے۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں اس ساحلی
علاقے میں بہت سے مسلمان آباد تھے۔ اسی علاقے میں احمد آباد کا شہر ہے جسے
آج بھی ہندو چھوٹا پاکستان کہتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کی قتل و غارت ہوتی ہی رہتی
ہے۔ ۱۹۶۹ء میں یہاں ہزاروں مسلمانوں کو ہندوؤں نے شہید کر دیا تھا۔ ان کے
بچوں کو زندہ جلایا اور مسلمان خواتین کی آبروریزی وسیع پیمانے پر کی تھی۔ احمد آباد
مسجدوں کی بدولت زیادہ مشہور ہے۔

کراچی اور اس سے نیچے، تمام ساحلی علاقے میں مسلمان آبادی اکثریت میں
رہی ہے۔ ابتدا میں یہ مسلمان عرب سے محمد بن قاسم کے ساتھ آ بسے تھے۔ ان میں
کچھ یہیں آباد ہو گئے۔ سومنات اس زمانے میں اور بہت عرصہ بعد تک مشہور مقبول
بندرگاہ رہی ہے۔ عرب تاجروں کے بحری جہاز اسی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوا کرتے
تھے۔ ہندوستان سے ان کی تجارت یہیں سے ہوتی تھی۔ آہستہ آہستہ یہاں مسلمانوں
کی آبادی بڑھتی گئی۔ سلطان محمود کے زمانے میں بھی یہاں مسلمان آبادی خاصی تھی۔

سومنات بہت بڑا مندر تھا۔ تمام ہندوستان سے ہندو یہاں آتے تھے۔
یہاں کا مہاراجہ کنور رائے تھا جو مسلمانوں پر بہت ظلم کرتا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے
کہ ہر صبح ایک مسلمان کو سومنات کے مندر کے دروازے پر ذبح کیا جاتا تھا۔ دوسروں
نے لکھا ہے کہ ہر روز نہیں بلکہ ہر چاند کی پہلی رات ایک مسلمان کو پکڑ کر سومنات کے
دروازے پر قربان کیا جاتا اور اس کے خون سے بتوں کے پاؤں اور مندر کی دہلیز
دھوئی جاتی تھی۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سومنات کے متعلق جو تفصیلات مختلف کتابوں میں
آئی ہیں، بیان کر دی جائیں۔ یہ دلچسپ بھی ہیں اور ان سے ہندومت کو سمجھنے میں
بھی مدد ملتی ہے بلکہ ان معلومات سے ہندوؤں کا مذہب بے نقاب ہو کر اصل روپ

میں سامنے آ جاتا ہے۔ یہ سراغ کہیں سے بھی نہیں ملتا کہ سومنات کا مندر کب تعمیر
ہوا اور کس نے تعمیر کیا تھا۔ ہندوؤں کی کتابوں میں یہ روایت ملتی ہے (اور اسے ہندو
اپنے مذہب کا حصہ سمجھتے ہیں) کہ چاند دیوتا نے ایک برہمن پرجاپتی کی بیٹیوں کے ساتھ
شادی کی۔ بیٹیوں کی تعداد کا کچھ پتہ نہیں۔ ان میں روہنی نام کی بیٹی سب سے زیادہ
خوبصورت تھی۔ چاند دیوتا اسی کو زیادہ چاہتا اور اُس کی نظرِ کرم اسی پر تھی۔ پرجاپتی
نے چاند دیوتا سے کہا کہ وہ اس کی سب بیٹیوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرے۔
چاند دیوتا نہ مانا۔ پرجاپتی نے اُسے بد دعا دی جس سے چاند دیوتا کو کوڑھ ہو گیا۔

اس روایت سے یہ ثابت کیا گیا کہ برہمن اتنی اونچی ذات ہے جو دیوتاؤں پر
بھی حکم چلا سکتی ہے۔ بہرحال چاند بہت پچھتایا لیکن ایک برہمن کی بد دعا واپس نہیں
ہو سکتی تھی۔ البتّہ پرجاپتی آدھے چاند دیوتا کو اس کی سزا سے آزاد کر سکتا ہے شرط
یہ ہے کہ چاند دیوتا زمین پر ایک جگہ مہادیو کی نشانی کھڑی کرے۔

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں یہ شرط جس طرح بیان کی گئی ہے وہ اتنی فحش
اور اتنی ننگی ہے کہ ہم اسے اشاروں میں بھی بیان نہیں کر سکتے۔ تصوّر فرمائیے کہ یہ
تفصیلات ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں لکھی ہیں اور اپنے مذہب کو ہندو "مقدّس"
کہتے ہیں یہ ہے اصلیت ہندوؤں کے سب سے بڑے مندر کی جس کی تفصیل پڑھ
کر آپ محسوس کریں گے کہ ہندو اسے کتنا مقدّس سمجھتے تھے۔

روایت کے مطابق چاند دیوتا نے سومنات کے مقام پر مہادیو کی نشانی ایک
گول اور اونچی چٹان کی شکل میں کھڑی کر دی۔ اس پر ایک مندر تعمیر کیا گیا جسے سومنات
(یا سوم ناتھ) کا نام دیا گیا۔ سوم کے معنی ہیں چاند اور نات (یا ناتھ) کے معنی ہیں آقا۔
یعنی سومنات کا مطلب ہے "چاند کا آقا"۔

معمولی پڑھے لکھے لوگ بھی جانتے ہیں کہ سمندر میں چاند کے مطابق مدّوجزر پیدا ہوتا
ہے۔ اس دوران سمندر ساحل کی طرف لپکتا ہے اور موجیں ساحل سے ٹکراتی ہیں۔
سومنات کا مندر چونکہ سمندر کے کنارے پر تھا اس لیے موجیں مندر کی دیوار سے
ٹکراتی تھیں اور پانی اوپر کو اچھل کر دیوار کو جیسے دھوتا رہتا تھا۔ پنڈتوں نے اپنے

ہندوؤں کے دلوں میں یہ عقیدہ بٹھا دیا تھا کہ چاند اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لیے اپنے آقا یعنی سومنات کے پاؤں دھوتا رہتا ہے۔

بعض مسلمان وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ سومنات کا بُت کعبہ کا وہی مشہور بُت تھا جسے منات کہتے تھے۔ جب کعبہ سے بُت اُٹھوائے گئے تو بُت پرستوں نے منات کو چھپا لیا کہ اسے کوئی توڑ نہ سکے۔ آخر بُت پرست اسے کاٹھیاواڑ (بھارت) لے آئے اور ایک عبادت گاہ تعمیر کر کے بُت اس میں رکھ دیا گیا۔ اسے سومنات اس لیے کہا جانے لگا کہ کوئی اسے کعبہ والا بُت نہ سمجھے۔ بہرحال یہ روایت بے بنیاد ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ یہ بُت اتنا قدیم تھا کہ کہیں سے بھی سراغ نہیں ملتا کہ یہ کب تراشا گیا اور یہاں رکھا گیا تھا۔ ابنِ خلقان نے اس کی عمر تیس ہزار سال بتائی ہے جسے تمام مورخین نے مبالغہ کہا ہے۔

سومنات کا بُت باقاعدہ تراشا ہوا بُت نہیں تھا۔ یہ ایک قدرتی طور پر گول اور لمبوتری چٹان تھی جسے مہادیو کا عضو تناسل کہتے ہیں اور مقدس سمجھتے ہیں۔ یہ تین گز زمین سے باہر اور دو گز زمین کے اندر تھا۔ اس کی موٹائی ڈیڑھ گز تھی۔ یہ بھی اس کے تقدس کی وجہ تھی کہ اسے قدرت نے بنایا تھا۔ اسے سب سے زیادہ طاقتور بُت سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان کے تمام بُت اس کے غلام تھے۔ اس کے ساتھ یہ عقیدہ وابستہ تھا جسے آج بھی ہندو مانتے ہیں کہ جو کوئی مرتا تھا اس کی روح سومنات چلی جاتی تھی۔ چاند گرہن ہوتا تو دیوتا بعض روحوں کو جسموں میں ڈال کر انہیں نیا جنم دیتے تھے۔

سومنات کا مندر فنِ تعمیر کا شاہکار تھا۔ اس کی بنیاد میں سمندری چٹانوں کو تراش کر اٹھائی گئی تھیں۔ اس کے ۵۶ ستون تھے جو ساگوان کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ یہ لکڑی افریقہ سے لائی گئی تھی۔ ان میں سکّہ بھر کر ستون تیار کیے گئے تھے۔ بُت میں ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس کے اردگرد کئی چھوٹے بُت بنا کر رکھے گئے تھے جن میں سے بعض سونے کے اور بعض چاندی کے تھے۔ یہ سومنات کے بُت کے خدمت گار تھے۔ مندر کے جس کمرے میں بُت رکھا گیا تھا وہ تاریک کمرہ تھا جس میں شمع یا دیا نہیں جلایا جاتا تھا پھر بھی یہ کمرہ روشن

رہتا تھا۔ روشنی کا انتظام یہ تھا کہ کمرے کے اردگرد کے کمروں اور برآمدوں میں ہیرے لٹکا دیئے گئے تھے۔ ان پر قندیلوں کی روشنی پڑتی تو منعکس ہو کر بُت والے کمرے میں جاتی تھی۔ چونکہ اس روشنی میں ہلکے ہلکے رنگ ہوتے تھے جو ہیروں کے تھے، اس لیے اس روشنی میں طلسماتی سا تاثر تھا۔ اندر جو بھی آتا تھا اُس کے ذہن پر ایسا اثر ہوتا کہ وہ بُت کو دیوتا سمجھنے لگتا تھا۔

بُت کے کمرے میں سونے کی ایک زنجیر تھی جس کا وزن دو سو من تھا لیکن یہ من چالیس سیر کا نہیں بلکہ دو رتل کا تھا۔ دو رتل ایک سیر کے برابر ہوتے تھے۔ اس طرح زنجیر کا وزن دو سو سیر یعنی پانچ من خالص سونا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بڑے سائز کی گھنٹی بندھی ہوئی تھی جو خاص خاص موقعوں پر بجائی جاتی تھی۔ بُت کے اردگرد کے کمرے میں بھی بُت رکھے گئے تھے جن میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

دروازوں پر بیش قیمت پردے لٹکتے تھے جن کے ساتھ قیمتی موتی سلے ہوئے تھے۔ چاند اور سورج گرہن کے موقع پر ایک لاکھ سے زیادہ ہندو یہاں جمع ہو جاتے تھے۔ مندر کی آمدنی کا ایک ذریعہ تو راجے مہاراجے تھے جو مندر کو بیش قیمت تحائف اور نقد رقم دیتے رہتے تھے۔ دوسرا ذریعہ ایک ہزار گاؤں کا مالیہ تھا جو سارے کا سارا مندر کو دیدیا جاتا تھا۔ دس ہزار پنڈت باری باری ہر لمحہ بُت کی پوجا کرتے رہتے تھے۔ ہر روز بُت کو گنگا کے پانی سے نہلایا جاتا تھا۔ وہاں سے دریائے گنگا قریب تر ساڑھے سات سو میل دور تھا۔ ہر لمحہ گھوڑ سوار آتے جاتے رہتے تھے اور ہر روز بُت کو نہلانے کے لیے گنگا کا پانی آتا رہتا تھا۔ سلطان محمود کے دور کا وقائع نگار اور مبصر البیرونی جو سلطان محمود کے ساتھ ہندوستان آیا تھا لکھتا ہے کہ ہر روز بُت کے لیے کشمیر سے پھول آیا کرتے تھے۔ یہ قابلِ یقین نہیں لگتا۔ سومنات سے کشمیر کا فاصلہ دیکھیے۔ سواری کا تیز ترین ذریعہ صرف گھوڑا تھا۔ گھوڑا اتنی تیز نہیں دوڑ سکتا تھا کہ کشمیر سے لائے ہوئے پھول سومنات تک پہنچتے تازہ رہتے۔

پانچ سو نہایت خوبصورت نوجوان گانے اور ناچنے والی لڑکیاں مندر میں

موجود رہتی تھیں۔ ہر لڑکی جوانی ڈھل جانے تک مندر کے لیے وقف رہتی تھی۔ ان کے لیے تین سو سازندے ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ راجے مہاراجے اور امیر کبیر لوگ جو سب سے بڑا اور پنڈتوں کے لیے قابلِ قبول تحفہ لاتے تھے وہ نوجوان رقاصہ ہوتی تھی۔ رقاصہ نہ ہو تو نوجوان اور حسین لڑکی کو بھی بہترین تحفہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ تمام لڑکیاں پنڈتوں کی تحویل میں اور اُن کے رحم و کرم پر رہتی تھیں اور اُن کی عیاشی کا ذریعہ بنتی تھیں۔ چونکہ یہ بُت جنسیت کی علامت بنا ہوا تھا اس لیے یہ مندر جائز بدکاری کا اڈہ تھا۔ عورتیں اپنا آپ پنڈتوں کو پیش کر کے خواہش ظاہر کرتی تھیں کہ پنڈت سب کے سامنے ان کے ساتھ جنسی اختلاط کریں۔ پنڈت ان کی یہ خواہش پوری کرتے تھے۔

ہندوستان کے مختلف علاقوں سے جو ہندو یہاں آتے تھے، ان کے لیے سر اور داڑھی کا منڈوانا ضروری ہوتا تھا۔ اس کام کے لیے مندر میں تین سو حجام موجود رہتے تھے۔

سلطان محمود کو ابھی سومنات کے متعلق تفصیل سے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ اس نے سومنات تک پہنچنے کی سوچی بھی نہیں تھی۔ غزنی سے سومنات کا فضائی فاصلہ نو سو میل ہے۔ وہاں سے سومنات تک کے سفر میں جو دریا آتے ہیں جو پہاڑی علاقے آتے ہیں اور بیکانیر کا جو صحرا آتا ہے، ان سب کو تصور میں لائیے اور یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ اس وقت تو صرف گھوڑوں پر اور پیدل کوچ کیا کرتی تھیں۔

*

جن دنوں سلطان محمود اردگرد کے سرداروں اور حکمرانوں سے اطاعت قبول کرانے میں مصروف تھا، اُن دنوں گوالیار کا مہاراجہ ارجن پنڈتوں اور رشیوں کے دروازوں پر گرا رہتا تھا۔ اُس نے سلطان محمود سے بہت بُری شکست کھائی تھی۔ خود اپنی قوم اُس سے نفرت کرنے لگی تھی۔ ایک رشی نے اُسے کہا کہ وہ کچھ تحفے لے کر سومنات جائے اور وہاں کے پنڈتوں کے پاؤں میں گر کر اپنی کایا پلٹنے کی پرارتھنا کرے۔ پنڈتوں نے اُسے کہا کہ جو تحفہ وہاں کے پنڈتوں کو پسند ہے وہ ہے ایک یا دو نوجوان لڑکیاں جو بہت خوبصورت ہوں۔ اس

کے علاوہ وہ کسی جوان سال مسلمان کو بھی ساتھ لے جائے اور اُسے سومنات کے دروازے پر ذبح کرے۔

مہاراجہ ارجن نے مسلمان لڑکی اور مسلمان آدمی کی تلاش شروع کر دی۔ ایک مہاراجہ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن اب وہ مہاراجہ نہیں، خانہ بدوش تھا۔ گوالیار اور اردگرد کے علاقوں میں مسلمان بہت ہی کم تھے۔ زیادہ تر مسلمان پشاور، ملتان اور لاہور کے علاقوں میں تھے۔ شرط یہ بھی تھی کہ لڑکی خوبصورت ہو اور آدمی بھی خوبرو اور جوان ہو۔

ایک روز اُس کی ملاقات ایک پنڈت سے ہو گئی جو گوالیار کے مندر میں ہوتا تھا۔ اب وہاں مندر تو تھا لیکن وہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا اور وہاں کوئی بُت نہیں تھا، کوئی مورتی نہیں تھی۔ وہاں اب نہ سنکھ بجتے تھے نہ گھنٹیوں کی آوازیں آتی تھیں۔ وہاں کے دیوتا خاموش تھے اور اس خاموشی سے دن میں پانچ وقت اذان کی مقدس صدا اُبھرتی اور باطل پر لرزہ طاری کرتی تھی۔ مہاراجہ ارجن نے پنڈت سے پوچھا کہ وہ اب کہاں ہوتا ہے۔

"جنگل میں" — پنڈت نے جواب دیا۔ "مندر اُجڑ جانے سے دیوتا کہیں بھاگ تو نہیں جاتے۔ مندر نہ رہے تو پوجا پاٹھ سے تو کوئی نہیں روک سکتا۔ ہم نے جنگل میں جا کر ایک گُفا میں مندر بنا لیا ہے۔ آپ دیکھ لینا ان مسلمانوں پر کیسی تباہی آئے گی۔ یہ پلید لوگ جنگی طاقت کے گھمنڈ میں ہری کرشن اور مہادیو اور وشنو دیو کو شکست دینے آئے ہیں۔ یہ لوگ زندہ جل کر راکھ ہوں گے!"

"ابھی تو ہم راکھ ہو رہے ہیں پنڈت جی مہاراج!" — مہاراجہ ارجن نے کہا — "کیا آپ ابھی تک نہیں سمجھے کہ ہری کرشن، مہادیو، اور وشنو دیو ہم سے ناراض ہیں!"

"یہ پاپ آپ کا ہے جن کے پاس فوج تھی" — پنڈت نے کہا۔

"مجھے گنڈا اور ترلوچن پال نے دھوکہ دیا" — مہاراجہ ارجن نے کہا — "ورنہ غزنی کا ایک بھی سپاہی زندہ واپس نہ جاتا اور محمود ہمارا قیدی ہوتا۔ میں نے قسم کھائی تھی کہ غزنی کے اس سلطان کو زندہ پکڑوں گا اور ہر روز اس سے مندر میں جھاڑو

دلوایا کروں گا اور وہ مندر میں پوجا کے لیے آنے والوں کی جوتیاں سیدھی کیا کرے گا ..... لیکن اب ان باتوں سے کیا حاصل! مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک خوبصورت مسلمان لڑکی اور ایک جوان مسلمان کو ساتھ لے کر سومنات جاؤ۔ لڑکی مندر کو پیش کر دو اور مسلمان کو مندر کے دروازے پر ذبح کر دو اور دو چاند شیو دیوتا کے قدموں میں ماتھا رگڑو۔ بھگوان راج واپس کر دیں گے۔"

"آپ نے میرے دل کی بات کر دی ہے" — پنڈت نے کہا۔ "لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔ آپ یہ کام کر سکتے ہیں۔"

"کر تو سکتا ہوں" — مہاراجہ ارجن نے کہا۔ "لیکن مسلمان لڑکی اور آدمی کہاں سے لاؤں؟"

"کیا آپ کنگال ہو گئے ہیں؟" — پنڈت نے کہا۔ "آپ کے پاس کچھ تو ہو گا۔ شکار مل جائے گا۔"

"بہت کچھ ہے" — مہاراجہ ارجن نے کہا۔ "میرا صرف راج نہیں رہا۔ آپ بتائیں شکار کہاں ہے اور وہ میرے قبضے میں کس طرح آ سکتا ہے۔"

"کیا آپ کی راجکماریاں دریا پر نہانے نہیں جایا کرتی تھیں؟" — پنڈت نے کہا۔ "اب بھی کبھی غزنی کی شہزادیاں دریا پر جایا کرتی ہیں۔"

"غزنی کی شہزادیاں؟" — مہاراجہ ارجن نے پوچھا۔ "سلطان محمود تو غزنی میں ہے۔"

"میں غزنی کے اُن فوجیوں کی بیویوں اور بہو بیٹیوں کی بات کر رہا ہوں جو قلعے میں ہیں" — پنڈت نے کہا۔ "کبھی کبھی تین چار بڑی خوبصورت لڑکیاں تین چار محافظوں کے ساتھ دریا پر آیا کرتی ہیں۔ آپ انعام نکالیں جو میں اپنے آدمیوں کو دے کر دو لڑکیاں اور ایک یا دو محافظ اغوا کرا لوں گا۔ دریا پندرہ کوس دور ہے جتنی دیر میں گوالیار کے قلعے تک خبر پہنچتی ہے ہم بہت دور نکل جائیں گے!"

"کیا آپ سومنات کے راستے سے واقف ہیں؟"

"مہاراج! آپ کہاں حکومت کرتے رہے ہیں؟" — پنڈت نے کہا۔ "ہر روز یہاں قریب سے وہ سوار گزرتے ہیں جو سومنات کے غسل کے لیے گنگا کا پانی لے جاتے ہیں۔ وہ بہت تیز چلتے ہیں۔ آپ گھوڑوں کا انتظام تو کر سکتے ہیں نا .....

کم از کم چھ گھوڑے درکار ہوں گے۔"

"گھوڑے جتنے چاہو مل جائیں گے" — مہاراجہ ارجن نے کہا۔ "مجھے بروقت اطلاع دے دینا۔"

غزنی کے وہ سالار، نائب سالار اور کمانڈر وغیرہ جو ہندوستان کے فتح کیے ہوئے قلعوں میں رہتے تھے، ان کی بیوی بچے بھی غزنی سے آ گئے تھے۔ گوالیار کے قلعے میں بھی فوجی سرداروں کے کنبے آ گئے تھے۔ گوالیار سے دریا پندرہ میل دور تھا۔ کچھ لڑکیاں چند ایک محافظوں کو ساتھ لے کر دریا کی سیر اور کشتی رانی کے لیے کبھی کبھی جایا کرتی تھیں۔ ایک روز چار جوان عورتیں دریا پر گئیں۔ ان میں ایک نوجوان لڑکی تھی جو ایک پرانے کمانڈر کی بیٹی تھی۔ اس کا نام شگفتہ تھا۔ اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ ان کے ساتھ چار محافظ تھے۔ ان کے اور عورتوں کے گھوڑوں کی تعداد آٹھ تھی۔

ایک جگہ دریا کے کنارے جنگل گھنا، ہرے سرکنڈے اور جھاڑیاں بھی تھیں۔ عورتیں اس گھنی ہریالی کی اوٹ میں ہو گئیں۔ وہ نہانا چاہتی تھیں۔ چاروں محافظ گھوڑوں سے اتر کر کچھ دور جا کر بیٹھ گئے۔ ایک آدمی جو دیہاتی لگتا تھا، گھبراہٹ کے عالم میں محافظوں کے پاس دوڑتا آیا اور خوف سے کانپتی ہوئی آواز میں کہنے لگا کہ تین آدمی اُس کی بیوی کو اُس سے چھین کر لے گئے ہیں۔ انہوں نے مجھے مار پیٹ کر بھگا دیا ہے۔ وہ قریب ہی ہیں اور میری بیوی کو ننگا کر کے اُسے زبردستی شراب پلا رہے ہیں۔

"آپ مسلمان ہیں مہاراج" — اس آدمی نے کانپتے ہوئے کہا۔ "ہماری عزت کے رکھوالے آپ ہیں۔"

چاروں محافظ اٹھ دوڑے۔ وہ ذرا دور چلے گئے تو پانچ چھ آدمی جن کے چہرے صافوں میں چھپے ہوئے تھے مسلمان عورتوں پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے کمانڈر کی بیٹی کو اٹھا لیا۔ عورتوں نے چیخ و پکار کی تو محافظ واپس دوڑے۔ جب وہ گھنے سرکنڈوں اور جھاڑیوں میں آئے تو گھات میں چھپے ہوئے ہندوؤں نے انہیں

کے پہلوؤں میں برچھیاں اتار دیں اور ایک کو دلوچ لیا۔

ذرا ہی دیر بعد آٹھ گھوڑے سرپٹ دوڑتے جنگل میں دور نکل گئے۔ ایک گھوڑے پر مہاراجہ ارجن شگفتہ کو آگے بٹھائے سوار تھا۔ ایک پر ایک جواں سال محافظ ناصر الدولہ بندھا ہوا تھا۔ ایک گھوڑے پر پنڈت سوار تھا اور باقی پانچ پر پنڈت اور مہاراجہ ارجن کے وہ آدمی سوار تھے جنہوں نے شگفتہ اور ناصر الدولہ کو اغوا کیا اور تین محافظوں کو قتل کیا تھا۔ ان پانچ آدمیوں کو نقد انعام پیش کیا گیا تھا لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انعام قبول نہیں کیا تھا کہ وہ بھی سومنات کی پوجا کے لیے مہاراجہ ارجن کے خرچ پر جائیں گے۔

گوالیار قلعے میں باقی تین عورتیں پندرہ بیس میل پیدل چل کر پہنچیں۔ اُس وقت تک مہاراجہ ارجن بہت دور نکل گیا تھا۔ قلعے میں کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ مہاراجہ ارجن اتنی سنگین واردات کر گیا ہے۔ اُس نے دو روز پہلے قلعے کے سالار قلعہ دار کو بتایا تھا کہ وہ سومنات کی پوجا کے لیے جا رہا ہے۔ سالار نے اُسے اجازت دے دی تھی۔ اس کے متعلق سب کو یہی معلوم تھا کہ دو روز ہوئے وہ سومنات کے سفر پر روانہ ہو چکا ہے۔

شام تک پنڈت کی راہنمائی میں وہ اُس راستے پر پہنچ گئے جس راستے سومنات کو گنگا کا پانی جایا کرتا تھا۔ انہیں پانی لے جانے والے سوار مل گئے۔ دوسرے دن شگفتہ اور ناصر کو کھول کر مہاراجہ ارجن نے بتایا کہ ان کا تڑپنا بیکار ہے اور وہ خاموشی اور اطمینان سے ان کے ساتھ رہیں۔ ان دونوں کے پوچھنے پر بھی انہیں نہ بتایا گیا کہ انہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

بیس روز بعد وہ سومنات پہنچ گئے۔ مہاراجہ ارجن اور پنڈت نے ناصر اور شگفتہ کو مندر کے بڑے پنڈت کے سامنے کھڑا کر کے اس کے پاؤں چھوئے اور اُسے بتایا کہ وہ اس لڑکی کو مندر کے لیے اور اس آدمی کو شیو دیو کی قربانی کے لیے لائے ہیں۔

ناصر ان لوگوں کی زبان سمجھتا تھا۔ شگفتہ نہیں سمجھتی تھی۔ اُس نے فارسی زبان میں ناصر سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ ناصر نے اُسے بتا دیا۔ شگفتہ خوفزدہ ہونے کی بجائے فارسی میں بڑے غصے میں بولنے لگی۔ بڑے پنڈت نے ناصر سے پوچھا کہ یہ لڑکی کیا کہہ رہی ہے۔

"یہ کہہ رہی ہے کہ میں تمہارے شیو دیو پر اللہ کی لعنت بھیجتی ہوں"۔ ناصر نے جواب دیا۔ "اور یہ کہہ رہی ہے کہ ہم نے تمہارے بہت سے دیوتا اپنے پاؤں تلے مسل ڈالے ہیں اور یہ کہہ رہی ہے کہ تمہارے بہت سے دیوتاؤں کے بتوں کو ہم نے غزنی میں لے جا کر توڑا تھا اور ان کے ٹکڑے گھوڑ دوڑ کے میدان میں بکھیر دیئے تھے۔ یہ تمہارے مندر میں نہیں رہنا چاہتی"۔

"اِسے کہو کہ ہمارے مذہب کی توہین نہ کرے"۔ بڑے پنڈت نے کہا۔ "ورنہ شیو دیو اپنی توہین کا انتقام غزنی کو تباہ کر کے لیں گے"۔

"تمہارے پتھر کے دیوتا ہمارے خدا کا مقابلہ کریں گے؟"۔ ناصر نے کہا۔ "ہم دونوں تمہارے قیدی ہیں۔ ہم بے بس ہیں۔ ہمارا خدا بے بس نہیں۔ وہ پتھر کا بت نہیں۔ اُس کے انتقام سے بچو پنڈت!"

شگفتہ بے تاب ہو کے ناصر سے پوچھتی تھی کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ ناصر نے اُسے بتایا تو وہ اس قدر غصے سے بولنے لگی کہ اُس کے منہ سے تھوک اڑ اڑ کر پنڈت کے منہ پر پڑنے لگا۔ وہ اُن پر لعنتیں بھیج رہی تھی۔

"ارجن مہاراج!"۔ پنڈت نے مہاراجہ ارجن سے کہا۔ "یہ دونوں ڈرنے کی بجائے ہم پر برس رہے ہیں۔ کیا انہیں یہ امید ہے کہ ہم ان سے ڈر کر انہیں چھوڑ دیں گے؟"

"ہم صرف خدا سے ڈرتے ہیں پنڈت!"۔ ناصر نے کہا۔ "موت سے ہم ڈرنے والے ہوتے تو غزنی میں ہی بیٹھے رہتے۔ ہم اپنے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنانے اور اس پیغام پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے آئے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم یہاں بے بس ہیں۔ کچھ نہیں کر سکتے لیکن ہم خوش

ہیں کہ ہم اللہ کی راہ میں قربان ہو رہے ہیں۔ میری جان کی قربانی سے آپ کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میری قربانی اللہ کے حضور جائیگی۔"

"انہیں بتا دو کہ اس مندر میں بھی وہی تباہی آئے گی جو ہندوستان کے بہت سے مندروں میں آئی ہے۔" شگفتہ نے ناصر سے کہا۔ "انہیں خبردار کردو کہ میرے پاک جسم کی توہین کا انتقام میرا خدا ضرور لے گا۔"

ناصر نے پنڈت کو بتایا کہ شگفتہ نے کیا کہا ہے تو پنڈت نے عجیب سی ہنسی ہنس کر کہا۔ "تم اُسے پوجتے ہو جو تمہیں نظر نہیں آتا۔ تم اندھے ہو اندھیرے میں جی رہے ہو۔ تم نہیں جانتے یہ مندر کس کا ہے جسے تم پتھر کہہ رہے ہو، یہ شِودیو ہے یہاں تمہارے جسم سے جان نکالی بھی جا سکتی ہے اور مردہ جسم میں جان ڈالی بھی جا سکتی ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم پتھر کے دیوتا کا یہ کمال مجھے نہیں دکھا سکتے۔" ناصر نے کہا۔ "اور یہ میرا عقیدہ ہے کہ اس لڑکی نے اس مندر کی تباہی کی جو پیشین گوئی کی ہے وہ پوری ہو کے رہے گی۔"

"مہاراج!" گوالیار کے پنڈت نے سومنات کے پنڈت سے کہا۔ "کیا ان کے ساتھ اتنی باتیں کرنا ضروری ہے؟ نہ آپ ان کا مذہب بدل سکتے ہیں نہ یہ ہمارا مذہب بدل سکتے ہیں۔"

"ہاں۔" پنڈت نے کہا۔ "ان کے ساتھ اتنی باتیں بیکار ہیں۔ انہیں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس آدمی کو نئے چاند کی پہلی رات قربان کیا جائے گا اور اس کا خون شِودیو کے قدموں میں انڈیلا جائے گا۔ اسے بتانا اس لیے ضروری ہے کہ ہم کسی کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ سومنات نے اسے قربانی کے لیے پسند کیا ہے۔ یہ خوش قسمت انسان ہے۔"

"آپ اپنے دیوتاؤں کو دھوکہ نہیں دینا چاہتے۔" ناصر نے کہا۔ "کیا تمہارے شِودیو کو معلوم نہیں کہ ہم دونوں کو دھوکے میں اغوا کیا گیا ہے اور ہمارے تین ساتھیوں کو قتل کیا گیا ہے؟ کیا تمہارا مذہب اتنے بڑے جرم کی اجازت دیتا ہے؟"

بڑے پنڈت نے اپنے بالکوں کو بلایا اور انہیں کہا کہ ان دونوں کو لے جاؤ۔

"سنو شگفتہ!" ناصر نے بڑی تیزی سے بولتے ہوئے کہا۔ "غزنی کی بیٹیوں کی طرح اپنی آبرو پر قربان ہو جانا۔ میں نکلنے کی کوشش کروں گا۔"

دونوں کو مندر کے ایک ایسے حصے میں لے گئے جو ایک فراخ صحن تھا۔ شگفتہ کو الگ کر لیا گیا اور ناصر کو دوسری طرف لے جانے لگے۔ ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے نہیں تھے۔ دونوں کے ساتھ دو دو آدمی تھے۔ اچانک ناصر کو شگفتہ کی بڑی بلند آواز سنائی دی۔ "ناصر خدا حافظ۔" اس کے ساتھ ہی شور اٹھا۔ "پکڑ لو۔ پکڑ لو۔"

ناصر نے اُدھر دیکھا۔ وہاں ایک کنواں تھا۔ اُسے شگفتہ کنوئیں کے چبوترہ نما منڈیر پر کھڑی نظر آئی اور وہ کنوئیں میں کود گئی۔ ناصر کے ساتھ جو دو آدمی تھے، وہ بھی کنوئیں کی طرف دوڑے۔ ان کے شور پر بہت سے آدمی آ گئے۔ شام گہری ہو چکی تھی۔ صحن میں صرف ایک مشعل جل رہی تھی۔ سب آدمی شگفتہ کو کنوئیں سے نکالنے کے لیے بھاگ دوڑ رہے تھے۔ رسہ کنوئیں میں پھینکا گیا اور ایک آدمی رسّے سے اتر گیا۔ کچھ دیر بعد کنوئیں میں سے اُس کی آواز سنائی دی۔ "مر گئی ہے۔"

اس ہڑبونگ میں کسی کو ناصر کا خیال نہ رہا۔ اس کے ساتھ جو دو آدمی تھے، وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ انہیں ناصر نظر نہ آیا۔

ناصر مندر سے دور نکل گیا تھا۔ یہ خدائی مدد تھی کہ اُسے ایک دریچہ سا نظر آ گیا تھا۔ اس میں سے وہ نکلا تو آگے کھلا میدان تھا اور تاریکی۔ اُسے ایک طرف سمندر نظر آیا۔ وہ دوسری سمت چل پڑا۔ اس علاقے میں وہ اجنبی تھا۔ چلتے چلتے آگے دریا آ گیا۔ یہ دریائے سرسوتی تھا جو سومنات سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ دریا پار کر گیا۔ اُسے کسی مسلمان گھرانے میں ہی پناہ مل سکتی تھی لیکن اسے

معلوم نہیں تھا کہ اس علاقے میں مسلمان ہیں بھی یا نہیں۔ وہ چلتا گیا۔ وہ رات بھر چلنا چاہتا تھا۔

دو چار میل اور گیا ہوگا کہ اُسے روشنی دکھائی دی۔ یہ کوئی گاؤں تھا۔ وہ اُدھر چل پڑا۔ جب گاؤں کے قریب پہنچا تو اُسے ایک مکان نظر آیا جس پر مینار سے تھے۔ اُسے شک ہُوا جیسے یہ مسجد ہو لیکن اُسے یقین نہیں تھا کہ اس علاقے میں مسجد ہو سکتی ہے۔ پھر بھی وہ دروازے کی طرف چلا گیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ آگے چھوٹا سا صحن اور آگے برآمدہ سا تھا۔ وہاں دیا جل رہا تھا جس کے پاس ایک سفید ریش آدمی بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ ناصر اندر جانے سے ڈر رہا تھا۔ وہ دروازے کے ساتھ لگا کھڑا رہا۔

"السّلام علیکم" — اُسے اپنے قریب آواز سنائی دی۔

"وعلیکم السّلام" — اُس نے جواب دیا۔

سلام کرنے والے نے ایسی زبان میں بات کی جو ناصر نہ سمجھ سکا لیکن اسلام کے رشتے نے سب خوف اور شک دُور کر دیئے تھے۔

"مسلمان" — ناصر نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا "غزنی ... عساکرِ سلطان محمود"۔

اُس نے کچھ اشارے کئے تو وہ آدمی اُسے اندر لے گیا۔ وہ مسجد تھی اور پیش امام کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ یہ لوگ اِس علاقے کے رہنے والے تھے۔ ان کی زبان ہندوستانی سے مختلف تھی۔ ناصر نے اشاروں سے انہیں یہ سمجھا دیا کہ وہ سومنات سے بھاگا ہے اور اُسے پناہ کی ضرورت ہے۔ پیش امام نے ایک اور آدمی کو بلوایا۔ وہ ہندوستان کی وہ زبان جانتا تھا جو ناصر سمجھ اور بول سکتا تھا۔ اِس کی وساطت سے پیش امام کو پتہ چلا کہ ناصر کون ہے، اس پر کیا گزری ہے اور اب اسے یہاں سے نکلنا ہے۔

یہاں کے لوگوں کو سلطان محمود غزنوی سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ انہوں نے سنا کہ انہوں نے اُڑتی اُڑتی سُنی ہے کہ شمال مغرب سے ایک بڑا ہی ظالم اور بادشاہ آتا ہے جو کسی نہ کسی مندر کے بُت توڑ کر وہاں سے زر و جواہرات اپنے ساتھ

لے جاتا ہے۔ یہ بات انہوں نے اُن ہندوؤں سے سُنی تھی جو ہندوستان سے سومنات کی پوجا کے لیے آتے رہتے تھے۔ ناصر الدّولہ نے انہیں بتایا کہ وہ کوئی لٹیرا بادشاہ نہیں بلکہ مسلمان سلطان ہے جو ہندوستان میں محمد بن قاسم کے دَور کو زندہ کر رہا ہے اور وہ یہاں اسلام کو فروغ دینے کے لیے بُت توڑتا اور مندروں کو اجاڑتا ہے۔

"ہم عربی نسل کے لوگ ہیں" — پیش امام نے اُسے بتایا — "ہمارا شجرۂ نسب اُن مجاہدین سے ملتا ہے جو محمد بن قاسم کے ساتھ آئے تھے۔ ہمارے آباؤ اجداد نے دیبل سے دور نیچے پل آدم تک کے ساحلی علاقے میں اسلام پھیلا دیا تھا۔ اس سومنات کی اُس وقت کوئی اہمیت نہیں تھی۔ یہ محمد بن قاسم کے دَور کے بعد اتنا مقبول ہُوا ہے۔ برہمنوں نے اس کے ساتھ ایسی ایسی روایتیں وابستہ کر رکھی ہیں کہ راجے مہاراجے بھی یہاں آتے ہیں۔ اگر سلطان محمود واقعی بُت شکن ہے اور اسلام کا علمبردار ہے تو اُسے شاید معلوم نہیں کہ سومنات کا مندر بھی ہے جسے ہندو اتنا ہی مقدس سمجھتے ہیں جتنا ہمارے لیے خانہ کعبہ ہے"۔

"اگر آپ لوگ مجھے ایک گھوڑا دے دیں تو میں گوالیار واپس جانے کی بجائے سیدھا غزنی جاؤں گا" — ناصر نے کہا — "اور سلطان کو سومنات پر حملے کی ترغیب دوں گا"۔

"تم شاید اپنا انتقام لینا چاہتے ہو" — پیش امام نے کہا — "اور تم اس مسلمان لڑکی کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہو جو اپنی عصمت پر کنوئیں میں کود کر قربان ہو گئی ہے۔ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔ ہم تمہیں گھوڑا دے کر یہاں سے نکال دیں گے اور ہم تمہیں غزنی تک کا چھوٹا راستہ بھی سمجھا دیں گے۔ اپنے سلطان کو بتانا کہ سومنات وہ مندر ہے جو اسلام کو للکار رہا ہے اور اسلام کا مُنہ چڑا رہا ہے۔ اس مندر میں نہ معلوم کتنی مسلمان لڑکیاں لائی جا چکی ہیں جنہیں بتوں کے آگے پنڈتوں کی موجودگی میں مادر زاد عُریاں کر کے نچایا جاتا ہے اور کبھی کبھی یہاں ایک مسلمان کو ذبح کیا جاتا ہے۔ ہمارے گھروں میں کوئی بچی خوب صورت نکلتی

ہے تو ہم اُسے کہیں دُور بھیج دیتے ہیں یا وہ پورا کنبہ کہیں دُور چلا جاتا ہے۔ جس طرح تمہیں یہاں لایا گیا ہے، اس طرح اکثر یہاں ہندوستان سے بڑے خوب صُورت نوجوان مسلمانوں کو لا کر ذبح کیا جاتا ہے۔ یہ مندر ایک جنسی عقیدے پر کھڑا ہے اور یہاں کے پنڈت دن رات ہوس کاری میں بدمست رہتے ہیں۔"

پیش امام نے ناصر الدّولہ کو پوری تفصیل سے سومنات کی تاریخ سنائی اور اُسے بتایا کہ اس کے ساتھ کون سی روایتیں وابستہ ہیں۔

"اپنے سلطان سے کہنا کہ ہندوستان کے ساحل سے اسلام آگ کے قریب رکھے ہوئے موم کی طرح پگھلتا اور غائب ہوتا جا رہا ہے" — پیش امام نے کہا — "یہاں کے مُسلمان خوف و ہراس کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور آہستہ آہستہ یہاں سے ہندوستان کے اندرونی علاقوں کو ہجرت کر رہے ہیں یا واپس عرب جا رہے ہیں اور یہاں ہندوؤں کے باطل عقیدے پھیلتے جا رہے ہیں۔"

"سُلطان آئے گا" — ناصر الدّولہ نے کہا — "ہم آئیں گے اور انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ ہندوؤں کے اس سب سے زیادہ طاقتور دیوتا کے ٹکڑے کس طرح اُڑتے اور خاک ہوتے ہیں۔ آپ مجھے گھوڑا اور کچھ زادِ راہ دے دیں اور راستہ سمجھا دیں۔"

مندر کے اِردگرد ناصر کو تلاش کیا جا رہا تھا لیکن مندر کے پنڈتوں کو اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ علم صرف مہاراجہ ارجن اور اُس کے ساتھ آئے ہُوئے پنڈت کو تھا۔ اُن کی دونوں قربانیاں ہاتھ سے نکل گئی تھیں۔

اُس وقت ناصر چند میل دُور ایک مسجد میں بیٹھا تھا۔ پیش امام نے اُسے پیٹ بھر کے کھانا کھلایا تھا اور گاؤں کے ایک بہت ہی بوڑھے آدمی کو بلا لیا تھا جو دور دراز علاقوں کے راستوں اور سمتوں سے واقف تھا۔

"گھوڑا نہیں اسے اونٹ دے دو" بوڑھے نے کہا۔ "راستے میں بڑا ہی وسیع صحرا ہے۔ گھوڑا بغیر پانی کے مر جائے گا اور ناصر بھی زندہ نہیں رہے گا" — بوڑھے نے ناصر کو سمجھایا کہ وہ دوپہر تک سُورج کو دائیں ہاتھ اور دوپہر کے بعد بائیں

ہاتھ رکھے۔ رات کو قطبی ستارے کو اپنی ناک اور دائیں کندھے کے درمیان رکھے۔ علاقہ پہاڑی ہو تو اُسے گھومنا مڑنا پڑے گا۔ وہ کتنا ہی مُڑے دن کو سورج اور رات کو قطبی ستارے کو اُسی زاویے پر رکھے جو اُسے بتایا گیا ہے۔

اگلی رات کے اندھیرے میں ناصر الدّولہ ایک بڑی اچھی نسل کے تنومند اونٹ پر سوار ایسے سفر پر روانہ ہو گیا جس میں دریا بھی تھے، بڑے ظالم صحرا بھی، پہاڑ اور جنگل بھی تھے۔ اُسے بہت جلدی غزنی پہنچنا تھا۔



یہاں ایک اور روایت کا بیان بھی ضروری ہے۔ راوی ایک شاعر شیخ دین ہے جس نے اپنی ایک کتاب میں سومنات پر سلطان محمُود غزنوی کے حملے کا منظوم ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۸۰۱ء میں لکھی گئی تھی اور اِس کا ترجمہ ایک انگریز میجر جے۔ ڈبلیو واٹسن نے کیا تھا۔ یہ روایت مختصراً یوں ہے کہ سومنات کے علاقے میں مسلمان خاصی تعداد میں آباد تھے۔ وہاں کا مہاراجہ کنور رائے انہیں اپنا غلام سمجھتا تھا۔ ہر روز ایک مُسلمان کو سومنات کے مندر کی دہلیز پر ذبح کیا جاتا تھا۔ وہاں کے مُسلمان اپنے خُدا سے آہ و زاری کرتے رہتے تھے۔ مکّہ معظمہ میں ایک بزرگ حاجی محمّد تھے۔ ایک رات انہیں خواب میں رسُول اکرم صلعم کی زیارت ہوئی۔ حضُورؐ نے حاجی محمد سے فرمایا کہ ہندوستان کے علاقہ سومنات میں جاؤ اور مُسلمانوں کی نجات کا بندوبست کرو۔

حاجی محمد اپنی رُوحانی قوّت سے سومنات آئے اور اس قوّت سے مہاراجہ کنور رائے کی توجہ اپنی طرف کر لی۔ ایک روز حاجی محمد نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جو آہ و زاری کر رہی تھی۔ اس سے آہ و زاری کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ اگلے روز بڑھیا کے جوان اور اکلوتے بیٹے کو مندر میں ذبح کیا جا رہا ہے۔ حاجی محمد نے مہاراجہ کنور رائے تک اپنا یہ پیغام پہنچایا کہ اِس جوان آدمی کی جگہ اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کرتے ہیں۔

مہاراجہ نے اِسے اپنی توہین سمجھا۔ کسی طرح مہاراجہ کو پتہ چل گیا تھا کہ حاجی محمد

کے پاس کوئی ایسی طاقت ہے کہ انہیں سامنے آکر جان سے نہیں مارا جاسکے گا۔ مہاراجہ نے سوچا کہ انہیں بےخبری میں مارا جائے۔ مہاراجہ نے انہیں پیغام بھیجا کہ انہیں زبح نہیں کیا جائے گا بلکہ مہاراجہ انہیں اپنے ساتھ معزز مہمان کی طرح مندر میں لے جاکر مندر کی شان و شوکت دکھائے گا چنانچہ مہاراجہ حاجی محمد کو مندر میں لے گیا۔ اُس کے ساتھ اپنے محافظ تھے جنہیں اُس نے سمجھا دیا تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

مندر میں گھومتے پھراتے مہاراجہ کنور رائے نے اپنے محافظوں کو اشارہ کیا کہ وہ پیچھے سے تلوار کے وار کرکے حاجی محمد کو قتل کردیں، لیکن محافظ جہاں کھڑے تھے، وہاں سے ہل ہی نہ سکے، جیسے زمین نے انہیں جکڑ لیا ہو۔ مہاراجہ اتنا خوفزدہ ہُوا کہ حاجی محمد سے معافی مانگی اور انہیں عزت سے رخصت کیا۔

حاجی محمد غزنی چلے گئے اور سلطان محمود سے کہا کہ انہوں نے رسولؐ اللہ کے حکم سے اُسے منتخب کیا ہے کہ سومنات کا بُت توڑے اور اس مندر کو تباہ و برباد کرے جو ہزاروں مسلمانوں کا خون پی چکا ہے۔ سلطان محمود فوج لے کر فوراً چل پڑا۔ اُس نے سومنات کے مہاراجہ کنور رائے کو شکست دی۔ مہاراجہ نے صلح اور دوستی کی درخواست کی۔ سلطان محمود نے اُسے اسلام قبول کرنے کو کہا مگر مہاراجہ نے انکار کردیا اور آخر دم تک لڑنے کے لیے قلعہ بند ہوگیا۔

اس دوران حاجی محمد فوت ہوگئے۔ وہ سلطان محمود کے ساتھ سومنات آئے تھے۔ سلطان محمود نے قلعے کا محاصرہ کیا مگر قلعہ سَر نہ ہوسکا۔ محاصرہ بارہ سال جاری رہا۔ قلعہ سَر نہ ہوسکا۔ وزیر نے سلطان محمود سے کہا کہ حاجی محمد اُس سے ناراض ہو کے فوت ہوئے ہیں کیونکہ وہ اُن کی بیمار پُرسی کے لیے نہیں گیا تھا۔ سلطان محمود اُسی وقت حاجی محمد کی قبر پر گیا اور کوتاہی کی معافی مانگی۔ سلطان کو ایک اشارہ ملا اُس نے اِس پر عمل کیا اور دو دنوں میں قلعہ فتح ہوگیا۔

یہ روایت قارئین کی دلچسپی کے لیے سُنائی گئی ہے۔ یہ بالکل بے بنیاد روایت ہے۔ صحیح صرف یہ ہے کہ ۱۰۲۵ء تک سُلطان محمود کو سومنات کے متعلق کوئی زیادہ علم نہیں تھا۔

اونٹ ناصر کو پیٹھ پر اُٹھائے چلا جارہا تھا۔ ناصر اُسے دوڑا رہا تھا۔ اونٹ دن کچھ اور حیدر آباد کا ریگستان پار کرگیا۔ ناصر اُس کی پیٹھ پر ہی اُونگھ لیتا تھا اور اونٹ کو بہت تھوڑا آرام دیتا تھا۔

سلطان محمود اپنے پڑوسیوں اور دشمنوں کو ایک معاہدے کا پابند کرکے اور ہر ایک سے فوج کی کچھ نفری لے کر غزنی پہنچ گیا تھا۔ دو چار روز بعد اُسے اطلاع دی گئی کہ ہندوستان سے غزنی کی فوج کا ایک محافظ (باڈی گارڈ) ناصر الدولہ آیا ہے۔ سلطان نے اُسے فوراً پیش کرنے کو کہا۔

ناصر کو اندر لے جایا گیا۔ دو آدمیوں نے اُسے سہارا دے رکھا تھا۔ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوسکتا تھا۔ اُس کا سَر ڈول رہا تھا چہرہ لاش کی طرح ہوچکا تھا سلطان کے حکم سے اُسے سلطان کے پلنگ پر لٹا دیا گیا اور طبیب کو بلایا گیا طبیب نے اُس کے منہ میں کوئی دوائی ڈالی اور اُس نے کہا کہ اس پر غشی بھی طاری ہے اور نیند بھی۔ اسے جگایا نہ جائے۔ طبیب اپنے ہاتھ سے اُس کے منہ میں شہد ڈالتا رہا۔

کئی گھنٹوں بعد ناصر ہوش میں آیا اور بیدار ہُوا۔ اُسے کچھ کھلایا پلایا گیا تو وہ بولنے کے قابل ہُوا۔ اُس نے سلطان کو بتایا کہ اُسے اور شگفتہ کو کس طرح اغوا کرکے سومنات تک لے جایا گیا اور وہ کس طرح وہاں سے فرار ہُوا اور اُونٹ پر یہاں پہنچا ہے۔ اُس نے سومنات کے متعلق سلطان کو تفصیلات سنائیں اور کہا کہ وہاں کے مسلمان اُس مجاہد کی راہ دیکھ رہے ہیں جو انہیں ہندوؤں کی درندگی سے نجات دلائے گا۔ ناصر نے سلطان کو چھوٹی سی مسجد کے پیش امام کا پیغام دیا۔

”یہ ہے وہ مہم جس کے اشارے مجھے میری رُوح دے رہی تھی“ ـــــ سلطان محمود نے کہا اور اُس نے ہندوستان کا نقشہ اپنے سامنے رکھ لیا۔ دیبل کے مقام پر انگلی رکھ کر اُس نے

کہا۔ "محمد بن قاسم نے پہلا معرکہ یہاں لڑا
تھا.... اور یہ ہے سومنات"۔ اُس نے
اُسی وقت اپنے سالار ابو عبداللہ محمد الطائی کو بلا لیا۔

"ابو عبداللہ!" — سلطان محمود نے کہا۔ "مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ میری آخری جنگی مہم ہوگی۔ نقشہ دیکھو۔ بڑا ہی لمبا سفر ہے اور بڑا ہی دشوار لیکن ہمیں اس سفر پر روانہ ہونا ہے۔ اگر میں وہاں تک زندہ پہنچ گیا تو میں تاریخ میں ایسے باب کا اضافہ کر جاؤں گا جو میری تمام فتوحات پر غالب آ جائے گا اور آنے والی نسلیں میرے نام کے ساتھ سومنات کا نام ضرور لیا کریں گی"۔

ابو عبداللہ نقشے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ پہاڑوں میں بھی لڑا تھا، جنگلوں، میدانوں اور صحراؤں میں بھی لڑا تھا۔ اُس نے دریائی معرکے بھی لڑے تھے لیکن نقشے پر سومنات پر نظریں جا کر وہ گہری سوچ میں کھو گیا کہ وہ اپنی فوج وہاں تک پہنچا سکیں گے!"

"جانتے ہو محمد بن قاسم کہاں سے آیا تھا؟" — سلطان محمود نے کہا — "میں اس کی تاریخ اور روایت کو زندہ کرنا چاہتا ہوں"۔

"لاہور ہمارا اپنا ہے" — ابو عبداللہ نے کہا — "وہاں سے ہم رسد وغیرہ لے سکتے ہیں۔ اس سے آگے ملتان ہمارا اپنا ہے۔ وہاں سے اونٹ لینے پڑیں گے۔ آگے بڑا وسیع صحرا ہے"۔

"سب کچھ ہے میرے رفیق!" سلطان محمود نے کہا۔ "آؤ بیٹھو۔ ایمان اور ارادہ مضبوط ہو تو کٹھن سفر بھی سہل ہو جایا کرتے ہیں"۔

دونوں نقشے پر جھک گئے اور بہت دیر منصوبہ بناتے رہے۔

سلطان محمود کو شاید احساس نہیں تھا کہ وہ ایسی مہم سر کرنے جا رہا ہے جو سر ہوگئی تو یہ اسلام کی ہندومت پر سب سے بڑی فتح ہوگی اور خود ہندوؤں کو اپنے عقیدوں پر شک ہونے لگے گا۔

غزنی سے سلطان محمود کے کوچ کی تاریخ اور سال کے متعلق مورخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اُس وقت کی تحریروں سے شہادت ملتی ہے کہ سلطان محمود نے ۱۸ اکتوبر ۱۰۲۵ء (۲۲ شعبان ۴۱۶ھ) غزنی سے کوچ کیا تھا۔ کسی بھی مورخ نے نہیں لکھا کہ اُس کی فوج کی تعداد کیا تھی۔ ہر ایک نے تیس ہزار گھوڑ سوار لکھے ہیں۔ بعض نے تیس ہزار رضاکار لکھے ہیں جنہوں نے سلطان سے کہا تھا کہ وہ باقاعدہ فوج کی طرح تنخواہ نہیں لیں گے۔ یہ صحیح ہے کہ تیس ہزار رضاکار تھے اور وہ ترکستانی تھے۔

سلطان محمود جب ہندوستان کی سرحد میں داخل ہوا تو اُس نے لاہور کو ذہن سے نکال دیا۔ اُس نے ملتان کا رخ کر لیا۔ اتنی بڑی فوج دیکھ کر یہاں کے لوگوں میں تجسس کی لہر دوڑ گئی کہ سلطان اتنی زیادہ فوج لے کر کیوں آیا ہے۔

فوج ۱۵ رمضان المبارک (۹ نومبر ۱۰۲۵ء) کے روز ملتان پہنچی۔ سلطان محمود نے سومنات کے متعلق ناصرالدولہ کی اطلاع پر فوراً کوچ کا حکم اس وجہ سے بھی دے دیا تھا کہ سردیوں کے موسم کا آغاز تھا اور یہی موسم برق رفتار پیش قدمی کے لیے موزوں تھا، ورنہ ملتان اور بہاولپور سے آگے جو ریگزار تھا وہ اُس کی فوج کا دم خم توڑ دیتا اور فوج جنگ کے لیے بےکار ہو جاتی۔

سلطان محمود کی ملتان میں آمد تیز و تند طوفان کی آمد تھی۔ اُس نے ملتان میں مقیم اپنے حکام کو اکٹھا کر کے کہا کہ فوراً اسے سومنات تک کے راستے کی دشواریوں اور دشمن کی رکاوٹوں کے متعلق مکمل معلومات دی جائیں اور یہ خاص انتظام کیا جائے کہ دشمن کے جاسوسوں کو یہ نہ پتہ چلے کہ غزنی کی فوج کا کیا ارادہ ہے۔

اتنی بڑی فوج کی اچانک آمد اور اُس کے کوچ کو پوشیدہ رکھنا ممکن نہ تھا۔ ملتان میں جاسوس موجود تھے۔ وہاں ہندو بھی آباد تھے بلکہ ہندوؤں کی آبادی زیادہ تھی۔ ملتان میں غزنی کی جو فوج اور انتظامیہ موجود تھی، اس میں ایمان فروش بھی موجود تھے۔ ہندوؤں نے اپنی خوب صورت بیٹیوں اور زر و جواہرات کا جادو چلا رکھا تھا۔ انہیں ایک ہی دن میں معلوم ہو گیا کہ سلطان محمود سومنات جا رہا ہے۔ ہندوؤں

کا شو دیو سومنات میں تھا۔ شو دیو اُن کے دیوی دیوتاؤں کا دیوتا تھا۔ سومنات کی تباہی تو دور کی بات ہے، اس کی صرف توہین کو بھی ہندو اپنی تباہی سمجھتے تھے۔ انہیں جب پتہ چلا کہ سلطان سومنات جا رہا ہے تو وہ کانپ اُٹھے۔ انہوں نے اپنی نوجوان بیٹیوں کی عصمت اور نقدی کی تھیلیوں کے عوض یہ راز حاصل کیا اور اُسی وقت در پردہ قاصد دوڑا دیئے۔

اُن کے قاصد اُن چھوٹے چھوٹے راجوں اور اُن بڑے مہاراجوں تک پہنچے جن کے ساتھ ابھی سلطان محمود کی ٹکر نہیں ہوئی تھی۔ ہندوؤں نے سومنات کو بھی قاصد بھیج دیئے کہ مہاراجہ کنور رائے کو خبردار کر دیں اور وہ غزنی کی فوج کو سومنات سے دور ہی روک لے۔

اِدھر سلطان محمود اونٹوں اور پانی کا انتظام کر رہا تھا۔ اس دوران اُسے ملتان کے ایک صوفی بزرگ ملے جنہوں نے اُسے کہا کہ اے سلطان! سومنات کو اُن قلعوں جیسا قلعہ نہ سمجھنا جو تم نے اب تک سر کیے ہیں، اور سومنات کو اُن مندروں جیسا مندر نہ سمجھنا جو تم نے اب تک تباہ کیے ہیں۔ سومنات پر حملہ ایسے ہی ہے جیسے ہندو خانہ کعبہ پر حملہ کر دیں۔ کیا ساری دُنیا کے مسلمان نہیں مر مٹیں گے؟ سومنات میں تمہارا مقابلہ بڑا ہی سخت ہوگا، اور ذہن میں رکھو کہ یہ ایک قلعے یا ایک مندر کی نہیں، یہ اسلام اور ہندو مذہب کی جنگ ہوگی۔ یہ دو عقیدوں کا تصادم ہوگا۔ یہ صحیح معنوں میں حق اور باطل کا مقابلہ ہوگا۔ اگر تم ہار گئے تو سمجھ لو کہ اسلام ہار گیا۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ جڑ پکڑ جائے گا کہ اُن کا شو دیو سچا ہے اور اُس کی طاقت کے آگے کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساحلی علاقوں کے مسلمان ہندو ہو جائیں گے یا انہیں ہندو بنا لیا جائے گا۔

"معلوم ہوتا ہے میں بہت بڑا خطرہ مول لے رہا ہوں"۔ سلطان محمود نے کہا۔

"زندگی کا اور اپنی جنگوں کی تاریخ کا سب سے بڑا خطرہ"! بزرگ نے کہا۔ "جنگی امور کو تم اچھی طرح سمجھتے ہو۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ دشمن تم سے بے خبر نہیں۔ اپنی چارپائی کے نیچے لاٹھی پھیرو، اپنی آستین میں جھانکو، تمہارے

چراغ کے نیچے اندھیرا ہے"۔

"کیا آپ مجھے کوئی ٹھوس بات بتا سکتے ہیں؟" — سلطان محمود نے پوچھا۔

"میرے شاگردوں نے تمہارے ایک حاکم کے متعلق بتایا ہے کہ وہ اپنا ایمان ہندوؤں کے ہاتھوں فروخت کر چکا ہے"۔ بزرگ نے کہا۔ "یہ حاکم شروع سے ملتان میں ہے۔ آج رات یا کسی رات جب رات آدھی گزر جائے تو اُس کے گھر پر نظر رکھنا۔ اُس کے گھر کوئی آئے گا یا وہ کسی کے گھر جائے گا"۔

*

اُسی رات سلطان محمود کو اُس نائب سالار نے جسے سلطان نے اس حاکم کے گھر پر نظر رکھنے پر مامور کیا تھا اطلاع دی کہ وہ حاکم ایک لمبا چغہ پہن کر اور سر پر کپڑا ڈال کر گھر سے نکلا اور ایک ہندو کی حویلی میں چلا گیا ہے۔

سلطان محمود نے حکم دیا کہ اُس مکان کو محاصرے میں لے کر کسی طرح اوپر چڑھا جائے اور اوپر سے کود کر اندر جایا جائے تاکہ اُس حاکم کو جرم کی حالت میں پکڑا جائے۔

حکم کی تعمیل بلا تاخیر ہوئی۔ حویلی کے دروازے پر اس لیے دستک نہ دی گئی کہ اندر کے لوگ اِدھر اُدھر ہو جائیں گے۔ حویلی کے آگے اور پیچھے آدمی کھڑے کر دیئے گئے۔ ساتھ والے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ جونہی دروازہ کھلا غزنی کے فوجی اندر چلے گئے اور گھر کے مکینوں سے پوچھ کر کہ ساتھ والی حویلی میں کس طرح اترا جا سکتا ہے، اوپر چلے گئے۔ نیچے اُترنے کا راستہ بند تھا۔ منڈیر سے رسّہ لٹکا کر ایک آدمی نیچے اُترا۔

اُسے کسی نے للکارا۔ اُسے شاید ڈاکو سمجھا گیا تھا۔ اوپر سے آواز آئی — "تم جہاں ہو وہیں کھڑے رہو ورنہ تیر آتا ہے۔ ہم ڈاکو نہیں ہیں"۔

دس بارہ آدمی رسّے سے نیچے اُتر گئے اور للکارنے والے آدمی سے پوچھا کہ غزنی کا حاکم کون سے کمرے میں ہے۔ دو کمروں کے دروازے بیک وقت کھلے۔ گھبرائے ہوئے دو تین آدمی باہر آئے اور وہ پھر اندر چلے گئے۔ غزنی کے فوجی دوڑتے

اندر گئے۔ بزرگ نے جس حاکم کی نشاندھی کی تھی وہ ایک کمرے میں تھا۔ وہ ایک میز کی طرف لپکا۔ چھاپہ مارنے والے ایک آدمی نے تلوار کی نوک اُس کے پہلو کے ساتھ لگا کر کہا ”ہاتھ پیچھے رکھو“۔ حاکم رُک گیا۔ میز پر ایک کاغذ پڑا تھا۔ دیکھا کہ اس پر پنسل سے ایک نقشہ بنا ہوا تھا۔ وہ اُٹھا لیا گیا۔

کمرے میں تین لڑکیاں تھیں جن کے حُسن میں اور لباس کی ساخت میں طلسماتی اثر تھا۔ فانوس کی روشنی کے کئی رنگ تھے۔ اس روشنی میں ان کا سراپا دیکھنے والوں کو مسحور کر رہا تھا۔ وہ نیم برہنہ تھیں۔ دوسرے کمرے سے چار ہندوؤں کو پکڑا گیا۔ سب نے شراب پی رکھی تھی۔ ہندوؤں نے چھاپہ مارنے والوں کے آگے سونے کی اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں رکھ دیں اور انہیں لڑکیاں پیش کیں اور کہا کہ ان جیسی جتنی لڑکیاں چاہیں حاضر کی جائیں گی۔ ہندوؤں نے انہیں کہا کہ وہ واپس اپنے سلطان کے پاس نہ جائیں۔ انہیں ہمیشہ کے لیے ایک محل میں جو بڑی ہی خوبصورت جگہ ہے شہزادوں کی طرح رکھا جائے گا۔ یہ لڑکیاں اُن کے ساتھ رہیں گی۔

مسلمان حاکم پر سکتہ طاری تھا۔ شراب اور ہوس پرستی کا نشہ اُتر چکا تھا۔
ان سب کو گھسیٹ کر لے جایا گیا۔ سلطان محمود جاگ رہا تھا۔

*

سلطان محمود نے لڑکیوں کو، اشرفیوں کی تھیلیوں کو اور شراب کی صراحیوں کو دیکھا، اور اُس نے اپنے حاکم کو دیکھا جو چھ برس سے ملتان میں تھا۔ اُس کے منہ سے شراب کی بُو آ رہی تھی۔ سلطان کو وہ کاغذ دیا گیا جس پر نقشہ بنا ہوا تھا۔

”اگر تم بچے ہوتے، کمسن اور نادان ہوتے تو میں تمہیں بتاتا کہ تم نے جو کچھ کیا یہ گناہ کبیرہ ہے“۔ سلطان محمود نے اپنے حاکم سے کہا۔ ”تم جانتے ہو تم کیا کر رہے تھے۔ اب میں تم سے توقع رکھوں گا کہ مجھے سب کچھ بتا دو۔ تمہارا جرم میرے سامنے کھل چکا ہے کہ تم مجھے نہیں، سلطنتِ غزنی کو بھی نہیں، اسلام کو دھوکہ دے رہے تھے۔ اس کی سزا تم جانتے ہو۔ اب تم نے اپنا ایمان نیلام کر کے ان کفار کے لیے جو کچھ کیا ہے وہ بتا دو۔ خدا تمہیں بخشش دے گا۔ اگر نہیں بتاؤ گے

تو تم جانتے ہو کہ تم جیسوں کی زبان کس طرح کھلوائی جاتی ہے۔ ان ہندوؤں میں اتنی طاقت نہیں کہ تمہیں مجھ سے اور اپنے جرم کی سزا سے بچا سکیں۔ ان پریوں جیسی دلکش لڑکیوں میں، اس شراب میں اور ان تھیلیوں میں اتنی طاقت نہیں کہ تمہیں خدا کے قہر سے بچا سکیں .... بولو“۔

حاکم سلطان کے قدموں میں گر پڑا اور سر اُس کے پاؤں میں رکھ دیا۔

”پیچھے رہو“۔ سلطان اُچھل کر پیچھے ہٹا اور گرجا۔ ”اپنا ناپاک ماتھا میرے پاؤں سے نہ لگانا۔ میں وضو سے ہوں۔ مجھے روزہ رکھنا ہے“۔ اُس نے ہندوؤں کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں عتاب تھا۔ اُس نے کہا ”تم بولو اور فوراً بولنا شروع کر دو“۔ اُس نے لڑکیوں کی طرف دیکھا اور حکم دیا ”ان تینوں کو ایک ہی کوٹھڑی میں بند کر دو اور انہیں تا مرگ اسی کوٹھڑی میں رکھو“۔

ایک ہندو ہاتھ جوڑ کر آگے ہو گیا اور سلطان سے التجا کی ”سلطان مہاراج! ان میں ایک میری بیٹی ہے۔ دوسری دو بھی معزز گھرانوں کی ہیں۔ ان کا کوئی قصور نہیں“۔

سلطان نے لڑکیوں سے پوچھا ”کیا تمہیں زبردستی اس کمرے میں لے جایا گیا تھا؟ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم سے کیا کام لیا جائے گا؟“

”معلوم تھا“۔ ایک لڑکی نے بڑی دلیری سے جواب دیا۔ ”ہمیں زبردستی نہیں لے جایا گیا تھا۔ آپ یہ نہ سمجھنا کہ جسم بیچنا ہمارا پیشہ ہے۔ ہم معزز خاندانوں کی لڑکیاں ہیں۔ ہم اپنے دھرم کی داسیاں ہیں۔ ہم نے جو کچھ کیا اپنا فرض سمجھ کر کیا۔ ہم اپنے اُن مندروں کا انتقام لے رہی ہیں جنہیں آپ نے ناپاک اور تباہ کیا ہے“۔

سلطان محمود کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ اُس نے اپنے مجرم حاکم سے طنزیہ کہا ”میں نے اِس پوری قوم کو شکست دی ہے۔ میرے اللہ کے سپاہیوں نے اس قوم کے دیوتاؤں کو شکست دی ہے مگر تم سے ان لڑکیوں نے ہتھیار ڈلوا لیے ہیں اور تم اپنی پوری فوج کو شکست دلوانے کا اہتمام کر رہے تھے“۔

”ہم اُس قوم کی بیٹیاں ہیں“ — دوسری ہندو لڑکی نے کہا ”جس کی عورتیں اپنے مرے ہوئے خاوندوں کے ساتھ زندہ جل جایا کرتی ہیں۔ اپنے دھرم اور

دیس کے لیے ہم فخر سے اپنا جسم استعمال کرتی ہیں۔"

"اس دھرتی پر اسلام نہیں رہے گا۔" تیسری لڑکی نے کہا۔ "ہمیں ہمارے مذہبی پیشواؤں نے سبق دیا ہے کہ اپنے حُسن اور جسم کو میٹھا زہر سمجھو اور اس سے اپنے دھرم کے دشمن کو مارو..... ہم آپ سے صرف یہ عرض کرتی ہیں کہ ہمیں فوراً ہلاک کر دیا جائے۔ اذیت دے کر نہ مارا جائے۔"

"میں تمہیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔" سلطان نے جو ترجمان کی وساطت سے لڑکیوں سے باتیں کر رہا تھا کہا۔ "جس دھرم کی بنیاد عورت اور ریاکاری پر رکھی گئی ہو اُس کی عورتیں تمہاری طرح فخر سے بدی کا ارتکاب کیا کرتی ہیں۔ میں تمہاری خواہش پوری کروں گا۔ تمہیں فوراً ہلاک کر دیا جائے گا..... لے جاؤ انہیں۔"

*

مجرم حاکم اور اس کے ہندو ساتھیوں نے بتا دیا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔ اس حاکم کو ہندوؤں نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ اب اسی نے انہیں بتایا تھا کہ سلطان محمود سومنات کو تباہ کرنے کے لیے جا رہا ہے اور اُس کے حکم سے آگے کے علاقے دیکھنے کے لیے آدمی چلے گئے ہیں۔ اس ٹولے نے پہلا کام یہ کیا کہ راجوں مہاراجوں کو اطلاع دینے کے لیے قاصد دوڑا دیئے اور سومنات والوں کو بھی خبردار کرنے کے لیے آدمی بھیج دیئے تھے۔ مسلمان حاکم نے ان قاصدوں سے یہ کہا تھا کہ وہ راجوں وغیرہ سے کہیں کہ جب غزنی کی فوج بہاولپور سے آگے بیکانیر کے صحراؤں سے گزر رہی ہو تو اس پر شب خون ماریں اور زیادہ تر تیر استعمال کریں۔ پانی اونٹوں پر ساتھ جا رہا تھا۔ اونٹوں پر لدے ہوئے مشکیزے تیروں سے چھلنی کر دئیے جائیں۔

ان کی سکیم یہ بھی تھی کہ تمام راستے غزنی کی فوج کو پریشان رکھا جائے اور اسے پانی سے محروم کیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ اونٹ مارے جائیں اور دُور آگے جا کر وہاں کے مقامی آدمیوں کے بھیس میں کچھ آدمی سلطان کو ملیں اور کہیں کہ وہ اس کی فوج کو قریبی اور آسان راستے سے کاٹھیاواڑ تک پہنچا دیں گے۔ یہ سلطان کو گمراہ کرنے

کا اہتمام تھا۔ جو نقشہ ہندوؤں کی حویلی سے برآمد ہوا تھا، اس میں وہ مقام اور علاقے بنے ہوئے تھے جہاں غزنی کی فوج پر شب خون مارنے تھے اور جہاں سے سلطان کو غلط راستے پر ڈالنا تھا۔

سلطان محمود نے ان سے سب کچھ اگلوا لیا تو اپنا فیصلہ سنایا۔ "ان ہندوؤں سے ان کے تمام ساتھیوں کی نشاندہی کراؤ اور ان سب کو گرفتار کرو۔ میرے پاس لانے کی ضرورت نہیں۔ ان سب کو کوٹھڑیوں میں بند کر دو تاآنکہ یہ سب مر جائیں۔ سب کی لاشیں باہر پھینک دینا۔ ان کے جو مسلمان ساتھی ہیں، وہ کال کوٹھڑیوں میں مر جائیں تو اُن کی لاشیں بھی ان کے ساتھ پھینک دینا۔ دفن نہ کرنا۔ یہ روزِ قیامت ان کافروں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔" مجرم حاکم کے متعلق اس نے حکم دیا کہ "جب فوج سومنات کو کوچ کرے، اس غدار کے پاؤں باندھ کر ایک گھوڑے سے پیچھے باندھ دیا جائے۔ جہاں یہ مر جائے اس کی لاش وہیں پھینک دی جائے۔"

فرخی سلطان محمود کا درباری شاعر تھا۔ اُس نے سلطان کے سومنات پر حملے کی پیش قدمی، راستے کی دشواریوں اور سومنات کی فتح کی منظوم داستان لکھی تھی۔ اس کی صورت ایک قصیدے کی ہے۔ اس میں ایمان فروشوں کی غداری کا ذکر ہے۔ اس کا مختصر سا ذکر "تاریخ فخر الدین مبارک شاہ" میں بھی ملتا ہے اور اس میں یہ بھی تحریر ہے کہ جب غداری بے نقاب ہوگئی تو اُس رات نمازِ تراویح کے بعد سلطان محمود تادیر شکرانے کے نوافل پڑھتا رہا۔ صبح اُس نے اپنے رفیقوں سے کہا کہ میرے اللہ کو مجھ سے کوئی بڑا ہی عظیم فرض ادا کرانا ہے۔ اسی لیے اس ذاتِ باری نے مجھے تاریکی میں روشنی دکھائی ہے، ورنہ اندھیرے میں یہ سانپ مجھے ڈس لیتے۔

جو پارٹی آگے کے علاقے دیکھنے گئی تھی، اُس نے بتایا کہ سب سے بڑی دشواری صحرا پیدا کرے گا۔ پانی کا دُور دُور تک نشان نہیں۔ سلطان محمود نے پانی کا یہ انتظام کرا لیا تھا کہ تیس ہزار اونٹ جمع کر لیے جن پر پانی کے مشکیزے لادے گئے تھے۔ گھوڑوں کو بھی پانی پلانا تھا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ہر گھوڑ سوار کو پانی سے لدنے

ہوئے دو اونٹ دیئے گئے تھے ۔ دو مؤرخین نے اونٹوں کی تعداد میں ہزار لکھی ہے لیکن اکثریت نے تعداد تیس ہزار بتائی ہے جو صحیح معلوم ہوتی ہے ۔ اونٹوں کے علاوہ ہر پیادہ سپاہی اور سوار کو حکم تھا کہ وہ جتنا پانی چھوٹے مشکیزوں میں اُٹھا سکتا ہے، ساتھ رکھے ۔

سلطان محمود نے خدا کا شکر اس لیے ادا کیا تھا کہ اُسے پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ راجوں مہاراجوں نے اُسے راستے میں پریشان کرنے کا انتظام کر رکھا ہے ۔ دشمن کے شبخونوں سے دوسرے نقصان کے علاوہ ایک نقصان یہ بھی متوقع تھا کہ کوچ کی رفتار بہت سست ہو جائے گی ۔ اگر اُسے یہ اطلاع نہ ملتی تو اُس نے فوج کو قافلے کی صورت میں لے جانے کا فیصلہ کر رکھا تھا ۔ اب اُس نے کوچ کی ترتیب بدل دی ۔ سب سے پہلے اُس نے راستے کا تعیّن کیا ۔

اُس نے ہراول کو یوں تقسیم کیا کہ دیکھ بھال کی پارٹیاں الگ کر دیں جنہیں بکھر کر بہت آگے آگے جانا تھا ۔ دائیں اور بائیں کے لیے لڑاکا جیش الگ کیے جنہیں فوج اور دیکھ بھال پارٹی کے درمیان جانا تھا لیکن دائیں اور بائیں دور دور رہ کر، تاکہ دشمن کی چھاپہ مار پارٹیوں کو فوج سے دور ہی اُلجھا لیا جائے ۔ پڑاؤ کی صورت میں اور رات کو کوچ کے دوران ان جیشوں کو باری باری ساری رات جاگنا اور چوکنّا رہنا تھا ۔ رسد اور پانی والے اونٹوں کی حفاظت کا یہ انتظام کیا گیا کہ سوار دستوں کو ان کے دائیں اور بائیں رہنا تھا ۔

غزنی کی فوج کی ایک خوبی تو یہ تھی کہ اس کا کمانڈر سلطان محمود تھا جس نے جنگی چالوں میں تاریخ میں نام پیدا کیا ہے ۔ دوسری خوبی یہ کہ اس کے چھاپہ مار جیش صحیح معنوں میں جانباز اور ذہین تھے ۔ سلطان محمود ان کی تقسیم اور ان کا استعمال دانشمندی سے کرتا تھا ۔ تیسری خوبی یہ کہ ہر سپاہی اپنے سلطان کے لیے نہیں بلکہ اپنے مذہبی عقیدے اور نظریئے کے لیے لڑتا تھا ۔ یہ سلطان محمود کی تربیت کا اثر تھا ۔ سب سے بڑی خوبی تیز رفتاری تھی ۔ جنگ کے دوران دستوں تک احکام اور ہدایات پہنچانے کا انتظام بہت تیز تھا اور جونہی کسی بڑے یا چھوٹے کمانڈر کو کوئی

حکم پہنچتا تھا ، اس پر نہایت تیزی سے عمل ہوتا تھا ۔ جنگ کے دوران دستوں کی نقل و حرکت اتنی تیز ہوتی تھی کہ دشمن بوکھلا جاتا تھا ۔

۱۲ شوال ۴۱۶ھ (۲۶ نومبر ۱۰۲۵ء) عید الفطر کے دو روز بعد سلطان محمود نے ملتان سے کوچ کا حکم دیا ۔ عید الفطر کے روز اُس نے خطبے سے پہلے تمام فوج سے خطاب کیا :

" آپ سب کو عید مبارک ہو ۔ یہ خیال ذہن سے نکال دیں کہ ہم وطن سے دور عید منا رہے ہیں ۔ جس زمین پر شہیدوں کا خون بہہ جاتا ہے ، وہ مجاہدینِ اسلام کا وطن بن جاتا ہے ۔ جہاں مردِ مجاہد کی اذان گونجتی ہے وہ اُس کا وطن ہے ۔ ہندوستان تمہارا ہے ..... یہ عید ہم میں سے کسی ایک کی آخری عید ہوگی ۔ ہم ایک ایسی مہم پر جا رہے ہیں جو ہماری زندگی کا سب سے زیادہ کڑا امتحان ہے ۔ ہندو کہتے ہیں کہ مسلمان تباہ ہونے کے لیے سومنات جا رہے ہیں ۔ آپ کو اب جو بُت توڑنا ہے اُسے ہندو طاقت کا دیوتا کہتے ہیں ۔ آپ کو یہ ثابت کرنا ہے کہ طاقت اللہ کے پاس ہے ۔ پتھر کا بُت ٹوٹنے میں سخت ہو سکتا ہے ، طاقتور نہیں ہو سکتا ۔ آپ کو ہندوؤں کے اس عقیدے کو توڑنا ہے ۔"

سلطان نے اپنی فوج کو بتایا کہ محمد بن قاسم کتنی دور سے کتنی مشکلات اور دشواریوں میں سے گزر کر ہندوستان میں آیا تھا ۔ سلطان نے کہا کہ سومنات کے مندر میں آپ جیسے مسلمان جوان آدمیوں کو ذبح کیا جاتا ہے اور تمہاری بہنوں اور بیٹیوں جیسی مسلمان لڑکیوں کو ہندو اغوا کر کے مندر کے پنڈتوں کے حوالے کر دیتے ہیں ۔ انہیں داسیاں کر کے نچایا جاتا ..... ہم اور تم سمجھ سکتے ہو کہ ان کے ساتھ اور کیا سلوک ہوتا ہوگا ۔ کیا تمہاری غیرت یہ گوارا کر سکتی ہے ؟

سلطان نے فوج کو ناصر اور شگفتہ کا واقعہ سنایا اور کہا ۔" اس کنواری مسلمان بیٹی کی لاش کنوئیں سے نکال کر کہیں باہر پھینک دی گئی ہوگی ۔ اُس نے اپنی عزت پر جان قربان کی ہے ۔ اُس کی روح مجھے راتوں کو بے چین رکھتی ہے ۔ ہمیں قوم کی اس بیٹی کا انتقام لینا ہے ۔"

سلطان محمود کا یہ خطاب اس قدر جذباتی اور اشتعال انگیز تھا کہ فوج بے چین ہو گئی اور نعروں سے سپاہیوں کے سینے پھٹنے لگے۔ یہی سلطان کا مقصد تھا۔ اس نے فوج کو راستے کی دشواریوں اور خطروں سے آگاہ کیا اور انہیں جذباتی اور ذہنی طور پر ہر خطرے کے لیے تیار کر لیا۔

*

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فوج کو ایسی ترتیب سے کوچ کرایا گیا کہ سب سے آگے والے آدمی اور سب سے پیچھے والے آدمی کے درمیان ایک سو میل کا فاصلہ تھا۔ فوج ایسے صحرا میں داخل ہو گئی جس کے متعلق سلطان نے معلومات لے لی تھیں مگر صحرا میں اور آگے جا کر اسے احساس ہوا کہ اُسے کچھ بھی نہیں بتایا گیا تھا۔

یہاں ایک غلط فہمی دور کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ متعدد تاریخوں میں لکھا ہے کہ سلطان محمود ملتان سے اجمیر گیا جہاں مہاراجہ اجمیر سے اُس کی لڑائی ہوئی اور سلطان نے مہاراجہ کو شکست دی۔ یہ غلط ہے۔ اجمیر اس راستے سے بہت ہی دور ہے جس سے سلطان گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ اُس وقت اجمیر کا وجود ہی نہیں تھا۔ اجمیر کا سنگِ بنیاد ۱۱۰۰ء میں یعنی سومنات کی تباہی کے ۷۵ برس بعد رکھا گیا تھا۔ ایک انگریز تاریخ دان سر ڈبلیو ہیگ نے لکھا ہے کہ یہ اجمیر نہیں سانبھر نام کا ایک مقام تھا جو چوہان خاندان کا دارالحکومت تھا۔ اُس دور کا نقشہ دیکھیں تو آپ کو اجمیر کہیں بھی نظر نہیں آئے گا۔

فوج جب بیکانیر کے صحرا میں داخل ہوئی تو رسد اور پانی کے اونٹوں کے دائیں اور بائیں جو سوار دستے تھے، اُن پر رات کو حملہ ہوا جس کی صورت شبخون کی تھی لیکن ہندوؤں کو معلوم نہیں تھا کہ اونٹوں کی حفاظت کا انتظام موجود ہے۔ سواروں کے درمیان وسیع شگاف تھا۔ چھاپہ مار اس میں سے گزرے لیکن اونٹوں تک پہنچنے سے پہلے ہی سواروں کے گھیرے میں آ گئے اور مارے گئے۔

دوسرا حملہ دن کے وقت ایسے علاقے میں ہوا جس میں صحرائی ٹیلے اور چٹانیں تھیں۔ ہندو تیر انداز ٹیلوں میں چھپے ہوئے تھے۔ اُن کے تیروں کی پہلی بوچھاڑ نے

کچھ نقصان کیا۔ چار پانچ اونٹوں کے جسموں میں تیر لگے۔ وہ بے مہار ہو کر بھاگ اٹھے۔ ہندو چھاپہ ماروں کو یہ خوش فہمی تھی کہ اُن کے عقب میں کچھ بھی نہیں لیکن عقب سے رسالے کا آدھا دستہ آ گیا اور چھاپہ مار کچھ مارے گئے اور کچھ پکڑے گئے۔ جو پکڑے گئے ان سے معلوم کر لیا گیا کہ اُن کے باقی چھاپہ مار کہاں کہاں ہیں۔ اس کے مطابق سلطان نے پیش بندی کر لی۔

اگر صرف صحرا کا حساب کیا جائے جو سلطان محمود کی فوج کو عبور کرنا پڑا تو یہ کم و بیش پانچ سو میل تھا۔ آگے دریا بھی تھے۔ صحرا میں گھاس کی پتی بھی نظر نہیں آتی تھی۔ گھوڑوں کو خشک دانہ اور خشک گھاس کھلائی جاتی تھی جس سے انہیں پیاس زیادہ لگتی تھی۔ اونٹ تو صحرائی جانور تھے، آسانی سے چلتے تھے، گھوڑے جلدی تھک جاتے تھے۔ سب سے زیادہ مصیبت پیادہ فوج کے لیے تھی۔ سپاہیوں کے پاؤں ریت میں دھنستے تھے۔

سب سے پہلی بڑی لڑائی لدراده (موجودہ لدوروا) کے مقام پر ہوئی جہاں دشمن لڑائی کے لیے تیار تھا کیونکہ اُسے قبل از وقت اطلاع مل چکی تھی۔ یہ بارہ دروازوں کا خاصا بڑا شہر تھا۔ سلطان نے شہر کو محاصرے میں لے کر ایسے ٹکے لگائے کہ دشمن گھبرا گیا اور شہر کے دروازے کھل گئے۔ سلطان نے شہر سے پانی اور رسد کا ذخیرہ پورا کیا اور آگے چل پڑا۔

صحرا میں اُسے دشمن سے کئی اور جگہوں پر جھڑپیں لڑنی پڑیں۔ اُس کی ترتیب اور فوج کا پھیلاؤ ایسا تھا کہ معمولی نقصان اُٹھا کر دشمن کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا گیا۔ دسمبر کے آخر میں یعنی ایک مہینہ صحرا میں گذار کر سلطان پٹن کے مقام پر پہنچا۔ وہاں ہندوؤں کی کم و بیش بیس ہزار فوج نے سلطان کا راستہ روک لیا۔ ہندوؤں کو سلطان کے ارادوں کا علم تھا اس لیے وہ سومنات کو بچانے کے لیے بے جگری سے لڑے مگر شکست کھا گئے۔ سلطان کو خاصا نقصان اُٹھانا پڑا۔ اس سے پہلے اودھے پور کے مقام پر بھی لڑائی ہوئی تھی۔

اب سلطان محمود کی فوج آج کے احمد آباد کے علاقے میں داخل ہو چکی تھی۔

سلطان کو اُس کے دیکھ بھال کے دستوں اور جاسوسوں نے بتایا کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سومنات کے مہاراجہ کو اِدھر اُدھر سے کمک مل رہی ہے اور سومنات تک پہنچنا آسان نہیں ہوگا۔ غزنی کی فوج کا یہ عالم تھا کہ تھک کر چُور ہو چکی تھی۔ صحرا کی صعوبتوں کے علاوہ لڑائیاں بھی لڑنی پڑی تھیں۔ ہندوؤں کی فوج تازہ دم تھی اور دفاعی جنگ لڑنے کے لیے تیار۔ خود سلطان محمود اور اس کے سالارِ اعلیٰ ابوعبداللہ محمد الطائی کی جسمانی حالت دگرگوں ہوتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں فوج کا دماغ تھے اس لیے اُن کے سر بھی سوچ سوچ کر دُکھ رہے تھے۔ فرخی نے منظوم داستان میں فوج کی حالت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"قوم کے بہادر تھک کر ایک دوسرے کا جسم دبا رہے تھے اور ایک دوسرے کا سہارا بنتے تھے۔ اُن کی رفتار کم ہو گئی مگر معرکے میں وہ بہت تیز تھے۔"

سلطان محمود کو جب اطلاع ملی کہ ہندوستان سے سومنات کے دفاع کے لیے کمک آ رہی ہے تو اُس نے گائیڈوں سے کمک کے متوقع راستے معلوم کر کے سوار دستے ان راستوں پر بھیج دیئے تاکہ وہ منزل کی طرف پیش قدمی بھی جاری رکھیں اور کمک کو بھی روک لیں۔ اب سواروں کا کام قدرے آسان ہو گیا تھا کیونکہ صحرا ختم ہو چکا تھا۔ موسم سرد تھا۔

*

سلطان محمود ۶ جنوری ۱۰۲۶ء (۱۴ ذی القعدہ ۴۱۶ھ) بروز جمعرات سومنات کے قریب اُس مقام پر پہنچ گیا جہاں اُسے اپنی فوج اکٹھی کر کے سومنات کو محاصرے میں لینا تھا مگر دشمن اسے سومنات کے باہر ہی روکنے کے لیے تیار تھا۔ سلطان محمود نے کچھ اپنی آنکھوں سے اور زیادہ تر جاسوسوں کے ذریعے دشمن کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ سومنات کا شہر قلعے کے اندر تھا اور یہ بہت بڑا شہر تھا۔ اس کے تین طرف سمندر تھا اور سامنے ایک وسیع اور گہری خندق تھی۔

سلطان کو پتہ چلا کہ یہاں دو راجوں کی فوج پہنچی ہوئی ہے جو قلعے سے باہر تیار ہے۔ شہر کی دیواروں پر فوج کے علاوہ ہندو شہری بھی تیر کمانیں سنبھالے کھڑے تھے۔ یہ شہری غزنی کی فوج کا مذاق اڑا رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پنڈتوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ سلطان محمود ہندوستان میں اتنے مندر تباہ کرنے اور بڑے بڑے طاقتور مہاراجوں کو اس لیے شکست دینے میں کامیاب رہا ہے کہ سومنات کا بت شیو دیوتا اُن سے ناراض تھا۔ اب شیو دیو مسلمانوں کو گھسیٹ کر اپنے گھر لے آیا ہے اور انہیں تباہ و برباد کر دے گا۔ جب شہر کا محاصرہ کیا گیا تو دیواروں سے ہندو کہتے تھے "مسلمانو! تم یہاں تباہ ہونے کے لیے آئے ہو۔ سومنات تم سے اپنی توہین کا انتقام لے گا۔"

مندر کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ دس ہزار پنڈت پوجا میں مسلسل مصروف تھے۔ نوجوان اور حسین داسیاں بھجن گا رہی تھیں اور ناچ بھی رہی تھیں۔ سارے شہر کی عورتیں مندر میں جمع ہو گئی تھیں۔ سومنات کا مہاراجہ کنور رائے قلعے کی دیواروں پر، گلیوں اور بازاروں میں گھوم پھر کر فوج اور شہریوں کو جوش دلا رہا تھا۔ کسی جگہ کا راجہ پرم دیو اپنی فوج اور اپنا خزانہ لے کر آ گیا تھا۔

سلطان محمود نے ہندوؤں کا یہ جوش و خروش دیکھا تو وہ گہری سوچ میں کھو گیا۔ اُس نے اپنے آپ کو بہت بڑے امتحان میں ڈال دیا تھا۔ وہ شہر کو جلد از جلد فتح کرنے کی سکیم بنانے لگا۔

"ابوعبداللہ!" — اُس نے اپنے سالار سے کہا — "کل جمعۃ المبارک ہے میں کل علی الصبح حملہ کرنا چاہتا ہوں۔ فوج تیار رہے" — اور اُس نے سالارِ اعلیٰ کو اپنی سکیم تفصیل سے بتائی۔

ابوعبداللہ محمد الطائی کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے حالات اُن کے خلاف ہیں۔ اُس کا خدشہ غلط نہیں تھا۔

یہ ستارہ بھی ٹوٹ گیا

نو سو پچپن سال

پہلے سومنات کے قلعے کی دیواریں لرز رہی تھیں۔ اندر "ہر ہر مہادیو" کے جے کارے تھے، باہر اللہ اکبر کے نعرے تھے۔ سارا ہندوستان نعروں اور جیکاروں کے تصادم سے ہل رہا تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے شام کے بعد اپنے سالاروں کو جمع کر رکھا تھا۔ اُس نے سب کے چہروں پر نظریں دوڑائیں۔

"آپ جو محسوس کر رہے ہیں وہ آپ کے چہروں پر لکھا ہے" — سلطان محمود نے کہا "میرا احساس آپ سے مختلف نہیں۔ کیا آپ نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ ہم ایسا کیوں محسوس کر رہے ہیں جیسے یہ ہماری زندگی کا شاید آخری معرکہ ہو گا؟... اس لیے کہ اس سے پہلے ہم قلعے فتح کرتے رہے ہیں۔ ہم مہاراجوں کے خلاف لڑتے رہے ہیں مگر سومنات نہ اُن قلعوں جیسا قلعہ ہے جو آپ نے آج تک فتح کیے ہیں، نہ یہ اُن مہاراجوں جیسے کسی مہاراجے کی جنگ ہے جنہیں آج تک آپ نے شکست دی ہے۔ آج آپ ایک مذہب اور ایک عقیدے کو سَر کرنے آئے ہیں۔ مذہب باطل ہو تو بھی اس کے پیروکار اس کی آن پر مرمٹتے ہیں۔ سومنات ہندوؤں کا قبلہ و کعبہ ہے۔ آپ نے قلعے کی دیواروں پر ان کا ہجوم اور ان کا جوش و خروش دیکھ لیا ہے۔ وہ زندگی اور موت کا معرکہ لڑنے کے لیے تیار ہیں....

"یہاں ہمیں کسی جاسوس کی راہنمائی حاصل نہیں۔ مجھے کچھ خبر نہیں کہ قلعے کے اندر کیا ہے اور جب ہم، اللہ کو منظور ہُوا، قلعے کے اندر چلے گئے تو ہمیں بتلانے والا کوئی نہ ہو گا کہ ہمارا مقابلہ کرنے کتنا ہجوم آئے گا اور کدھر کدھر سے آئے گا۔ ہمیں صرف باہر

کی خبریں مل سکتی ہیں اور مل رہی ہیں۔ دو مہاراجوں کی فوجیں ہمارا محاصرہ توڑنے کے لیے آ رہی ہیں۔ وہ ہم پر عقب سے حملہ کریں گی۔ میں آپ کو اپنی فوج کی تقسیم بتا چکا ہوں۔ میں آپ کو دوسرے خطروں اور دشواریوں سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ناتجربہ کار نہیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جو فوج اپنے وطن سے اتنی دُور لڑنے جاتی ہے، اُسے دشمن تیروں اور تلواروں سے مارنے کی بجائے بھوکا اور پیاسا مار سکتا ہے۔ یہاں کی ہوائیں بھی ہماری دشمن ہیں۔ ہمیں کہیں سے بھی رسد نہیں مل سکتی۔ تیر جو کمانوں سے نکل جائیں گے، وہ واپس نہیں آئیں گے....

"ہمیں کہیں سے بھی کمک نہیں مل سکتی۔ اگر محاصرہ طول پکڑ گیا تو رسد اور فوج کی کمی ہمیں پسپا ہونے پر مجبور کر دے گی۔ میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ ہم ناکام ہو کر پسپا ہُوئے تو فوج بددل ہو جائے گی۔ دشمن ہمیں پسپا نہیں ہونے دے گا۔ ہم میں سے کوئی خوش قسمت ہی پسپائی کی صورت میں زندہ نکل کر جائے گا۔ اُس صحرا کو ذہن میں لائیں جس سے گزرتے ہمیں اتنا عرصہ لگا ہے کہ ایک چاند ڈوبا اور ایک اُبھرا۔ اُس وقت فوج تازہ دم تھی۔ لمبے محاصرے اور ناکامی کے بعد فوج اس صحرا میں سے گزرنے کے قابل نہیں ہو گی۔ یہاں سے غزنی تک کا فاصلہ آپ کے سامنے ہے....

"میں جانتا ہوں آپ سمجھ رہے ہیں کہ مجھے اپنے وطن سے اتنی دُور ایسے شہر کو سَر کرنے کے لیے نہیں آنا چاہئیے تھا۔ مجھے آپ سے اتفاق ہے لیکن آپ کو میرے ساتھ اتفاق ہو گا کہ عمر طویل نہیں، کام ادھورا رہ گیا ہے۔ آپ میرے مقصد کو سمجھتے ہیں۔ میں سومنات کو تباہ کر کے اسے سمندر میں ڈبو دینے کی قسم کھا چکا ہُوں"۔

ایک نائب سالار نے کہا "دخل اندازی کی معافی چاہتا ہُوں۔ کیا میں یہ پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہُوں کہ ہم کیا سارے ہندوستان کے بُت توڑ چکے ہیں کہ سومنات ہی رہ گیا تھا؟ اس ایک بُت کو توڑ کر اور یہاں کے مندر کو تباہ کر کے کیا سارا ہندوستان مسلمان ہو جائے گا؟ میں کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں اتنی دُور آنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہئیے تھا"۔

سالار ابو عبداللہ محمد الطائی بول پڑا۔ اس نائب سالار سے مخاطب ہو کر اُس

نے کہا — "مجھے امید ہے کہ آپ یہ تو نہیں کہنا چاہتے کہ آپ دشمن کے خوف کے تحت بات کر رہے ہیں"۔

"بالکل نہیں" — نائب سالار نے جواب دیا — "اگر طارق بن زیاد نے سمندر پار کر کے ایک اجنبی اور دشمن ساحل پر اپنی کشتیاں جلا ڈالی تھیں تو ہم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ ہو گا کہ پسپائی کا خیال یا خوف دل میں لائے"۔

"مجھے بہت دیر بعد پتہ چلا ہے کہ سومنات کے بت کو ہندوؤں کے تمام بتوں کا آقا سمجھا جاتا ہے" — سلطان محمود نے کہا — "اگر مجھے اس روز معلوم ہو جاتا جس روز میں نے ہندوستان پر پہلی فوج کشی کی تھی تو میں بسم اللہ سومنات کے بت سے کرتا"۔ سلطان محمود نے تفصیل سے بتایا کہ سومنات میں کیا ہے اور ہندوؤں نے یہاں کے بت کے ساتھ کیسی کیسی ناقابلِ یقین روایتیں اور حکایتیں منسوب کر رکھی ہیں۔ پھر اس نے کہا — "ہم اس مقام پر آ گئے ہیں جہاں سے واپسی ناممکن ہے۔ اگر ہم اپنے اس عظیم فرض کو بھول جائیں جو خدا نے ہمیں سونپا ہے تو ہمیں اپنی زندگی کے لیے لڑنا پڑے گا لیکن آپ سب سالار ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جو سالار اپنی زندگی کے لیے لڑا کرتے ہیں وہ آگے نہیں پیچھے دیکھا کرتے ہیں اور وہ زندہ واپس نہیں جایا کرتے ....

"میں سومنات کو تباہ کر کے اپنے پیچھے یہ روایت چھوڑ جانا چاہتا ہوں کہ حق کی آواز پہنچانے کے لیے اور رسولِ عربی کا پیغام پہنچانے کے لیے دنیا کا کوئی خطہ دور نہیں اور کوئی راستہ اتنا دشوار گزار نہیں کہ اللہ کا سپاہی اس سے گزر نہ سکے۔ ہو سکتا ہے ہماری موت کے بعد کوئی اور محمود ہماری بجھی ہوئی مشعل کو اٹھا کر جلا لے اور ہندوستان کے بت خانے مسجدوں اور درس گاہوں میں تبدیل کر دے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اس ملک میں اسلام اور ہندو مت ٹکراتے رہیں گے اور ہندو محمد بن قاسم اور محمود کا انتقام مسلمانوں سے لیتے رہیں گے ....

"کل جمعۃ المبارک ہے۔ صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے محاصرہ مکمل ہو جانا چاہیے لیکن آپ کو بتایا جا چکا ہے کہ یہ محاصرہ مکمل نہیں ہو گا۔ شہر کے پیچھے تین اطراف سمندر ہے۔ سامنے خندق ہے۔ آپ کو قلعے پر یلغار کرنی پڑے گی۔ خندق کو ہم عبور کر لیں گے۔ اصل کام تیر اندازوں کو کرنا ہے۔ وہ قلعے کی دیواروں اور برجوں پر تیروں کا مینہ برسائے رکھیں گے۔ سیڑھیاں تیار کی جا چکی ہیں۔ ان سے دیواروں پر چڑھا جائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ خودکشی کی کوشش ہو گی لیکن یہ قلعہ بند شہر فتح کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں"۔

یہ ۶ اور ۷ جنوری ۱۰۲۶ء (جمعرات اور جمعہ) کی درمیانی رات تھی۔ سلطان محمود نے چند لمحے بھی آرام نہیں کیا تھا۔ اس کی سکیم کے مطابق فوجوں کی جو تقسیم ہوئی تھی اس پر عمل ہو رہا تھا۔ دستے نقل و حرکت کر رہے تھے۔ انہیں احکام کے مطابق صبح کی روشنی سے پہلے اپنی اپنی پوزیشن پر پہنچنا تھا۔ سب سے زیادہ مشکل کام ان دستوں کا تھا جنہیں شہر کی دیوار اور دروازوں پر یلغار کرنی تھی۔

سلطان محمود نے اپنے سالاروں کو اپنی سکیم ایک بار پھر بتا دی اور کہا — "اب ہندو اپنی بیٹیوں کو ہماری صفوں میں میٹھے زہر کے طور پر استعمال نہیں کر سکیں گے"۔ اس نے سالاروں وغیرہ کو رخصت کر دیا۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوؤں نے غزنی کی فوج کے سالاروں اور کمانداروں کو گمراہ کرنے اور معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنی حسین اور جوان لڑکیوں سے بہت کام لیا تھا لیکن سومنات والوں کو اس وقت پتہ چلا کہ غزنی کی فوج آ رہی ہے جب یہ فوج سومنات سے ایک دن سے بھی کم مسافت جتنی دور رہ گئی تھی۔ ہندو مہاراجے کنور رائے کو مہلت ہی نہ ملی کہ دو لڑکیوں والا حربہ استعمال کر سکتا یا غزنی کی فوج میں کوئی اور زہر پھیلا سکتا۔ ہندو جاسوس بھی بے کار ہو گئے تھے۔

*

جس وقت سلطان محمود اپنے سالاروں کے خون کو گرما رہا تھا، اس وقت سومنات کے مندر میں جیسے رات آئی ہی نہیں تھی۔ دس ہزار پنڈت شودیو کے بت کے آگے اس کیفیت میں عبادت کر رہے تھے جیسے ماتم ہو رہا ہو۔ وہ رو رو کر بھجن گا رہے تھے۔ سینکڑوں حسین اور نیم عریاں جوان لڑکیاں مسلسل رقص میں تھرک رہی تھیں۔

ایک تھکتی تھی تو دوسری ناچنے لگی تھی۔ شہری دوڑتے ہوئے مندر میں داخل ہوئے، پنڈتوں کے ہجوم کو چیرتے ہوئے بُت تک پہنچتے اور رو رو کر بُت کے قدموں میں ماتھے رگڑتے تھے۔ پنڈت، لڑکیاں اور شہری شِودیو کا قہر بیدار کرنے کے جتن کر رہے تھے مگر ان کے انداز میں خوف و ہراس نہیں تھا۔ ولولہ تھا، جوش تھا اور اپنے مذہب پر مٹنے کا عزم تھا۔ مورّخ لکھتے ہیں کہ ہندو قہر اور غضب سے پاگل ہوئے جا رہے تھے۔ وہ غزنی کی فوج کو کچا چبا جانے کا عہد کر چکے تھے اور انہوں نے یہ عہد شِودیو کے بُت کے قدموں میں ماتھا رکھ کر کیا تھا۔ کوئی ہندو نہتّہ نہیں تھا۔ وہ تلواروں، برچھیوں اور تیروں اور کمانوں سے لیس تھے۔ وہ اپنے گھروں کو اور اپنی بہو بیٹیوں کو بھول گئے تھے۔

پنڈتوں نے انہیں یقین دلا رکھا تھا کہ غزنی کی فوج کو شِودیو خود گھسیٹ کر یہاں تک لائے ہیں اور مسلمانوں کو تباہ ہونا ہے۔ ہندوؤں کے جنون کا یہ عالم تھا کہ ایک رقاصہ دوڑتی ہوئی بُت کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ اُس نے اعلان کیا "میں شِودیو کے قدموں میں دل کا نذرانہ پیش کرتی ہوں" — وہ پہلے ہی نیم عریاں تھی۔ اُس نے جس ریشمی کپڑے سے ستر ڈھانپ رکھا تھا وہ بھی اُتار پھینکا۔ مندر کے اندر سنّاٹا طاری ہو گیا۔ کسی نے اُس لڑکی کو نہ روکا۔

وہ جوان تھی اور بہت ہی حسین۔ اُس نے خنجر کی نوک اپنی آخری پسلی کے نیچے رکھی۔ نوک کو دبایا۔ خنجر کو بائیں سے دائیں زور سے جھٹکا دیا۔ اُس کا پیٹ چاک ہو گیا۔ اُس کا مرمریں جسم خون سے لال ہو گیا۔ وہ گری نہیں۔

اُس نے اپنا ہاتھ پیٹ کے اندر کیا۔ تب اُس نے چلّا کر کہا "کہاں ہے میرا دل .... مجھے بتاؤ دل کہاں ہوتا ہے" — وہ اپنے پیٹ کے اتنے بڑے زخم میں ہاتھ ڈال کر دل ٹٹول رہی تھی۔

ایک پنڈت دوڑتا ہوا اُس تک پہنچا۔ لڑکی کا سر ڈولا اور وہ گھٹنوں کے بل گری۔ پنڈت نے اُس کے پیچھے بیٹھ کر اس کی پیٹھ اپنے سینے سے لگا لی اور اِس کے پھٹے ہوئے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر ہاتھ اوپر سینے میں لے گیا۔ اُس نے خنجر جو لڑکی کے ہاتھ سے گر پڑا تھا، اٹھا لیا اور اس سے لڑکی کا دل کاٹ کر سب کو دکھایا۔ پھر اُس نے دل بُت کے دل کے مقام پر پھیر کر دل بُت کے قدموں میں رکھ دیا۔

"میں نے ایک رقاصہ کا بلیدان شِودیو کے چرنوں میں رکھ دیا ہے" — پنڈت نے بلند آواز سے اعلان کیا "یہ نہ سمجھیں کہ رقاصہ مر گئی ہے۔ اِسے شِودیو دوسرا جنم دیں گے"۔

پنڈت رقاصہ کی لاش اٹھا کر کسی اور کمرے میں لے گئے۔

ایسی ہی حسین اور جوان ایک اور رقاصہ دوڑتی بُت کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اُس نے بھی اپنے آپ کو ننگا کر دیا۔ خنجر ابھی پنڈت کے ہاتھ میں تھا۔ رقاصہ نے خنجر اُس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور اسی طرح اپنا پیٹ چاک کر کے پنڈت سے کہا کہ اُس کا دل شِودیو کے قدموں میں رکھ دیا جائے۔ وہ ابھی زندہ ہی تھی کہ پنڈت نے اُس کا دل نکال کر بُت کے دل کے مقام پر پھیرا اور اُس کے قدموں میں رکھ دیا۔

اس کے بعد باقی داسیوں نے جو رقص کیا وہ جنّات کا رقص معلوم ہوتا تھا۔ اس میں موسیقی تو تھی لیکن ناچنے والیوں کا رقص ایسا پُراسرار اور ہولناک تھا جیسے یہ ان کی زندگی کا آخری ناچ ہو۔ شہنائیاں جیسے کسی کی موت پر چیخ چلّا کر بین کر رہی ہوں۔ دف جیسے سینہ کوبی کر رہے ہوں۔ ناچنے والیاں جیسے پاگل ہو گئی ہوں۔ ان کے کپڑے اُترتے جا رہے تھے یا وہ خود اُتار رہی تھیں حتیٰ کہ وہ مادرزاد ننگی ہو گئیں مگر اُن کے رقص کی تال اور سازوں کی سنگت میں ذرا سی بھی لغزش نہیں آ رہی تھی۔

دوسرے کمروں میں پنڈتوں کی گھنٹیوں اور بھجنوں کے واویلے نے سومنات کی رات پر دہشت طاری کر رکھی تھی۔ ذرا سی دیر میں یہ خبر مندر سے باہر نکل گئی کہ ناچنے والی دو لڑکیوں نے اپنے ہاتھوں اپنے دل نکال کر شِودیو کے قدموں میں رکھ

دیئے ہیں۔ عورتوں نے سمندر پر دھاوا بول دیا۔ وہ دونوں لاشوں کے خون میں انگلیاں ڈبو کر اپنے ماتھوں پر تلک لگانے لگیں۔ خون کے تلک جب اُن کے مردوں نے دیکھے تو اُن کے جوش و خروش میں قہر پیدا ہو گیا۔ وہ تو پہلے ہی پھنکار رہے تھے۔

سومنات کی گلیوں میں وہ خبریں جو شہر کی دیواروں کے اُوپر سے آتی تھیں، اعلان کے انداز میں سارے شہر کو سنائی جا رہی تھیں اور بہت سی آوازیں گھٹاؤں کی طرح مسلسل گرج رہی تھیں "مسلمانوں کو موت یہاں لے آئی ہے۔۔۔ بھارت ماتا میں کوئی مسلمان زندہ نہیں رہے گا۔۔۔ شیو دیو کے پجاریو! مسلمانوں کی بوٹیاں سمندر میں بہا دو۔۔۔ خبردار۔۔۔ ہوشیار۔۔۔ لڑائی میں جو لڑتا ہوا مارا جائے گا اُسے شیو دیو دوسرا جنم دیں گے۔"

*

انگریزوں کے دورِ حکومت میں ہندوستان کے سکولوں میں وہ تاریخ پڑھائی جاتی رہی ہے جو ہندوؤں نے لکھی تھی اور جسے انگریزوں نے منظور کیا تھا۔ ان درسی کتابوں میں سلطان محمود غزنوی کے سترہ حملوں میں سومنات کو آخری حملہ لکھا گیا تھا اور اسے ایک عام سی قسم کا حملہ ثابت کر کے یہ بھی لکھا گیا کہ سومنات کا بُت اندر سے کھوکھلا تھا اور اس میں ہیرے جواہرات بھرے ہوئے تھے جو محمود غزنوی نکال کر چلتا بنا۔ انگریز بھی یہی چاہتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان بچوں کو سومنات کے معرکے کے پس منظر اور سلطان محمود کے جذبے سے بے خبر رکھا جائے۔ انگریز ہمیشہ مسلمان سے خائف رہا ہے۔ ہندو کو تو انگریز نے یہاں آتے ہی جسمانی طور پر نہیں بلکہ روحانی طور پر اپنا غلام بنا لیا تھا اور دونوں نے مل کر مسلمانوں کی روایت کُشی اور کردار کُشی کی تھی۔

سومنات کی جنگ کے وہ حالات اور احوال و کوائف جو عینی شاہدوں نے تحریر کیے اور جنہیں اُس دور کے مورخ عنصریؔ اور وقائع نگار البیرونی نے قلمبند کیا اور جو فرشتہ اور دیگر بہت سے مورخوں نے محفوظ کیے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ سومنات پر سلطان محمود کی فوج کشی اس قدر بڑا اور خطرناک اقدام تھا جو کوئی ایسا بادشاہ کر سکتا تھا

جس کا دماغ چل گیا ہو، یا وہ خوش فہمیوں میں مبتلا ہو یا جنگی قیادت (جرنل شپ) میں غیر معمولی مہارت اور جرأت رکھتا ہو۔ آج کے جنگی مبصر بھی جب سومنات کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اسے روس پر نپولین کی فوج کشی سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ نپولین روس میں جا کر تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ سلطان محمود بھی بظاہر تباہ و برباد ہونے کے لیے سومنات گیا تھا۔ مورخوں کے مطابق، خود سلطان محمودؔ نے سومنات پہنچ کر محسوس کر لیا تھا کہ اس کے حساب کتاب میں اُسے غلطی لگی ہے، وہ غلط جگہ آ گیا ہے۔ اسی لیے اُس نے اپنے سالاروں سے کہا تھا کہ ہم اس مقام پر آ گئے ہیں جہاں سے واپسی ناممکن ہے۔ ہم سومنات کی فتح کے لیے نہ لڑے تو ہمیں زندہ پسپا ہونے کے لیے بڑی خوفناک لڑائی لڑنی پڑے گی، پھر کیوں نہ ہم اُس مقصد کے لیے لڑیں جس کے لیے آئے ہیں۔

محمد قاسم فرشتہ نے البیرونی اور اُس دور کے دو وقائع نگاروں کے حوالے سے جن میں ایک امام مجاہد بن یونس جو فوج کے امام کی حیثیت سے سومنات آئے تھے، لکھا ہے کہ مسلمانوں کی فوج ایک جذبہ لے کر آئی تھی اور یہ جذبہ لُوٹ مار نہیں تھا۔ جذبے کے ساتھ اسے جو قیادت ملی تھی وہ اسے بڑے بڑے دشوار حالات اور خطروں سے بچانے کی اہلیت رکھتی تھی۔ ان وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ سومنات پر فوج کشی جنگی لحاظ سے اور سیاسی لحاظ سے اور مذہبی لحاظ سے ایک حیران کُن اقدام تھی جو ایک عظیم مقصد کا حامل تھا۔

انہی مورخوں اور وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ محمد بن قاسم ہندوستان پر عرب کے قیدیوں کو جنہیں مہاراجہ داہر نے اپنے قید خانے میں ڈال دیا تھا، چھڑانے آیا تھا۔ بعد میں اُس نے یہاں اسلامی حکومت قائم کرنے کی سوچی لیکن سلطان محمود غزنوی صرف اسلام کا پیغام لے کر آیا اور یہ عزم کر کے سومنات کا بت توڑ کر ثابت کرے گا کہ اُن کے چاند کے آقا کی کوئی حیثیت نہیں اور یہ محض ڈھونگ اور سوانگ ہے۔

مورخ اس پر بھی متفق ہیں کہ سلطان محمود اور اُس کا دستِ راست سالار ابو عبداللہ محمد الطائی بالکل بے خبر تھے کہ سومنات کے اندر ہندوؤں کے بچے بھی مرنے مارنے

کے لیے تیار ہیں اور سومنات کا دفاع اس سے کہیں زیادہ مستحکم اور خطرناک ہے جتنا وہ سمجھے تھے۔ سلطان خدا کی مدد کا محتاج تو رہتا ہی تھا لیکن یہاں آکر اس نے محسوس کیا کہ اسے کامیابی یا کامیاب پسپائی خدا ہی عطا کر سکتا ہے۔ اتفاق سے وہ جمعرات کے روز سومنات پہنچا تھا۔ فوج کو آرام کی ضرورت تھی لیکن اس نے جمعہ کے روز حملہ کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ یہ مبارک دن تھا۔ اس نے اپنے سالاروں کو صرف ایک رات کی مہلت دی کہ وہ اپنے اپنے دستے تقسیم کے مطابق پوزیشنوں پر لے جائیں اور رسد کو اس طرح محفوظ کیا جائے کہ دشمن کے چھاپہ مار اس تک نہ پہنچ سکیں۔ غزنی کی فوج کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ اسے رسد اور کمک ملنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔

صحیح الفاظ میں یوں کہنا چاہیئے کہ سومنات کا معرکہ اسلام اور ہندومت کا سب سے بڑا معرکہ تھا اور یہ دو مذہبوں کا ہی معرکہ تھا۔ اگر سلطان محمود کو علاقہ فتح کرنا ہوتا اور اس کا مقصد اپنی سلطنت کی توسیع ہوتا تو وہ اتنی دور نہ آتا۔ شمالی اور وسطی ہند کے کئی علاقوں کو وہ فتح کر چکا تھا۔ انہی کو مستقر بنا کر وہ ان سے ملحق علاقے اپنی سلطنت میں شامل کر سکتا تھا۔

*

بروز جمعہ ۷ جنوری ۱۰۲۶ء (۱۵ ذوالقعدہ ۴۱۶ ہجری) غزنی کی فوج میں اذان کی صدائے مقدس گونجی اور احکام کے مطابق تمام فوج نے باجماعت نماز پڑھی۔ سلطان محمود بھی فوج کی کسی صف میں کھڑا تھا۔ امام نے گڑگڑا کر فتح کی دعا مانگی اور اس کے فوراً بعد فوج نے سومنات کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرے میں سب سے نمایاں چیز جو تمام مورخوں نے لکھی ہے وہ غزنی کی فوج کے نعرے تھے جو اس قدر گرجدار تھے کہ خوف کا تاثر پیدا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں قلعے کی دیوار پر ہندوؤں کا جو ہجوم تھا، وہ اپنے نعرے لگا رہا تھا۔

سلطان محمود کسی ایک جگہ کھڑا ہو کر احکام نہیں دے رہا تھا۔ وہ مسلسل حرکت میں تھا۔ اس کے قاصد اور محافظ اس کے ساتھ بھاگ دوڑ رہے تھے۔ سب سے

پہلا کام خندق کو عبور کرنا تھا۔ دیواروں کے اوپر سے اور برجوں سے ہندوؤں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ سلطان محمود نے اپنے ہزاروں تیر اندازوں کو خندق کے کنارے کھڑا کر کے دیواروں اور برجوں پر بلا رکے تیر چلاتے رہنے کا حکم دیا۔ غزنی والوں کی کمانیں بڑی تھیں اور سخت تھیں۔ ان کے چھوڑے ہوئے تیر ہندوؤں کے تیروں کی نسبت دور مار کر سکتے تھے۔

تیر اندازوں نے آنِ واحد میں خندق کے کنارے کھڑے ہو کر تیر چلانے شروع کر دیئے۔ ان سے ہندوؤں کے سر پیچھے ہو گئے اور ان کی تیر اندازی میں کمی آ گئی۔ غزنی والوں کی تیر اندازی شدید اور تیز تر ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی سلطان محمود کی فوج نے جگہ جگہ سے خندق میں اونٹوں پر لاد کر لائے ہوئے پتھر اور مٹی پھینکنی شروع کر دی۔ یہ عمل ایسا تھا جیسے ایک جگہ سے زمین اکھاڑ کر دوسری جگہ ڈالی جا رہی ہو۔

ہندوؤں نے دیکھا کہ خندق بھرتی جا رہی ہے تو انہوں نے دیواروں پر اپنے آپ کو مسلمانوں کے تیروں کے سامنے کر دیا اور خندق بھرنے والوں پر تیر برسانے لگے۔ وہ مسلمانوں کے تیروں کا نشانہ بن رہے تھے، گر رہے تھے مگر جو گرتا تھا اس کی جگہ ایک اور ہندو آ جاتا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو خاصا نقصان پہنچایا۔ خندق ابھی آدھی بھری تھی کہ مسلمان تیر انداز اپنے ساتھیوں کو تیروں سے زخمی ہوتا دیکھ کر جوش میں آ گئے۔ وہ خندق میں کود گئے اور ایک دوسرے کی مدد سے خندق سے اوپر چلے گئے۔ وہ دیوار کے اتنی قریب چلے گئے جہاں سے وہ دیوار کے اوپر کھڑے ہندوؤں کو دیکھ سکتے تھے۔ وہاں سے انہوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔

یہ نعرۂ اللہ اکبر کا کرشمہ تھا کہ ان تیر اندازوں نے اپنے آپ کو یقینی موت کے خطرے میں ڈال دیا۔ اوپر کے تیر ان پر موسلادھار بارش کی طرح آ رہے تھے۔ غزنی کے مجاہد تیر کھا کر بھی تیر چلاتے تھے۔ یہ تیروں کا معرکہ تھا۔ خندق بھر جانے کے بعد قلعے کے دروازوں اور دیواروں پر حملہ بولنا تھا۔

خندق اتنی بھر گئی کہ فوج گزر سکتی تھی۔ چار گھوڑ سواروں نے ہاتھوں میں کلہاڑے لیے گھوڑے سرپٹ دوڑا دیئے۔ ان کا رُخ ایک دروازے کی طرف تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ دروازے تک پہنچ جائیں تو کلہاڑوں سے دروازہ توڑیں گے مگر دو تو راستے میں ہی تیروں کا نشانہ بن گئے۔ ان پر اتنے تیر آئے کہ گھوڑوں کے جسموں میں بھی تیر اُتر گئے۔ دو دروازے تک پہنچ گئے مگر دروازے کے دائیں بائیں دیوار میں چوڑے سوراخ تھے جن میں دروازے کی حفاظت کے لیے تیر انداز بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دونوں سواروں کو ختم کر دیا۔

غزنی کی فوج بند توڑ کر نکل جانے والے سیلاب کی طرح بڑھی۔ ان دستوں کے پاس بڑی مضبوط سیڑھیاں تھیں جن کی لمبائی دیواروں کی بلندی جتنی تھی۔ عقب سے تیر اندازوں نے دیوار کے اوپر اور برجوں پر تیر اور تیزی سے پھینکنے شروع کر دیئے تاکہ اوپر والوں کے سر نیچے رہیں لیکن ہندوؤں نے جان کی بازی لگا رکھی تھی۔ انہوں نے سر نیچے نہ کیے اور اُن مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے جنہوں نے سیڑھیاں اُٹھا رکھی تھیں۔

دروازے تک پہنچنا ناممکن نظر آ رہا تھا، پھر بھی کچھ جانباز ایسی پوزیشنوں تک پہنچ گئے جہاں سے وہ دروازے کے ساتھ والے سوراخوں میں تیر چلا سکتے تھے۔ ان میں بعض مارے گئے لیکن غزنی والوں کا جوش اور جذبہ پہلے سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔ سیڑھیاں دیواروں کے ساتھ لگا دی گئیں مگر اُن پر جو بھی چڑھا وہ جسم میں دو تین تیر لیے ہوئے گرا۔

اِدھر دیواروں پر چڑھنے کی کوشش ہو رہی تھی، اُدھر سمندر کی طرف ایک معرکہ لڑا جا رہا تھا۔ قلعے کا تمام نچھواڑہ سمندر میں تھا۔ ایک نائب سالار نے ہی یہ حکم دیا کہ سمندر میں کشتیاں ڈال کر دیوار تک پہنچا جائے اور دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی جائے۔ غزنی کی فوج کے پاس اپنی کشتیاں نہیں تھی۔ سمندر کا کنارہ کشتیوں سے بھرا پڑا تھا۔ یہ سومنات کی فوج کی کشتیاں تھیں۔ ایک حبش کشتیوں میں سوار ہو گیا۔ جنوری کا مہینہ تھا، اس لیے سمندر میں جوش نہیں تھا۔ کشتیوں کے ملاح ہندو تھے۔ انہیں

کہا گیا کہ وہ کشتیاں دیوار تک لے چلیں۔ کشتیوں میں سیڑھیاں بھی رکھ لی گئی تھیں۔ یہ کوشش بھی ناکام ہو گئی کیونکہ دیوار کے اوپر سے تیر آنے لگے۔ ہندو ملاح سمندر میں کود گئے۔ غزنی کے مجاہدوں نے خود چپو مارے لیکن دیوار تک پہنچنا خودکشی کے برابر تھا۔

جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا۔ خندق کو ابھی تک بھرا جا رہا تھا تاکہ آگے پیچھے ہونے کی رفتار تیز کی جا سکے۔ دونوں فوجوں کا خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ سلطان محمود نے (مورخوں کے مطابق) گھوڑے پر ہی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور دعا ختم کر کے اس نے شدید حملہ بولنے کا حکم دے دیا۔ وہ خود پیچھے کھڑا نہ رہا۔ بہت آگے چلا گیا۔ وہ فوج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے چیخ چلا رہا تھا۔

یہ حملہ اس حد تک کامیاب رہا کہ دروازے کے بالکل اوپر اور دروازے کے ساتھ دائیں اور بائیں جو مورچہ نما برج بنے ہوئے تھے، انہیں صاف کر دیا گیا اور غزنی کے سپاہی اس طرح ان کم بلندی والے مورچوں میں کھڑے ہو گئے کہ اندر سے کوئی ان میں آ کر تیر نہیں چلا سکتا تھا۔

ہندوؤں نے دلیری کا یہ مظاہرہ کیا کہ قلعے کا ایک دروازہ کھول دیا۔ اندر سے گھوڑ سوار ہاتھوں میں برچھیاں لیے تیز رفتار سے آئے اور ایسا حملہ بولا کہ خود تو مارے گئے لیکن غزنی والوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ سلطان محمود نے حکم دیا کہ کھلے ہوئے دروازے میں گھس جاؤ۔ ایک ہی بار بہت سے سواروں نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی مگر اندر سے اتنے ہی گھوڑے سرپٹ دوڑتے آ گئے۔ ان کا ٹکراؤ دروازے میں ہوا۔

اندر سے مزید سوار آ گئے۔ انہوں نے غزنی کے سواروں کو دروازے کے اندر نہ ہونے دیا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ دونوں طرف کے سپاہی ایک دوسرے [illegible] کے پیاسے نظر آتے تھے۔ غزنی والوں نے تو جیسے تہیہ کر لیا تھا ـــ "فتح یا موت" ـــ وہ سر ہتھیلیوں پر لیے ہوئے تھے اور ہندو اپنے مذہب کو اپنے سینوں پہ

[illegible]

یہ اطلاع اندر پہنچ گئی کہ غزنی کی فوج نے دروازہ کھول لیا ہے۔ اوپر والے ہندو تیر انداز ایسی جگہ آ گئے جہاں سے وہ دروازے پر تیر چلا سکتے تھے۔ انہوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ دیوار پر یہ غلط اطلاع بھی پہنچی کہ غزنی کی فوج قلعے میں داخل ہو گئی ہے۔ اوپر والے مسلمانوں کو روکنے کے لیے قلعے کے اندر اُتر گئے۔ مسلمانوں کی قیادت بڑی تیز اور ذہین تھی۔ انہوں نے فوراً دیوار کے ساتھ سیڑھیاں لگا لیں اور سپاہی ایک دوسرے کے پیچھے اوپر چڑھ گئے۔ ان کے پیچھے فوج چڑھ رہی تھی۔ لگے لمحے دیوار کے اوپر دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔

مندر تک خبر پہنچ گئی کہ مسلمان اندر آ گئے ہیں۔ تمام پنڈت جو عبادت میں مصروف تھے، اس طرح سجدے میں چلے گئے کہ پیٹ کے بل لیٹ کر ماتھے فرش پر رگڑنے لگے۔ چونکہ دروازہ ابھی کھلا تھا اس لیے غزنی کے اللہ اکبر کے نعرے مندر کے اندر تک سنائی دے رہے تھے۔ پنڈت اور دیگر پجاری سپاہی نہیں تھے۔ وہ لڑنا نہیں جانتے تھے۔ سلطان محمود نے اپنا اصول بنا رکھا تھا کہ وہ بُت توڑ دیتا، مندر کو اجاڑ دیتا مگر کسی پنڈت اور پجاری پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا۔

سومنات کے مندر میں پنڈتوں کو پتہ چلا کہ دروازہ کھل گیا ہے اور مسلمان اندر آ گئے تو وہ بُت کے آگے لیٹ گئے، اور جب اللہ اکبر کے نعروں کی گرج اُن کے کانوں تک پہنچی تو چند ایک پنڈت اٹھ کھڑے ہوئے۔ دو یورپی مؤرخوں ہیگ اور سمتھ نے لکھا ہے کہ مندر میں سینکڑوں نیم عریاں رقاصائیں موجود تھیں۔ اُن کا رقص رُک گیا تھا۔ وہ شاید سمجھ گئی تھیں کہ ان کا دیوتا ہار گیا ہے۔ ان کے چہروں پر گھبراہٹ تھی۔ چند ایک پنڈت اٹھے اور یہ سمجھ کر اُن کی زندگی کا آخری وقت آ گیا ہے، ایک ایک رقاصہ کو پکڑا اور مندر سے ملحقہ کمروں میں لے گئے۔ اس طرح مندر میں بدکاری شروع ہو گئی۔ شہری اس سے بے خبر تھے۔

شہریوں پر خوف و ہراس نہیں تھا۔ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ہتھیاروں سے لیس ہو کر نکل آئی تھیں۔ بوڑھی عورتیں مندر میں اکٹھی ہو کر عبادت میں مصروف ہو گئی تھیں۔

دروازہ کھولنے کی چال سومنات کے مہاراجہ کنور رائے کی تھی۔ وہ غزنی کی فوج کو نقصان پہنچانے میں خاصی حد تک کامیاب تھا مگر اُس کا مقابلہ غزنی کے جس جرنیل سے تھا، وہ اُس سے زیادہ دانش مند تھا اور وہ ہر موقع سے فائدہ اُٹھانے کی اہلیت رکھتا تھا۔ سلطان محمود اور اُس کے سالارِ اعلیٰ ابوعبداللہ نے دروازہ کھلنے سے یہ فائدہ اٹھایا کہ اپنی فوج کے بہت سے آدمی دروازے کے درمیان والے برجوں اور مورچوں میں کھڑے کر دیئے جہاں سے انہوں نے بڑی کارگر تیر اندازی کی۔ اُدھر فوج دیواروں پر چڑھتی جا رہی تھی۔

مہاراجہ کنور رائے نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اندر سے ایسا حملہ کرایا کہ ہندو گھوڑسوار غزنی والوں کو دھکیلتے ہوئے باہر لے گئے اور اُن کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ ہندو سواروں نے اپنا آپ سومنات پر قربان کر دیا۔ وہ اندر نہیں جا سکتے تھے۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ گئے۔ جو مسلمان بُرجوں پر قابض ہو گئے تھے اُن پر ہندو ٹوٹ پڑے۔ وہ سب لڑتے ہوئے کام آئے۔ اس کے ساتھ ہی سومنات کی فوج نے سیڑھیوں کے ذریعے اوپر آنے والے مسلمانوں پر اس قدر تیر برسائے کہ مسلمان ایک دوسرے کے اوپر گرے، اور جو اوپر چلے گئے تھے ان میں سے شاید ہی کوئی زندہ رہا ہو گا۔

دیوار کے اوپر سے اب تیروں کے ساتھ برچھیاں بھی برسنے لگیں۔ سلطان محمود نے دیکھا کہ سورج قلعے کے پیچھے چلا گیا ہے اور فوج تھک گئی ہے اور زخمیوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے تو اُس نے پیچھے ہٹ آنے کا حکم دے دیا۔

وہ رات بھر سویا نہیں۔ سالاروں کو احکام دیتا رہا۔ اُس نے زخمیوں کی عیادت بھی کی اور وہ اُن دستوں کو دیکھنے بھی گیا جو باہر سے آنے والی ہندو فوجوں کے انتظار میں تھے۔ وہ کچھ فکرمند بھی تھا۔ اُسے کامیابی مخدوش نظر آ رہی تھی لیکن وہ ہار ماننے والا آدمی نہیں تھا۔

اگلی صبح طلوع ہوتے ہی اُس نے جوش و خروش سے قلعے پر ہلہ بولا۔ سپاہیوں نے دیواروں کے ساتھ سیڑھیاں لگا لیں مگر ہندوؤں نے انہیں اوپر نہ جانے

دیا۔ سارا دن یہ عمل جاری رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ شام کو اُس نے دستے پیچھے ہٹا لیے۔

*

۹ جنوری ۱۰۲۶ء بروز اتوار، مہاراجہ کنور رائے نے ایک دلیرانہ چال چلی۔ اُس نے صبح کی روشنی صاف ہونے سے پہلے قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ اندر سے کچھ دستے باہر آئے جنہوں نے غزنی کی فوج کے کیمپ پر ہلّہ بول دیا۔ ہندوؤں کا خیال ہوگا کہ غزنی کی فوج ابھی سوئی ہوئی ہوگی یا ابھی تیار نہیں ہوگی، لیکن وہ نماز کا وقت تھا اور فوج ابھی ابھی نماز سے فارغ ہوئی تھی۔ ہندو فوج گھوڑسوار تھی۔ غزنی کی فوج کو گھوڑوں کی تیاری کی مہلت نہ ملی۔ سلطان محمود نے فوری طور پر دائیں اور بائیں اس حکم کے ساتھ قاصد دوڑا دیئے کہ ہندوؤں کی فوج کو گھیرے میں لے لو۔ ہندو بڑی دلیری سے آ رہے تھے مگر وہ دیکھ نہ سکے کہ انہیں گھیرے میں لیا جا رہا ہے۔

غزنی کے ایک دستے نے یہ حملہ کیمپ سے دور روک لیا اور اس کے ساتھ ہی ہندو دستوں پر دائیں اور بائیں سے حملہ ہو گیا۔ ہندوؤں کو یہ چال بہت مہنگی پڑی مگر معرکہ اتنا شدید اور صبر آزما تھا کہ سلطان محمود کی فوج کا بھی دم خم توڑ گیا۔ کچھ ہندو سوار گھیرے سے نکل گئے اور قلعے کی طرف بھاگے۔ اُن کے لیے دروازہ کھُل گیا۔ غزنی کے بہت سے مجاہد اُن کے تعاقب میں گئے مگر سلطان محمود نے انہیں روک لیا۔ قلعے کا کھُلا ہُوا دروازہ اُن کے لیے موت کا پھندہ ثابت ہو سکتا تھا۔

ہندو ایسی دلیری کے مظاہرے کر رہے تھے جنہوں نے سلطان محمود کو اپنی سکیم پر نظرِ ثانی پر مجبور کر دیا۔ ہندوؤں کے ساتھ اس کا یہ معرکہ نیا نہیں تھا لیکن یہاں ہندوؤں کے لڑنے کا انداز نیا بلکہ حیرت میں ڈال دینے والا تھا۔ سلطان سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے کہ ایک طرف سے شور اُٹھا۔ ایسے شور سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ قلعے کا دوسرا دروازہ کھُل گیا اور سومنات کے دو سوار اور ایک پیادہ دستے نے باہر آکر برق رفتار حملہ کر دیا مگر اب غزنی والوں کی یہ چال بے کار ہوتی

نظر آ رہی تھی کہ دشمن پر دائیں اور بائیں سے حملہ کریں کیونکہ دیواروں کے اوپر اور بُرجوں میں تیر اندازوں کا ایک ہجوم تھا جو اپنے حملہ آور دستوں کو پہلوؤں سے تیروں کی بارش سے محفوظ کیے ہوئے تھا۔

سالار ابوعبداللہ نے یہ چال چلی کہ اپنے دستوں کو یعنی محاصرے کو پیچھے ہٹ آنے کا حکم دیا۔ اسے توقع تھی کہ ہندو سوار آگے آ جائیں گے اور انہیں ایک تو گھیرے میں لیا جا سکے گا، دوسرے یہ کہ قلعے کا دروازہ توڑنے یا دھکیلنے کا موقع مل جائے گا مگر مہاراجہ کنور رائے کا دماغ پوری طرح کام کر رہا تھا اور وہ غیر معمولی جنگی ذہانت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اُس نے اپنے دستوں کو ذہن نشین کرا دیا تھا کہ قلعے کی دیوار سے اتنے فاصلے سے آگے نہ جائیں خواہ کچھ ہی ہو جائے۔ انہوں نے ابوعبداللہ کی چال بے کار کر دی۔ وہ آگے نہیں آ رہے تھے۔

ہندوؤں کی دلیری کا یہ عالم تھا کہ وہ آگے آنے کی بجائے دائیں بائیں کھُل گئے اور انہوں نے محاصرے پر جگہ جگہ حملے شروع کر دیئے۔ وہ محاصرہ توڑنے کی اور غزنی والوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان پر جنون کی کیفیت طاری تھی جیسے کوئی نشہ پی کر آئے ہوں۔ یہ مذہب کا جنون تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُن کا جنون باؤلا پن بن گیا جس کا باعث یہ ہُوا کہ قلعے کی دیواروں سے جہاں سے تیروں کا مینہ برس رہا تھا، نسوانی آوازیں آنے لگیں۔ یہ عورتوں کی للکار تھی۔ وہ اپنے سپاہیوں کو طرح طرح کے نعروں سے گرما رہی تھیں۔ ان میں ایک آواز یہ تھی — "تمہاری ماؤں بہنوں کو مسلمان اٹھا لے جائیں گے"۔ عورتوں کی چیخ و پکار ایسی تھی جیسے وہ کسی ظالم اور درندے کے چنگل میں آ گئی ہوں۔

صورتِ حال اس قدر خونریز اور غزنی والوں کے لیے اس قدر مخدوش ہو گئی کہ (محمد قاسم فرشتہ اور البیرونی کے مطابق) سلطان محمود نے اپنا مرکز اپنے مشیروں وغیرہ کے حوالے کر کے ایک منتخب دستے کی قیادت سنبھال لی اور ہندوؤں پر جوابی حملہ کیا۔ سب سے بڑی مشکل اوپر سے آنے والے تیروں اور برچھیوں نے پیدا کر رکھی تھی۔ سلطان محمود نے اپنے آپ کو ایک ہولناک خطرے میں ڈال دیا تھا۔ غزنی کی فوج کو پسپا کرنے

کے لیے اب صرف ایک تیر کی ضرورت تھی جو سلطان محمود کو لگتا اور جنگ ختم ہو جاتی۔

ابوعبداللہ محمد الطائی نے سلطان کی یہ دلیری اور یہ جذبہ دیکھا تو اُس نے ایک تیر انداز دستے کو حکم دیا کہ وہ دیوار کے اتنی قریب چلا جائے جہاں سے اوپر کے تیر انداز نظر آتے رہیں اور تیروں کا نشانہ بھی بن سکیں۔ اس دستے نے دیکھ لیا تھا کہ سلطان قلب سے آ کر ایک دستے کی قیادت کر رہا ہے۔ اس دستے کے تیر اندازوں نے جان کی بازی لگا دی۔ اب صورت یہ پیدا ہو گئی کہ دونوں طرفوں کے تیر ہوا میں ٹکرا رہے تھے۔ غزنی کے تیر انداز اوپر سے آتی ہوئی برچھیوں سے مر رہے تھے مگر انہوں نے تیر اندازی میں سُستی پیدا نہ کی۔

ابوعبداللہ کی اس چال کا یہ فائدہ ہوا کہ اوپر کے تیر اندازوں کا رُخ سلطان محمود کے دستے سے ہٹ کر دوسری طرف ہو گیا۔ ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ غزنی کے دوسرے دستوں نے اپنے تیر اندازوں کی یہ جانبازی دیکھی تو اُن میں نیا ہی جوش بلکہ قہر پیدا ہو گیا۔ وہ احکام کے بغیر آگے چلے گئے اور اس قدر تیر برسائے کہ دیوار سے ہندو تیر انداز باہر کی طرف بھی گرنے لگے۔

جو ہندو دستے باہر آئے تھے، وہ جانبازی سے لڑ رہے تھے لیکن وہ اُس حفاظت سے محروم ہو گئے جو دیوار کے اُوپر سے انہیں تیر انداز دے رہے تھے۔ سالار ابوعبداللہ کی نظر سلطان محمود پر تھی۔ سلطان پر جیسے دیوانگی طاری ہو گئی تھی لیکن وہ دماغ کو اپنے قابو میں رکھے ہوئے تھا۔ اُس نے ایسی چال چلی کہ ہندو دستے بکھرنے پر مجبور ہو گئے۔ ابوعبداللہ نے دشمن کو بکھرتے دیکھا تو ایک سوار دستہ قلعے کی دیوار کی طرف سے ہندوؤں پر حملے کے لیے بھیج دیا۔ سینکڑوں گھوڑے سرپٹ دوڑے۔ ہندو بوکھلا گئے۔ انہوں نے غزنی والوں کا بہت نقصان کیا تھا لیکن وہ خود بھی تیزی سے ختم ہو رہے تھے۔

ان میں جو بچ گئے تھے وہ دروازے کی طرف بھاگنے کی کوشش کرنے لگے لیکن مہاراجہ کنور رائے ایسا احمق نہیں تھا کہ اُن کے لیے دروازہ کھول دیتا۔ وہ بُرج میں کھڑا دیکھ رہا تھا کہ غزنی کی فوج ایسی پوزیشن میں آ گئی ہے کہ دروازہ کھلا اور یہ سیلاب کی طرح اندر آ جائے گی۔ اُس نے اپنے ان دستوں پر لکیر پھیر دی۔ ان میں سے کوئی بھی اندر نہ جا سکا نہ کوئی زندہ رہا۔ سلطان محمود کا اصول کچھ اور تھا لیکن سالار ابوعبداللہ نے کالنوں کان اپنے نائبین کو اور ان کی معرفت تمام کمانداروں سے کہہ دیا تھا کہ کوئی جنگی قیدی نہیں چاہئیے، "ہلاک کر دو۔ دشمن کا کوئی آدمی کسی بھی حالت میں سامنے آئے ہلاک کر دو"۔ اب تو جنگ کی صورت ایسی ہو گئی تھی کہ لڑنا اور مرنا تھا۔ جنگی قیدیوں کو کہاں سنبھالتے۔ البتہ دشمن کے تندرست گھوڑے اور ہتھیار جمع کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ وہاں قیدیوں کی نسبت گھوڑوں اور ہتھیاروں کی ضرورت زیادہ تھی۔

*

"کیا آپ نے ہندوؤں کو پہلے کبھی اس طرح لڑتے دیکھا تھا؟" ۔ رات کو سلطان محمود نے اپنے سالاروں، ان کے نائبین اور کمانداروں سے کہا۔ اُس نے چھوٹے درجے کے عہدیداروں اور کمانداروں کو بھی بُلا رکھا تھا۔ اُس نے کہا "آپ کو اس سے اندازہ ہو گیا ہے کہ اس جگہ کو ہندو کتنا مقدس سمجھتے ہیں۔ میں نے آپ سب کو اس لیے بلایا ہے کہ اپنے سپاہیوں کو بتا دو کہ ہندوؤں کا مذہبی جنون دیکھو اور یہی جنون اپنے آپ میں پیدا کرو..... انہیں میری طرف سے خراجِ تحسین پیش کرنا۔ انہوں نے آج احکام کے بغیر جو مظاہرے کیے ہیں، ان کا صلہ انہیں خدا دے گا۔ اس جذبے میں فرق نہ آنے پائے۔ میں کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتا کہ کل کیا ہو گا اور اس جنگ کا انجام کیا ہو گا۔ میں اپنی فوج کے مجاہدوں کو یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ اگر ہم یہاں ہار گئے تو آنے والی نسلیں بھی کہیں گی کہ ہندوؤں کا سومنات دیوتا سچا تھا اور انسانوں کی زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں تھی اور اسلام کوئی مذہب نہیں۔ ہمارے بعد آنے والے لوگ ہمیں لٹیرا اور قاتل کہیں گے۔ ہمیں اسلام کی عظمت اور صداقت کا ثبوت دینا ہے یا یہیں ختم ہونا ہے۔ اس جنگ کو آپ عام قسم کی جنگ نہ سمجھ لینا۔ کل کا دن آج کے دن سے زیادہ جان لیوا اور ہمت آزما ہو گا۔ آپ کو تاریخ میں ایک نقش چھوڑنا ہے تاکہ قیامت تک جو غزنی کا نام لے سومنات کا نام بھی ضرور

سے اور کہے کہ سومنات غزنی کے قدموں میں پڑا ہے۔"

سلطان محمود نے انہیں جنگی نوعیت کی ہدایات دیں اور انہیں کہا کہ یہ جنگ بہت جلدی ختم کرنی ہے کیونکہ نفری کم ہو رہی ہے، اور رسد میں بھی تیزی سے کمی آ رہی ہے اور یہ کمی پوری کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ ہمارا دشمن عقل مند اور دلیر ہے لیکن وہ یہ طریقہ نہیں سوچ سکا کہ ہم پر حملہ کرنے کی بجائے دفاع میں لڑتا رہے۔

اور محاصرہ طویل ہو جائے تاکہ ہم اپنی رسد ختم کر دیں۔ وہ ہمیں تیروں سے نہیں بھوک سے مار سکتا ہے۔ بیشتر اس کے کہ دشمن یہی چال چل جائے ہمیں شہر میں داخل ہونا ہے۔ میں بھوکی اور زخمی بلی کی طرح نہیں، شیر کی طرح شہر میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔"

غزنی والوں نے یہ رات بھی جاگتے گزار دی۔

*

سلطان محمود نے ان لوگوں کو رخصت کیا تو اُسے اطلاع دی گئی کہ ایک ہندو رشی جو بہت بوڑھا ہے ایک نوجوان لڑکی کو ساتھ لایا ہے۔ وہ سلطان سے ملنے آیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ قلعے میں سے آیا ہے۔ اُس کی اور لڑکی کی جامہ تلاشی لے لی گئی تھی۔ سلطان نے اس خیال سے انہیں بلا لیا کہ مہاراجہ کنور رائے کا کوئی پیغام ہو گا جو صلح کا بھی ہو سکتا تھا، دھمکی کا بھی اور کسی سودا بازی کا بھی۔

وہ بوڑھا سر سے پاؤں تک جوگیا لباس میں تھا۔ اُس کے بال عورتوں کی طرح لمبے اور اس کی داڑھی بھی لمبی تھی۔ وہ بوڑھا تھا اور اس کے بال زیادہ تر سفید تھے لیکن اس کی آنکھوں میں جوانی کی چمک اور چہرے پر ایسی رونق تھی جو ہندوؤں کے چہروں پر کم ہی ہوا کرتی تھی۔ سلطان محمود اس سے متاثر ہوا۔ اس بوڑھے کے ساتھ جو لڑکی تھی، وہ چادر میں تھی۔ اس کا سر اور آدھا چہرہ بھی ڈھانپا ہوا تھا۔ بوڑھے نے اُس کے سر سے چادر اتار دی۔ سلطان محمود نے چونک کر لڑکی کو دیکھا۔ اُس نے اتنی دل کش لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی یا اُس نے کسی عورت کو کبھی غور اور دلچسپی سے نہیں دیکھا تھا۔ اِس لڑکی نے اُس کی نظروں کو گرفتار کر لیا۔

"آپ کیوں آئے ہیں؟" — سلطان محمود نے بوڑھے سے پوچھا "کیا آپ کو سومنات کے مہاراجہ نے بھیجا ہے؟" — اُس نے دونوں کو بٹھا لیا۔ وہ اس بوڑھے کے ساتھ اسی علاقے کے ایک مسلمان کے ذریعے بات کر رہا تھا۔

"میں مہاراجہ کی طرف سے کوئی پیغام نہیں لایا" — بوڑھے نے کہا۔ اُس کے لب و لہجے میں ایک تاثر تھا جو سلطان نے محسوس کیا اور وہ سمجھ گیا کہ یہ بوڑھا معمول آدمی نہیں۔ بوڑھا کہہ رہا تھا "میں مہاراجہ کی اجازت سے آیا ہوں۔ اُس نے مجھے چار گھوڑ سواروں کے ساتھ قلعے سے نکال کر راستہ دکھایا تھا۔ میں اپنا پیغام لایا ہوں۔ میں سومنات کا پنڈت نہیں۔ میں یہاں ہر سال پندرہ بیس دنوں کے لیے آیا کرتا ہوں۔ میرا ٹھکانہ ہمالیہ کے دامن میں ہے جہاں برف جمی رہتی ہے۔ اب بھی یہاں چند دنوں کے لیے عبادت کرنے آیا تھا کہ آپ آ گئے۔ آپ نے تین دنوں میں دیکھ لیا ہے کہ سومنات کے رہنے والے کس طرح قہر بنے ہوتے ہیں۔ اپنے نقصان کو دیکھیں۔ آپ پر جو قہر برسا ہے وہ سومنات کے انسانوں کا نہیں، یہ اُس دیوتا کا قہر ہے جس کے پاؤں سمندر میں اور سر آسمانوں میں ہے۔ میں اُس کا خاص پجاری ہوں۔"

"کیا آپ مجھے اپنے دیوتا سے ڈرانے آئے ہیں؟" — سلطان محمود نے مسکراتے ہوئے پوچھا — "اور اس لڑکی کو آپ ہندوؤں کے رواج کے مطابق تحفے کے طور پر لائے ہیں؟"

"اپنے آپ کو گمراہ نہ ہونے دیں سلطان!" — بوڑھے رشی نے کہا "میں نہ ڈرانے آیا ہوں نہ کوئی تحفہ لایا ہوں۔ میں آپ کے فائدے اور آپ کی نجات کے لیے آیا ہوں۔ میں آپ کو ایک پیشکش کرنے آیا ہوں۔ شودیو کی طاقت سے آپ واقف نہیں۔ اس طاقت کا صرف ایک ذرہ شودیو نے مجھے دیا ہے۔ یہ ذرہ ایسا ہی ہے جیسے صحرا میں ریت کا ایک ذرہ یا سمندر میں پانی کا ایک قطرہ۔ اس ایک ذرے اور ایک قطرے کی طاقت دیکھنی ہے تو دکھا دوں گا۔ اس سے آپ اس دیوتا کی طاقت کا اندازہ کر سکیں گے۔"

"اور یہ لڑکی ؟"

"یہ زندہ نہیں، ایک روح ہے"۔ بوڑھے نے کہا۔ "آپ کو شاید کسی نے بتایا نہیں کہ جو مر جاتا ہے اُس کی روح سومنات میں آجاتی ہے۔ یہ روح بڑی دُور سے آئی تھی۔ میں نے آج اسے حاضر کیا اور اسے اپنے ساتھ لے آیا۔ اگر یقین نہ آئے تو میں اسے ہوا میں معلق کر کے دکھا سکتا ہوں"۔

اُس نے لڑکی کا سر اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا اور اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرگوشیوں میں کچھ کہا۔ لڑکی کا سر ڈولنے لگا۔ بوڑھے نے اُسے بازوؤں پر اٹھا لیا اور اُسے کہا۔ "تم پلنگ پر ہو۔ ٹانگیں اور سر سیدھا کر لو"۔ لڑکی کا جسم یوں سیدھا ہو کر اکڑ گیا جیسے پلنگ پر لاش پڑی ہو لیکن وہ بوڑھے کے بازوؤں پر تھی۔ بوڑھے نے اپنے بازو اُس کے نیچے سے نکال لیے۔ لڑکی اکڑی ہوئی ہوا میں معلق رہی۔ بوڑھے نے لڑکی کی چادر اُس پر اس طرح ڈال دی کہ وہ سر سے پاؤں تک چادر میں چھپ گئی۔

سلطان کے دو محافظ خیمے کے دروازے میں اندر کھڑے تھے۔ بوڑھے رشی نے ایک محافظ سے کہا۔ "تلوار نکالو اور اس لڑکی کے پیٹ پر اتنی طاقت سے وار کرو کہ اس کا جسم دو حصوں میں کٹ جائے"۔

محافظ نے سلطان کی طرف دیکھا۔ وہ بغیر اجازت کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ سلطان نے اُسے اشارہ کیا کہ بوڑھے نے جو کہا ہے وہ کرو۔ محافظ نے تلوار نکالی اور پوری طاقت سے لڑکی کے پیٹ پر وار کیا مگر وہاں کسی کا پیٹ نہیں تھا جو کٹ جاتا۔ صرف چادر تھی جو تلوار کے ساتھ لپٹ کر زمین پر جا پڑی۔ لڑکی غائب تھی۔

حیرت سے محافظ کا رنگ پیلا پڑ گیا لیکن سلطان محمود مسکرا رہا تھا۔

"یہ جسم نہیں تھا"۔ بوڑھے نے کہا۔ "تلوار سے آپ جسم کو کاٹ سکتے ہیں، روح کو نہیں۔ اگر آپ حکم دیں تو میں آپ کو تھوڑی سی دیر کے لیے اُس دیس میں بھیج سکتا ہوں جہاں سے یہ روح آئی تھی"۔

دو وقائع نگاروں، ابنِ ظفیر اور سبط ابن الجوزی نے اُس دَور کی ایک تحریر

کا حوالہ دے کر یہ واقعہ کچھ اختصار سے بیان کیا ہے۔ ایک بار سلطان محمود کے پیر و مرشد شیخ ابوالحسن خرقانی نے اُسے کہا تھا کہ ہندوستان جادوگروں اور شعبدہ بازوں کی حسین سرزمین ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم یا تمہارے سالار یا انتظامی شعبوں کے وہ حکام جو ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں میں رہتے ہیں، اس جادو اور شعبدہ بازی کے اسیر ہو جائیں۔ ہندو وہ قوم ہے جو یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح اپنی خوبصورت بیٹیوں کے ذریعے اپنے دشمن کو اُسی طرح پھانس کر چوس لیتی ہے جس طرح مکڑی مکھی کو اپنے جالے میں پھانس لیتی ہے۔ شیخ خرقانی نے سلطان کو تفصیل سے بتایا تھا کہ ہندوستان میں کیسی کیسی شعبدہ بازیاں ہوتی ہیں۔

سلطان محمود خود بھی عالم تھا اور اُسے علم و دانش سے گہری دلچسپی تھی۔ اُس نے ہندوستان کے متعلق بہت کچھ پڑھا اور سنا تھا۔ وہ ہزارہا جنگی قیدیوں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ان میں علم و فضل والے لوگ بھی تھے۔ ان سے اُس نے بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ بعض باتیں سن کر وہ حیران رہ جاتا تھا اور بعض شعبدے دیکھ کر اُسے یقین نہیں آتا تھا کہ کسی انسان میں ایسی شعبدہ بازی کی طاقت ہوتی ہے۔ اُس نے ہمالیہ میں زندگی بسر کرنے والے یوگیوں کے قصے بھی سنے تھے جن میں سے بعض نے ایسی طاقت حاصل کر رکھی تھی کہ نصف گھنٹے سے بھی زیادہ دیر تک نہ صرف اپنی سانس روک سکتے تھے بلکہ اپنے دل کی حرکت تک ساکن کر لیتے تھے۔ نبضیں رک جاتی تھیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ شخص زندہ ہے مگر وہ دل کی حرکت خود ہی رواں کر کے زندہ ہو جاتے تھے۔ یوگا یہی ساڑھے تین ہزار سال پرانا علم یا طریقہ تھا جس میں مہارت حاصل کر کے یوگی تندرست کو مریض اور مریض کو تندرست کر لیا کرتے تھے۔

یوگ (یوگا) کو آج کے سائنسدان اور ماہرین طب و نفسیات اہمیت دے رہے ہیں۔ اس میں اپنے آپ کو اور دوسروں کو ہپناٹائز کرنے کے طریقے خاص طور پر شامل ہیں، اور اس میں ٹیلی پیتھی بھی شامل ہے جسے جدید علم نفسیات اپنی اختراع سمجھتا ہے۔ یہ دراصل ہزاروں سال پہلے کے یوگیوں کے

ایجاد کیے ہوئے طریقے تھے۔

یہ بوڑھا رشی لڑکی کو غائب کر کے سلطان محمود کی طرف یہ کہتا ہوا آہستہ آہستہ بڑھا کہ وہ سلطان کو بھی تھوڑی سی دیر کے لیے عالمِ ارواح میں پہنچا دے گا۔ سلطان نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور مسکرا کر اُسے روک دیا۔ وہ نہ رکا تو ایک محافظ نے اُسے بازو سے پکڑ کر روک لیا۔ ترجمان نے اُسے اُس کی زبان میں کہا کہ سلطان کے اشارے کی خلاف ورزی نہ کرے۔

"اور اسے کہو کہ یہ مجھے تھوڑی سی دیر کے لیے روحوں کے دیس میں پہنچا سکتا ہے اور میں اسے اُس دیس میں ہمیشہ کے لیے پہنچا سکتا ہوں"۔ سلطان محمود نے کہا۔ "اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میری تلوار اس کی گردن کاٹ دے گی تو لڑکی خود بخود سب کو نظر آنے لگے گی۔ اسے کہو کہ لڑکی کو فوراً میرے سامنے لائے اور اسے کہو کہ میں یہاں شعبدہ بازی دیکھنے نہیں آیا"۔

بوڑھے رشی نے لڑکی کی چادر دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر جھٹکا دیا اور اپنے بازو آگے کو پھیلا دیے۔ چادر تن گئی اور لڑکی اس چادر میں سے برآمد ہوئی۔ لڑکی پر غنودگی سی طاری تھی۔ سلطان محمود نے محافظوں سے کہا کہ اس بوڑھے کو باہر لے جائیں۔ اُسے لے گئے تو سلطان نے لڑکی سے کہا کہ وہ بتا دے کہ یہ بوڑھا جادوگر کس ارادے سے یہاں آیا تھا۔ اگر وہ نہیں بتائے گی تو اُسے بہت بُری موت مرنا پڑے گا۔ ان کے درمیان ترجمان موجود تھا۔

لڑکی کچھ دیر سلطان کو دیکھتی رہی۔ اُس کے چہرے پر حیرت کا تاثر تھا۔ اُس نے کہا۔ "مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ مسلمانوں کے بادشاہ ہیں.... آپ کیسے بادشاہ ہیں جو مجھے موت کے حوالے کرنا چاہتے ہیں؟.... میں وہ کھلونا ہوں جسے کوئی بادشاہ اور کوئی مہاراجہ کسی دوسرے بادشاہ اور مہاراجہ کو نہیں دینا چاہتا۔ میں اپنی قدر و قیمت سے واقف ہوں"۔

"اور میں اُس مقصد سے واقف ہوں جس کے لیے یہاں آیا ہوں"۔ سلطان محمود نے کہا۔ "میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ اس شعبدہ باز کو مہاراجہ نے بھیجا ہے یا یہ خود آیا

ہے؟ مجھے تمہارے جسم اور تمہارے حسن کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تمہیں عزت سے رخصت کروں گا اور مجھے یہ بھی بتاؤ کہ اندر کیا ہو رہا ہے"۔

لڑکی نے ترجمان کی طرف دیکھا اور اُسے کہا۔ "تم باہر چلے جاؤ"۔

ترجمان نے سلطان کو بتایا کہ لڑکی اُسے باہر جانے کو کہہ رہی ہے۔ سلطان نے لڑکی کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھا اور بڑی دھیمی آواز میں کہا۔ "اگر تم یہاں مرنے کے لیے آئی ہو تو میں تمہاری موت کا انتظام فوراً کر دوں گا لیکن تمہاری موت تلوار کے ایک وار سے نہیں ہو گی۔ تمہیں ٹخنوں سے باندھ کر رسّی گھوڑے کے پیچھے باندھ دی جائے گی اور گھوڑا شہر کے دروازے کی طرف دوڑا دیا جائے گا۔ وہاں تک تمہاری صرف ہڈیاں رہ جائیں گی"۔

لڑکی نے بتا دیا کہ اُسے مندر کے سب سے بڑے پنڈت اور مہاراجہ نے اپنے پاس بلا کر کہا تھا کہ اس بوڑھے کے ساتھ جاؤ۔ اگر اسے سلطان تک جانے کی اجازت مل گئی تو یہ اپنا کام کرے گا اور اس کے بعد لڑکی اپنا کام کرے گی۔ لڑکی کو سلطان پر اپنے حسن اور نوجوانی کا طلسم طاری کرنا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ سلطان انسان ہے۔ وہ اس کے جال میں آ جائے گا، اور شراب ضرور پیتا ہو گا۔ لڑکی نے ایک انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ اُس نے انگوٹھی کا اوپر کا حصہ انگوٹھی سے الگ کر دیا اور بتایا کہ اُسے یہ زہر دیا گیا تھا جو اُسے سلطان پر اپنا طلسم طاری کر کے اُسے شراب یا مشروب میں [illegible] نا تھا۔

لڑکی نے انگوٹھی کو اُلٹا کیا تو اس میں سے تھوڑا سا سفوف زمین پر گرا۔ لڑکی نے اس پر پاؤں مار کر اسے مٹی میں ملا دیا۔ اُس نے اندر کی حالت یہ بتائی کہ ایک طرف تو پنڈت بُت کے آگے لیٹ لیٹ کر اور ماتھے رگڑ رگڑ کر رو رہے ہیں، اور دوسری طرف وہ ناچنے والیوں کو اندھیرے کمروں میں لے جا کر بدی میں مصروف ہیں۔ انہیں کہا جا رہا ہے کہ شیو دیو عصمتوں کی قربانی مانگ رہا ہے۔ لڑکی نے شہر کی کیفیت بھی بتائی اور کہا کہ ہر شہری سومنات کو بچانے کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہے لیکن اُن پر خوف بھی طاری ہے۔

"میں اس مندر کی داسی ہوں" ۔۔۔ لڑکی نے کہا "ہندو مجھے اور مجھ جیسی لڑکیوں کو پاک اور مقدس سمجھتے ہیں مگر ہم اس مندر اور اس شیودیو کی حقیقت سے آگاہ ہیں ۔ نہ ہم پاک ہیں نہ پنڈت اور پروہت پاک ہیں ۔ میرا کوئی مذہب نہیں ۔ مجھے آپ اپنی داسی بنالیں ۔ یہی میرا مذہب ہے ۔"

سلطان محمود نے زیادہ باتیں نہ کیں ۔ بوڑھے رشی کو اندر بلایا ۔

"مجھے ہندوستان میں آئے پچیس برس گذر گئے ہیں" ۔۔۔ سلطان نے بوڑھے سے کہا "کیا تم میرے پاس یہ سمجھ کر آئے ہو کہ مجھے ہندوستان کی ان شعبدہ بازیوں کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ؟ کیا میں لوگوں کی حیران کن طاقتوں سے واقف نہیں ؟ میں ایک سچے مذہب کا پرستار ہوں یوگی مہاراج ! میں اُس مذہب کا پرستار ہوں جس کی بیٹیوں کی عصمت پر ہم جانیں قربان کر دیا کرتے ہیں ۔ ہم ہندوؤں ، یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح اپنی بیٹیوں کو ننگا نہیں نچایا کرتے اور انہیں دشمن کے خیموں میں نہیں بھیجا کرتے ۔"

"میں اس بحث کے لیے نہیں آیا کہ مذہب کس کا سچا ہے" ۔۔۔ بوڑھے نے ایسی باوقار آواز میں کہا جیسے وہ سلطان محمود کو چھوٹا سا آدمی سمجھتا ہو "اپنے وطن اور اپنے مذہب کی خاطر ہماری بیٹیاں اپنا آپ اور اپنی عزت قربان کر دیا کرتی ہیں ۔ یہ ہمارے مذہب کا حکم ہے ۔ آپ کی عمر مجھ سے بہت کم ہے سلطان ! آپ اپنی بیٹیوں کی عصمتوں کی حفاظت کے لیے ہمیشہ زندہ نہیں رہیں گے ۔ ہماری بیٹیاں آپ کے مردوں کو عصمتوں کے شیدائی اور سوداگر بنانے کے لیے زندہ رہیں گی ۔ میں نے آپ کی بات پوری نہیں ہونے دی تھی ۔ مجھے معلوم ہے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ۔ وہ میں کہہ دیتا ہوں تاکہ آپ کا وقت ضائع نہ ہو ۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ اپنی بیٹیوں کو یہ سبق دیں کہ اپنے دشمن کو کس طرح بیکار کر سکتی ہیں ۔ میں آپ کو راز کی بات اس لیے بتا رہا ہوں کہ میری چال ناکام ہو گئی ہے ۔ آپ میرے قتل کا حکم دے دیں ۔ اس لڑکی کو بھی مار دیں یا اسے مالِ غنیمت سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیں لیکن میں آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ ہماری لڑکیاں مسلمانوں کے مذہب اور

ایمان کو خرید لیں گی ۔ بھارت ماتا میں اسلام نہیں رہے گا ۔"

سلطان محمود بوڑھے کی باتیں بڑی غور سے سن رہا تھا ۔ اس کے چہرے پر نہ غصے کا تاثر تھا نہ اکتاہٹ کا ۔ لطیف سا تبسم تھا جو اس کے ہونٹوں کو ذرا سا خم دیئے ہوئے تھا ۔

"قتل ہونے سے پہلے میں آپ کو مہاراجہ کنور رائے کی طرف سے ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں" ۔۔۔ بوڑھے نے کہا ۔ "آپ جتنی دولت اور جس قدر زر و جواہرات مانگیں گے آپ کے خیمے میں پہنچا دیئے جائیں گے ۔ اس عمر اور اس حسن کی آپ جتنی لڑکیاں مانگیں گے آپ کو پیش کر دی جائیں گی ۔ آپ واپس چلے جائیں ۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ واپسی کے دوران کوئی فوج آپ کو پریشان نہیں کرے گی ۔ اگر آپ کو یہ پیشکش قبول نہیں تو میں آپ کو خبردار کر دیتا ہوں کہ کم از کم تین مہاراجوں کی فوجیں کل شام تک پہنچ جائیں گی ، اور آپ پر عقب سے ایسا حملہ ہوگا کہ آپ ہندوستان کی جنگی طاقت اور سومنات کی دیواروں کے درمیان پس جائیں گے ۔ آپ کا کوئی ایک بھی سپاہی واپس جا کر یہ بتانے کے لیے زندہ نہیں رہے گا کہ غزنی کی فوج کا انجام کیا ہوا ہے ۔"

خیمے میں ایک محافظ کی آواز گرجی "خاموش .... سگِ ہند" اور اس نے تلوار نکال لی ۔

سلطان محمود نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا اور کہا "یہ ہمارا قیدی نہیں مہمان ہے ۔ اپنے مہاراجہ کا ایلچی ہے" ۔۔۔ سلطان نے بوڑھے سے کہا "میں معافی چاہتا ہوں میرے محافظ نے آپ کو ہندوستان کا کتا کہا ہے ۔"

"اگر کسی مہاراجہ کے دربار میں ایسی گستاخی کرتا تو اسے اسی وقت قتل کر دیا جاتا" ۔۔۔ بوڑھے نے کہا ۔

"ہم سب اس وقت خدا کے دربار میں ہیں" ۔۔۔ سلطان محمود نے کہا "خدا کے دربار میں کوئی کسی کو قتل نہیں کر سکتا ۔ یہ لوگ میرے حکم سے نہیں ، خدا کے حکم سے یہاں آئے ہیں ۔ مجھے ان کی صرف قیادت کا فرض سونپا گیا ہے ۔

میں ان کے جذبات، ان کے غصے اور ان کے قہقہوں کو زنجیریں نہیں ڈال سکتا"

سلطان بولتے بولتے اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس نے محافظ سے کہا — "اس بزرگ کو اور اس لڑکی کو اپنی حفاظت میں عزّت سے قلعے کے دروازے تک چھوڑ آؤ"۔ اُس نے بوڑھے سے کہا — "اپنے مہاراجہ سے کہنا کہ تم سومنات کو ایک بوڑھے یوگی، ایک آبرو باختہ حسین لڑکی اور ذرا سے زہر کے ذریعے نہیں بچا سکتے۔ ہم یہاں سے زندہ نکل جانے کی خواہش لے کر نہیں آئے۔ جائیے یوگی مہاراج! اس لڑکی کو ساتھ لے جائیے"۔

بوڑھا رشی سلطان کو کچھ دیر دیکھتا رہا، پھر وہ بے اختیار ہو کر آگے بڑھا اور سلطان کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوما اور بولا — "مجھے صاف نظر آنے لگا ہے کہ فتح سلطان کی ہو گی"— اور وہ لڑکی کو ساتھ لے کر محافظ کے ساتھ خیمے سے نکل گیا۔

*

اگر سومنات کی جنگ کا حال لمحہ بہ لمحہ لکھا جائے تو ایک ہزار صفحوں کی کتاب بن جاتے۔ ہندوؤں نے غزنی کی فوج اور سلطان محمود کو ذہنی طور پر بیکار کرنے کے لیے زمین دوز حربے استعمال کئے تھے۔ فوج کی نفری نے انفرادی طور پر جس شجاعت اور فرض شناسی کے مظاہرے کئے وہ بڑی لمبی داستان ہے۔ اس جنگ کا شمار تاریخ کی چند ایک مشہور جنگوں میں ہوتا ہے۔ تاریخ اسلام کا تو یہ بہت بڑا معرکہ تھا جسے ہندو مورخوں نے دو چار سطروں میں بیان کر کے اس کی اہمیت پر پردہ ڈال دیا ہے۔

اُس رات — جس رات بوڑھا رشی سلطان کے پاس آیا تھا، ایسی صبح کو جنم دیا جو ہندوستان اور غزنی کی تاریخوں میں اور خصوصاً اسلام کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کی جائے گی۔ سلطان محمود شہر کی دیواروں اور دروازوں پر نئے انداز سے حملہ کرنے کے احکام دے رہا تھا۔ اسے اطلاع ملی کہ عقب میں دشمن کی دو فوجیں نیم دائرے میں آگئی ہیں اور وہ غزنی کی فوج کو گھیرے میں لے رہی ہیں۔

سلطان نے اس صورتِ حال سے نپٹنے کا بندوبست کر رکھا تھا مگر وہ حیران رہ گیا کہ یہ فوجیں اپنی خاموشی سے کس طرح آگئی ہیں۔ اُس نے سالارِ اعلیٰ ابوعبداللہ

کو محاصرے کی قیادت کے لیے وہیں چھوڑا اور ہدایت دی کہ ابھی حملہ نہ کیا جائے بلکہ تیاری کی حالت میں رہا جائے۔ وہ دشمن کی چال سمجھ گیا تھا۔ اُس نے سالارِ اعلیٰ سے کہا — "پیچھے سے ہم پر حملہ ہوتے ہی شہر کے دروازے کھلیں گے اور اندر کی فوج باہر آکر ہم پر حملہ کرے گی۔ پہلوؤں کو پھیلا دو۔ دشمن جب آگے آجائے تو پہلوؤں سے نکل کر شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرنا"۔

پیچھے سے آنے والی ایک فوج راجہ پرم دیو کی تھی جسے بعض مورخوں نے برہم دیو لکھا ہے اور دوسری فوج راجہ دیو آسرم کی تھی۔ سلطان محمود نے جو دستے عقب کا حملہ روکنے کے لیے پیچھے رکھے تھے، ان کا کمانڈر سالار ابوالحسن تھا۔ سلطان گھوڑا سرپٹ دوڑاتا وہاں پہنچا۔ صورتِ حال مخدوش تھی۔ اُس نے جاتے ہی تیزی سے صورتِ حال کا جائزہ لیا اور حکم دیا کہ آمنے سامنے کی ٹکر نہ لی جائے۔ دونوں پہلوؤں سے حملہ کر دیا جائے۔ سلطان خود ایک بلند جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ گھوڑے دوڑ پڑے اور اللہ اکبر کے نعروں سے زمین و آسمان ہلنے لگے۔

اُدھر شہر کے دونوں دروازے کھلے اور سومنات کی فوج بہت تیزی سے باہر آئی اور پھیل کر بڑی خطرناک ترتیب میں ہو کے محاصرے پر حملہ آور ہوئی۔ اب غزنی کی فوج محاصرے میں تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد سلطان محمود کے چہرے پر پریشانی نظر آنے لگی۔ دونوں راجوں کی فوجیں پہلوؤں پر حملے کو روکنے کے لیے تیار تھیں۔ انہوں نے فوراً اپنی ترتیب بدل لی۔

یہ لڑائی نہیں قہر تھا۔ بڑی تیز لڑائی تھی اور بڑی تیزی سے دونوں فریقوں کی نفری کٹ کٹ کر گر رہی تھی۔ اِدھر سالارِ اعلیٰ ابوعبداللہ بڑی کامیابی سے سومنات کی فوج کو روکے ہوئے تھا مگر ہندو زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہے تھے۔

آدھا دن گذر گیا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ غزنی والوں کو اپنی شکست صاف نظر آنے لگی تھی۔ اس جنگ پر دو مستند کتابوں کا۔ ملاث التواریخ" اور "تاریخ الکی" میں لکھا ہے کہ راجوں کی فوج کو تازہ دم کمک مل رہی تھی۔ محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے:

"سلطان محمود نے جب دیکھا کہ اس کی کوئی چال کامیاب نہیں ہو رہی تو وہ گھوڑے

سے کود کر اُترا اور قبلہ رُو ہو کر دو نفل پڑھے، پھر دعا مانگی۔ وہ اکثر معرکوں کے دوران ایسے ہی کیا کرتا تھا اور نہ صرف اُس میں بلکہ پوری فوج میں نیا جوش اور تازگی پیدا ہو جاتی تھی.... سالار ابوالحسن اس کے قریب کھڑا تھا۔ سلطان نے ابوالحسن کا ہاتھ پکڑا اور کہا۔ "ابوالحسن! فتح تمہاری ہے"۔ اُس نے سالار کو گھوڑے پر سوار ہونے کو کہا، خود بھی سوار ہوا۔ اُس نے اپنا جھنڈا اونچا کرنے کو کہا اور سپاہیوں کی طرح میدانِ جنگ میں شامل ہو گیا۔ ہر طرف اعلان ہونے لگے۔ "سلطان لڑ رہے ہیں.... غزنی کے مجاہدو! سلطان تمہارے ساتھ ہے"۔

اس کا فوج پر وہی اثر ہوا جو اس سے پہلے کئی معرکوں میں دیکھنے میں آیا تھا۔ پروفیسر محمد حبیب نے کچھ مورخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب سلطان محمود خود لڑائی میں شریک ہوا اُس وقت اُس کے ہاتھ میں اپنے مرشد شیخ ابوالحسن خرقانی کا جبہ تھا جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا اور اسے اُس نے عقیدت کے طور پر اپنے گھوڑے کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔

فرشتہ کے مطابق سلطان کا یہ حملہ اتنا دہشت ناک تھا کہ دونوں راجوں کی فوجوں کا رابطہ ٹوٹ گیا، پھر ان کی مرکزیت ٹوٹی۔ غزنی کے چند ایک جانبازوں نے دونوں راجوں کے قلب پر حملہ کر کے اُن کے جھنڈے گرا دیئے اور راجے میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد راجوں کی فوج کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ تھوڑی سی دیر میں کم و بیش پانچ ہزار ہندو فوجیوں کی لاشیں غزنی کے گھوڑوں کے قدموں میں کچلی جا رہی تھیں۔ راجوں کے پیچھے پیچھے سپاہی بھاگے لیکن غزنی کے گھوڑسواروں نے انہیں بھاگنے نہ دیا۔

*

سلطان محمود کو سومنات کی فوج اور اپنے سالارِ اعلیٰ ابوعبداللہ کے معرکے کی رپورٹیں ملیں۔ اُس نے سالارِ اعلیٰ کو پیغام بھیجا کہ لڑتے لڑتے پیچھے ہٹنے کی کوشش کرو۔ سالارِ اعلیٰ نے اس حکم پر عمل کیا تو سومنات کی فوج آگے آ گئی۔ شہر کے دروازے بند تھے۔ سلطان محمود نے سالار ابوالحسن سے کہا کہ وہ سومنات کی فوج کے پیچھے

اُس پر حملہ کرے۔

جب پیچھے سے حملہ کیا گیا تو ہندوؤں کو پتہ چلا کہ اُن کی مدد کے لیے جو فوجیں آئی تھیں وہ ختم ہو چکی ہیں اور وہ اب گھیرے میں آ گئے ہیں۔ وہ دفاعی لڑائی لڑنے لگے اور پیچھے نکل کر شہر کے اندر جانے کی کوشش کرنے لگے مگر وہ نکل نہ سکے۔ غزنی کا ایک جیش جو دروازے اور دیواریں توڑنے کے لیے تربیت یافتہ تھا، دروازے توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دیواروں کے اوپر جو ہندو کھڑے تھے انہوں نے شہر میں خبر پھیلا دی کہ اُن کی فوج کٹ گئی ہے۔ یہ خبر بالکل صحیح تھی۔ ابن الاثیر اور ابنِ ظفیر لکھتے ہیں کہ ہندو سپاہی مذہبی جنون سے لڑ رہے تھے لیکن جو مذہبی جذبہ مسلمانوں میں تھا اور جو قیادت مسلمانوں کی تھی، اس کے آگے ہندوؤں کا مذہبی جنون ختم ہو گیا اور وہ جانیں بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ شہر میں خبر پھیلی تو بہت سے ہندو فوجی پچھلے دروازے سے جو سمندر میں کھلتا تھا، باہر نکلے۔ وہاں سینکڑوں کشتیاں موجود تھیں۔

اس کی اطلاع سلطان کو مل گئی۔ اُس نے حکم دیا کہ اُدھر کے دستے کشتیوں پر قبضہ کر کے اُدھر والے دروازے سے اندر جائیں۔ اس دستے نے فوراً وہاں پہنچ کر بہت سی کشتیوں پر قبضہ کر لیا اور بھاگتے ہوئے ہندو فوجیوں پر تیر برساتے ہوئے کشتیوں میں دروازے تک پہنچ گئے۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہاں کوئی مزاحمت نہیں تھی۔

اِدھر دونوں دروازے کھول لیے گئے۔ بعض مورخ کہتے ہیں کہ ہندوؤں نے دروازے خود کھولے تھے۔ اُن کا مقصد غالباً یہ تھا کہ غزنی کی فوج کو شہر کی گلیوں کی بھول بھلیوں میں لڑایا جائے۔ غزنی کی فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ شہریوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ گروہ در گروہ مقابلے کے لیے آئے اور کٹ کٹ کر گرے۔ انہوں نے چھتوں سے تیر برسائے۔ ہندو عورتوں نے اوپر سے پتھر مارے جو انہوں نے اسی مقصد کے لیے گھروں میں جمع کر رکھے تھے۔ غزنی والوں نے چند ایک مکانوں کو آگ لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ سومنات کی

فوج ایک طرف تو کٹ گئی ہے اور جو اندر تھی وہ پچھلے دروازے سے سمندر کے راستے بھاگ گئی ہے۔ اس سے شہریوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور سومنات کی جنگ ختم ہو گئی۔

اس جنگ میں سومنات کے جو شہری، باہر سے آئے ہوئے زائرین اور جو ہندو فوجی مارے گئے تھے ان کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ سمندر کے راستے جو فوجی بھاگے تھے، اُن کی تعداد چار ہزار تھی لیکن یہ سب بھاگ نہ سکے۔ ان میں سے بہت سے غزنی والوں کے تیروں کا نشانہ بن گئے تھے کچھ سمندر میں کود گئے اور ڈوب کر مر گئے۔ چند ایک کشتیاں اُلٹ بھی گئی تھیں۔

سومنات کا مندر سلطان محمود کے قدموں میں پڑا تھا۔ یہ ۹ جنوری ۱۰۲۶ء (۱۶ ذی القعدہ ۴۱۶ھ) کا دن تھا۔

*

سلطان محمود نے جب مندر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ یہ فنِ تعمیر کا شاہکار تھا۔ مندر کی سیڑھیوں پر پنڈتوں کا ہجوم کھڑا تھا۔ سب نے ہاتھ جوڑے ہوئے تھے۔ اُن کے چہروں پر خوف تھا۔ سلطان محمود کے متعلق تاریخوں میں آیا ہے کہ وہ پنڈتوں اور پجاریوں کو نہ قید کرتا تھا نہ انہیں کوئی اور سزا دیتا تھا۔ اُس نے سومنات کے پنڈتوں کو ہاتھ جوڑے اپنے سامنے کھڑے دیکھا تو حکم دیا کہ انہیں کہو ہاتھ نیچے کرلیں، میں سومنات کا بُت نہیں ہوں، اور انہیں کہہ دو کہ انہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔

سلطان سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ یہ فتح اُسے بہت مہنگی پڑی تھی۔ اُس نے اپنے ایک محافظ سے جنگی کلہاڑا لیا اور اُس چبوترے پر چڑھ گیا جس پر شیودیو کا بُت کھڑا تھا۔ کلہاڑے سے بُت کی ناک توڑ دی اور حکم دیا کہ اس بُت کو توڑ دیا جائے۔ بڑا پنڈت اور چند دوسرے پنڈت سلطان کے قدموں میں گر پڑے اور التجا کی کہ وہ سلطان کو سومنات کی تمام دولت دے دیں گے وہ بُت نہ توڑے اور مندر کو اسی طرح کھڑا رہنے دے۔ سلطان نے انہیں کہا کہ وہ اتنی دُور سے یہاں غزنی کی ہزاروں ماؤں کے بیٹے مروانے کے لیے نہیں آیا تھا۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ دو سالاروں نے اور سلطان کے اپنے بیٹے مسعود نے جو اُس کے ساتھ تھا، سلطان سے کہا کہ ان کی پیش کش مان لی جائے (سلطان محمود کے تین بیٹے، عبدالرشید، مسعود اور محمد اس کے ساتھ آئے تھے)۔ سلطان محمود نے مسکرا کر اور تھکے تھکے سے لہجے میں کہا "کیا تم لوگ میری عاقبت خراب کرنا چاہتے ہو؟ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ یوں پکارے کہ کہاں ہے وہ محمود جس نے سب سے بڑا بُت توڑا تھا۔ میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یوں نہ کہیں کہ لاؤ ہمارے سامنے غزنی کے محمود کو جس نے زر و جواہرات کے عوض بُت پرستوں کو بُت بخش دیا تھا.... کیا یہ میرے لیے بہتر نہیں کہ تاریخ مجھے بُت فروش نہ کہے بُت شکن کہے؟"

سلطان نے حکم دیا "اس بُت کے دو ٹکڑے غزنی جائیں گے۔ ایک میرے گھر کے باہر دروازے میں رکھا جائے گا اور دوسرا غزنی کی جامع مسجد کے دروازے کے باہر جہاں یہ ہر کسی کے پاؤں تلے آئے۔ اس کا ایک ٹکڑا مدینہ منورہ اور دوسرا مکہ معظمہ بھیج دیا جائے۔"

فرشتہ نے اور بہت سے دوسرے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ آج بھی اس بُت کا ایک ایک ٹکڑا غزنی میں سلطان کے محل کے بیرونی دروازے میں، دوسرا جامع مسجد کے دروازے میں، تیسرا مدینہ منورہ اور چوتھا مکہ معظمہ میں موجود ہے۔

مندر کی عمارت ساگوان کے ۵۶ ستونوں پر کھڑی تھی۔ سلطان نے شیودیو کا بُت تڑوا کر باہر پھینک دیا اور مندر سے تمام خزانہ نکال کر ستونوں کو آگ لگا دی۔ تھوڑی دیر بعد ہندوستان کا سب سے بڑا بُت خانہ جس میں "جلندر کے آقا" کا بُت تھا اور جو مرے ہوئے انسانوں کو دوسرا جنم دیتا تھا" ہیبت ناک گڑگڑاہٹ سے جلنے کا ڈھیر بن گیا۔ غزنی کی فوج نے ملبہ سمندر میں پھینک دیا۔ پیچھے مندر کی صرف بنیادیں رہ گئیں۔

تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ہندوؤں کا یہ الزام غلط اور بے بنیاد ہے کہ سومنات کا بُت اندر سے کھوکھلا تھا اور ہیرے جواہرات سے بھرا پڑا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ تراشا ہوا بُت نہیں تھا۔ یہ ایک چٹان کا لمبوترا ٹکڑا تھا جس کے

خدو خال انسانوں جیسے تھے اور اسے مرد کے جنسی جذبے کی غلاظت سمجھا جاتا تھا۔ ہندو مذہب جلسیت کی بنیادوں پر کھڑا ہے۔

سومنات کا مہاراجہ کنور رائے لاپتہ تھا۔ سلطان محمود نے وہاں سے جو زر و جواہرات سمیٹے اُن کی مالیت آج کے اربوں روپوں جتنی تھی۔

جب مندر کے اندر آگ لگی ہوئی تھی، سلطان محمود شہر کی دیوار پر کھڑا دیکھ رہا تھا۔ شہر میں کہیں کہیں سے جلتے ہوئے مکانوں کا دھواں اُٹھ رہا تھا۔ لوگ شہر خالی کر رہے تھے۔ سلطان نے باہر دیکھا منظر ہولناک تھا۔ زمین دُور دُور تک لال تھی اور لاشوں پر لاشیں پڑی تھیں۔ زخمی اٹھنے اور چلنے کی کوشش کر رہے تھے بعض اٹھتے تھے اور گر پڑتے تھے۔ وہ ہندو تھے۔ انہیں اُٹھانے والا کوئی نہ تھا کوئی پانی پلانے والا نہ تھا۔ شہر کے لوگ دروازوں سے نکل کر جا رہے تھے۔ وہ اپنے زخمیوں کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

غزنی کے سپاہی اپنے ساتھیوں کی لاشیں اُٹھا رہے تھے اور زخمیوں کو بھی اٹھا اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ سلطان محمود کی نظریں میدانِ جنگ میں گھوم رہی تھیں اور اس پر سنجیدگی طاری تھی۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کیا سوچ رہا تھا۔ اُس نے قلعے کے سامنے والے دونوں دروازوں کو دیکھا۔ اُسے شہر سے جانے والے ہندوؤں میں عورتیں اور بچے نظر آئے۔ اُس نے اپنے ساتھ کھڑے کسی آدمی سے کہا کہ نیچے جا کر شہر کے لوگوں سے کہو کہ وہ ہمارے ڈر سے اپنے گھروں سے نہ بھاگیں۔ انہیں غزنی کی فوج کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

"کیا یہ لوگ اب بھی نہیں سمجھیں گے کہ فتح اور شکست، زندگی اور موت پتھر کے ایک ٹکڑے کے ہاتھ میں نہیں، خدا کے ہاتھ میں ہے؟" — سلطان محمود نے کہا۔

اُسے کوئی جواب نہ ملا۔

*

سلطان محمود کے محکمہ جاسوسی نے وہاں کے چند ایک مقامی آدمیوں کو اپنے محکمے میں شامل کر لیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ جن راجوں کی فوجوں نے غزنی کی فوج

پر پیچھے سے حملہ کیا تھا، وہ راجہ پرم دیو نے کرایا تھا۔ اس حملے میں غزنی کے تین ہزار سپاہی مارے گئے تھے۔ سلطان کو بتایا گیا کہ پرم دیو سومنات کے شمال میں ایک سو بیس میل دُور گندادی کے مقام پر ہے اور یہ مقام چاروں طرف سے سمندر میں گھرا ہوا ہے۔

سلطان محمود اس قدر غصے میں تھا کہ اُس نے گندادی کی طرف پیشقدمی کا حکم دے دیا۔ جب سلطان وہاں پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ قلعے تک پہنچنا ممکن نہیں کیونکہ چاروں طرف سمندر تھا۔ ایک طرف پانی کم تھا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ پرم دیو نے اپنے آپ کو قلعے میں قید کر رکھا ہے۔ محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے کہ ایک رات سلطان محمود نے قرآن کی تلاوت کی، کچھ خاص آیات پڑھیں اور رو رو کر خدا سے راہنمائی اور مدد کی دعا کی۔ اگلی صبح اُس نے دیکھا کہ سمندر کا پانی پیچھے چلا گیا ہے۔ جدھر سے پانی کم ہوا تھا وہاں دلدل تھی۔ سلطان نے دلدل میں ہی گھوڑے ڈال دیئے اور قلعے تک جا پہنچا۔

غزنی کی فوج نے قلعے پر حملہ کیا اور تھوڑی ہی دیر میں قلعے کا دروازہ کھل گیا۔ پتہ چلا کہ راجہ پرم دیو سمندر کے راستے نکل بھاگا ہے۔ اُس کی فوج سومنات کے میدان میں مسلمانوں سے شکست کھا کر آئی تھی۔ اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان محمود نے حکم دیا کہ گندادی کو اجاڑ دیا جائے۔

سلطان محمود کچھ دن وہیں ٹھہرا۔ یہ گجرات کا علاقہ تھا جس کی آب و ہوا سلطان کو اتنی اچھی لگی کہ اُس نے گجرات میں سلطنتِ غزنی کا دارالحکومت بنانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے بیٹے مسعود سے کہا کہ وہ غزنی چلا جائے اور وہاں کی سلطنت سنبھال لے۔

"کیا سلجوقی اور خراسانی یہ نہیں کہیں گے کہ سلطان محمود میدان چھوڑ کر بھاگ گیا ہے؟" — مسعود نے کہا۔ "ہم نے خراسان کا علاقہ بڑے جوان مروا کر فتح کیا تھا۔"

"آپ یہاں کسی مقامی راجہ کو اپنا امیر مقرر کر دیں" — ایک مشیر نے کہا — "غزنی ایسا مرکز ہے جو آپ کی غیر حاضری میں اپنی مرکزیت اور اہمیت کھو بیٹھے گا۔"

سلطان محمود مان گیا۔ وہ سومنات واپس چلا گیا اور بہت سوچ بچار کے بعد راجہ دیو آسرم کو سومنات کا گورنر مقرر کر دیا اور غزنی واپس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اُس نے دیو آسرم سے کہا کہ وہ اب ملتان کے راستے واپس نہیں جانا چاہتا

اور کسی اور راستے سے اُسے واقفیت نہیں۔ دیوآسرم نے سلطان کو وہ راستہ بتایا جو رن کچھ میں سے گذر کر بلوچستان کو جاتا تھا۔ بلوچستان سے سلطان آسانی سے غزنی پہنچ سکتا تھا۔

"ہم سلطان کو ایسے آدمی دیں گے جو اُن کی راہنمائی کریں گے"۔۔۔ راجہ دیوآسرم کی رانی بھی موجود تھی۔ کہنے لگی ۔۔۔ "رن کچھ اور اس سے آگے کے صحرا میں پانی اُن ہی لوگوں کو مل سکتا ہے جو اس صحرا سے واقف ہیں"۔

*

غزنی کی فوج فاتحانہ انداز سے واپس جارہی تھی۔ اس کی نفری اب خاصی کم تھی۔ لاشیں سومنات کے ایک میدان میں دفن کردی گئی تھیں۔ زخمی ساتھ تھے اور بے شمار اونٹ اُس خزانے سے لدے ہوئے تھے جو اس جنگ کا مالِ غنیمت تھا۔ اب فوج اللہ اکبر کے نعرے نہیں لگارہی تھی، سپاہی مل کر جنگی ترانے گاتے جارہے تھے۔ وہ سومنات کو جاتے ہوئے بھی صحرا سے گذرے تھے۔ اس ظالم صحرا کو وہ ساری عمر نہیں بھولے ہوں گے۔ اب بھی اُن کے سامنے ویسا ہی اجنبی اور بے رحم صحرا تھا مگر اب ان کے تاثرات اور جذبات کی کیفیت ایسی تھی جیسے اُن کی پیاس ہمیشہ کے لیے بجھ گئی ہو۔ ان کی روحیں فتح سے سرشار اور ترو تازہ تھیں۔

فوج صحرا میں داخل ہوگئی۔ پھر تین چار دن گذر گئے۔ پانی کا کہیں نشان نظر نہ آیا۔ گھوڑوں کو پانی پلانا تھا۔ انسان اپنے لیے جو پانی ساتھ لائے تھے وہ ختم ہو چکا تھا۔ اب سلطان محمود نے ایسا حکم نہیں دیا تھا کہ مشکیزے پانی سے بھر کر اونٹوں پر لادلیے جائیں کیونکہ گائیڈوں نے اُسے یقین دلایا تھا کہ وہ اُسے ایسے راستے سے لے جائیں گے جہاں پانی کی بہتات ہے۔ اب گائیڈوں سے پوچھا گیا کہ پانی کہاں ہے تو وہ کہتے رہے کہ آگے ہے۔ اس طرح انہوں نے ایک دن اور گذار دیا۔

اگلے دن جب فوج میں بے چینی پھیل گئی، سپاہی پیاس سے نڈھال ہو گئے اور گھوڑوں میں چلنے کی سکت نہ رہی تو سلطان محمود نے اپنے سالاروں ابوعبداللہ محمد الطائی اور ابوالحسن سے کہا کہ اُسے کچھ شک ہو رہا ہے۔ دونوں گائیڈوں کو بلاؤ۔

گائیڈ آئے تو وہ اچھی طرح چلنے کے قابل نہیں تھے۔ ان کے سر ڈول رہے تھے۔

"کیا تم پیاس سے مر نہیں رہے ہو؟"۔۔۔ سلطان محمود نے اُن سے پوچھا۔

"مر رہے ہیں سلطان!"۔۔۔ ایک گائیڈ نے جواب دیا۔

"تم کہتے تھے کہ اس صحرا میں پانی کی افراط ہے"۔۔۔ سلطان محمود نے کہا۔

"ہاں سلطان! اس صحرا میں پانی کی کمی نہیں"۔

"کہاں ہے پانی؟"

"جہاں تک آپ زندہ نہیں پہنچ سکیں گے"۔۔۔ گائیڈ نے جواب دیا۔

"کیا تم دانستہ ہمیں پانی سے دور لے آئے ہو؟"

"دانستہ"۔۔۔ گائیڈ نے کہا۔۔۔ "ہم اپنا کام کرچکے ہیں"۔

"کیا تم ہمیں گمراہ کرنے کے لیے ساتھ آئے تھے؟"۔۔۔ سلطان نے غصے سے پوچھا۔۔۔ "کیا تم جانتے نہیں تھے کہ تم قتل ہو جاؤ گے؟"

"سب کچھ جانتے تھے سلطان!"۔۔۔ گائیڈ نے کہا۔۔۔ "ہم اپنی جانیں شنودیو کے حوالے کرکے سومنات سے آپ کے ساتھ چلے تھے۔ آپ کو یاد نہیں جب راجہ دیوآسرم آپ کو راستہ سمجھا رہا تھا تو اُس کی رانی نے کہا تھا کہ وہ آپ کو ایسا راہنما دے گی جو آپ کو اس راستے سے لے جائیں گے جہاں پانی کی کوئی کمی نہیں۔ اُس نے ہمیں بتایا تھا کہ اُس نے آپ سے یہ وعدہ کیا ہے۔ وہ آپ کو یہ دھوکہ نہیں دینا چاہتی تھی سلطان! جب آپ سومنات کو تباہ برباد کر رہے تھے اُس وقت ہم دونوں یہاں نہیں تھے۔ ہم آئے تو تباہی مکمل ہوچکی تھی۔ ہم آتی رائیں سوچ بھی نہ سکے۔ ہم نے بہت ترکیبیں سوچیں کہ آپ کو قتل کیا جائے مگر کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ ہمیں پتہ چلا کہ آپ کو راہنماؤں کی ضرورت ہے تو ہم دونوں نے

اپنے آپ کو پیش کیا۔ ہم اس صحرا سے واقف ہیں۔ ہم خوش ہوئے کہ صرف آپ سے نہیں، غزنی کی پوری فوج سے انتقام لیں گے۔ ہم آپ کو پانی سے بہت دُور لے آئے ہیں۔ ہم کل مر جائیں گے۔ ہم نے شودیو کی توہین کا انتقام لے لیا ہے۔ اب ہمیں زندہ رہنے کی خواہش نہیں۔ اگر آپ ہمیں قتل کر دیں گے تو یہ آپ کا ہم پر کرم ہوگا۔ ہم پیاس کی اذیت سے بچ جائیں گے،،

سلطان نے حکم دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔

*

فوج کی حالت ویسی ہی ہو رہی تھی جیسی ان دو گائیڈوں کی تھی۔ گائیڈوں نے غلط نہیں کہا تھا کہ وہ کل تک مر جائیں گے۔ انہوں نے بڑا ہی خوفناک انتقام لیا تھا۔ سومنات کا شودیو سچا معلوم ہوتا تھا۔ اُسی رات (محمد قاسم فرشتہ، فرخی اور "مجموعہ الانصاب" کے مطابق) سلطان محمود نے عشاء کی نماز کے بعد خیمے سے باہر چند نوافل پڑھے۔ اُس کی فوج کے گھوڑے پیاس سے ہنہنا رہے تھے۔ کچھ سپاہی کراہ بھی رہے تھے۔ صحرا کی بے رحمی انتہا کو پہنچ رہی تھی۔ سلطان کو نوافل کے دوران جانوروں اور انسانوں کی پیاسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ سلطان ان آوازوں کو سمجھتا تھا اور یہ بھی سمجھتا تھا کہ اُس کی فوج میں سے بیشتر سپاہی کل رات اُس کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ ظالم ریگزار اُن کے جسموں سے نمی کا آخری قطرہ بھی چوس لے گا۔

سلطان نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور وہ ایسا رویا کہ اُس کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا۔ خدا جانتا ہے اُس کے بندوں کے دلوں میں کیا ہے اور خدا یہ بھی جانتا تھا کہ یہ فوج اُس کے نام کے نعرے لگا کر باطل پر ٹوٹی تھی۔ آسمان میں ایک ستارہ ٹوٹا جو شہابِ ثاقب تھا۔ ایک شعلہ ایک سمت کو اُڑا اور صحرا کے تاریک افق پر روپوش ہو گیا۔ فرشتہ نے اسے ایک "پُراسرار روشنی" لکھا ہے لیکن دوسرے مؤرخوں نے اسے شہابِ ثاقب کہا ہے جو زیادہ صحیح ہے۔

سلطان محمود کے دل سے آواز اُٹھی کہ جدھر شہابِ ثاقب گیا ہے، اُسے اُسی

سمت جانا چاہیئے۔ اسے وہ خدا کا اشارہ سمجھا اور اُس نے اُٹھ کر بہانگِ بلند اعلان کیا۔ "خدا نے اشارہ دے دیا ہے۔ کل ہم انشاء اللہ پانی پر ہوں گے"۔

انہی تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ اس صحرا میں کبھی پرندہ نظر نہیں آیا تھا۔ یہ رات گذری اور صبح طلوع ہوئی تو سلطان محمود کو اُوپر فضا میں پرندوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اُس نے اُوپر دیکھا اور بے اختیار بولا۔ "یہ پانی کے پرندے ہیں"۔ وہ اس غول کو دیکھتا رہا۔ غول دُور جا کر نیچے چلا گیا۔ یہ وہی سمت تھی جدھر رات کو شہابِ ثاقب گیا تھا۔ سلطان نے اُس سمت کوچ کا حکم دے دیا۔

دوپہر کے کچھ دیر بعد جب فوج کا دم خم ٹوٹ چکا تھا اور کئی سپاہی ہذیانی حالت میں مبتلا ہو گئے تھے، پانی نظر آ گیا۔ یہ تھوڑا سا پانی نہیں تھا بلکہ وسیع جھیل تھی۔ گھوڑے پانی کی مشک پا کر بے قابو ہو گئے اور دوڑ پڑے۔ انسان بھی بے قابو ہو گئے اور پانی پی کر وہ تازہ دم ہو گئے۔

*

ابھی ان کی آزمائش باقی تھی۔ فوج گائیڈ کے بغیر جا رہی تھی۔ اب رات کو ستارے اس کی راہنمائی کرتے تھے اور دن کو سورج۔ مؤرخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ سلطان محمود نے کونسا راستہ اختیار کیا تھا۔ اکثر مؤرخ منصورہ اور امرکوٹ کا نام لیتے ہیں لیکن یہ سب نے لکھا ہے کہ غزنی کی فوج کا واپسی کا سفر بڑا ہی اذیت ناک اور غیر یقینی تھا۔ بہت آگے جا کر ایک مقامی آدمی کو گائیڈ کے طور پر ساتھ لے لیا گیا۔ وہ فوج کو دریائے سندھ کے کنارے لے گیا۔ وہاں دریا کا پاٹ بہت چوڑا تھا۔

گائیڈ فوج کو دریا کے ساتھ ساتھ کسی اور سمت لے گیا اور رات آ گئی۔ پڑاؤ کیا گیا۔ آدھی رات کے وقت فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس کے ساتھ عجیب سی چیخ نما آوازیں سنائی دینے لگیں۔ گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ سلطان نے گائیڈ کو بلایا مگر گائیڈ لاپتہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد پتہ چل گیا کہ کیمپ کے ایک حصے پر حملہ ہو گیا ہے۔ حملہ آوروں کے کچھ آدمی گرا لیے گئے تھے۔ اُن سے پتہ چلا کہ یہ علاقہ ہندو جاٹوں کا

سے جو جنگجو ہیں اور لوٹ مار بھی کرتے ہیں اور ان کی باقاعدہ ریاست ہے۔ وہ
خاصا نقصان کر گئے تھے۔

اس پھندے میں غزنی والوں کو وہ گائیڈ لے گیا تھا جو حملے سے پہلے غائب
ہو گیا تھا۔ زخمی جاٹوں نے بتایا کہ اُن کے راجہ کو پتہ چل چکا تھا کہ غزنی کی فوج سومنات
کو تباہ کر کے وہاں کا تمام خزانہ لا رہی ہے۔ یہ گائیڈ راجہ کا بھیجا ہوا تھا۔

دوسرے دن فوج نے کوچ کیا تو پچھلے حصے پر جاٹوں نے پھر حملہ کر دیا اور غائب
ہو گئے۔ سلطان محمود نے فوج کو وہیں روک لیا اور زخمی جاٹوں سے جنہیں قیدی بنا
کر ساتھ رکھ لیا گیا تھا پوچھا کہ ان کا دارالحکومت کہاں ہے۔ قیدیوں نے بتایا کہ وہاں
جا کر سلطان پشیمان ہوگا۔ جاٹوں کا کوئی ایک ٹھکانہ نہیں۔

سلطان کے سالاروں نے اُسے مشورہ دیا کہ فوج جم کر لڑنے کے قابل نہیں۔
اس کے علاوہ اس دشمن اور اس علاقے سے ہمیں ذرا سی بھی واقفیت حاصل نہیں،
اس کے خلاف لڑائی معلوم نہیں کیسا نقصان پہنچائے۔ زخمی قیدیوں پر بھروسہ نہیں
کیا جا سکتا تھا۔ سلطان نے یہ مشورہ قبول کر لیا لیکن کئی جگہوں پر جاٹوں نے غزنی
کی فوج پر کبھی رات کو کیمپ پر اور کبھی دن کو پچھلے حصے پر حملے کیے اور گھوڑے سرپٹ
دوڑاتے غائب ہو گئے۔

جاٹوں نے غزنی کی فوج کا بہت نقصان کیا لیکن یہ نقصان جانی تھا۔ وہ
سومنات کے خزانے تک نہ پہنچ سکے۔ سلطان محمود دانت پیستا رہ گیا۔ فوج کی نفری اور
کم ہو گئی۔

*

یہاں ایک اختلاف اور ایک دلچسپ کہانی سنانا ضروری ہے۔ زیادہ تر مورخوں
نے لکھا ہے کہ سلطان محمود نے راجہ دیو آسرم کو سومنات کا گورنر مقرر کیا تھا جس
کے فرائض یہ تھے کہ یہاں سے مالیہ جمع کر کے اس کا کچھ حصہ غزنی بھیجا کرے، اور
یہاں ہندو دوبارہ مندر تعمیر نہ کریں۔ عبادت کے لیے کہیں اور مندر کھڑا کر لیں،
اور اس علاقے میں جو مسلمان رہتے ہیں انہیں ہندو پریشان نہ کریں۔ کوئی

ہندو کسی مسلمان پر ہاتھ اُٹھائے تو اُسے سزائے موت دی جائے۔

ایک روایت یہ ہے کہ سلطان محمود نے دیو آسرم کو نہیں بلکہ ایک مسلمان کو
جس کا نام مِٹھا خان تھا، گورنر مقرر کیا تھا۔ اس روایت کا خالق ایک انگریز مصنف
میجر واٹسن ہے۔ یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ مِٹھا خان پنجابی نام ہے۔ یہ نام غزنی کا
معلوم نہیں ہوتا۔

دلچسپ کہانی یہ ہے کہ سومنات کی تباہی کے بعد جب سلطان محمود غزنی چلا
گیا تو تھوڑا ہی عرصہ بعد سومنات سے دور ایک پنڈت مشہور ہو گیا۔ اُس نے اعلان
کیا تھا کہ سلطان محمود نے شیو دیو کا بُت توڑا نہیں بلکہ اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔
پنڈت نے لوگوں سے کہا کہ سلطان محمود بُت کو راستے میں کہیں زمین میں دفن کر
گیا تھا۔ پنڈت کو خواب میں شیو دیو نے بتایا ہے کہ اپنی گائے کے بچھڑے کو فلاں
علاقے میں کھلا چھوڑ دو۔ وہ جہاں رُک کر زمین پر کھُر مارے وہاں سے زمین کھودو۔
وہاں شیو دیو کا بُت دفن ہوگا۔ اُسے نکالو اور سومنات کے کھنڈروں میں وہیں جا
کے رکھو جہاں سے اسے اٹھایا گیا تھا۔

پنڈت نے لوگوں کو ایک روز اکٹھا کر لیا اور اپنے بچھڑے کو ایک کھلے
علاقے میں جا کر چھوڑ دیا۔ بچھڑا دوڑ پڑا اور ایک جگہ رُک کر زمین پر کھُر مارنے لگا۔
پنڈت نے لوگوں سے کہا کہ یہاں سے کھودو۔ لوگوں نے کھدائی کی تو وہاں سے شیو دیو
کا بُت نکلا۔ سیدھے سادے لوگوں نے شیو دیو کی جے کے نعرے لگائے اور وہیں بُت کی
پوجا شروع کر دی۔ پنڈت مہاراج بن گیا۔

لوگوں نے فیصلہ کیا کہ بُت کو اُٹھا کر سومنات کے مندر میں رکھا جائے۔ چنانچہ
بُت کو بڑی مشکل سے اُٹھا کر سومنات لے جایا گیا۔ سومنات کے پنڈتوں کے
سامنے بُت توڑا گیا تھا۔ انہوں نے بُت کو دیکھا تو اس پنڈت کو پکڑ کر راجہ دیو آسرم
کے سامنے لے گئے۔ پنڈت نے تسلیم کر لیا کہ اُس نے کوئی ایک مہینہ صرف کر
کے اپنے بچھڑے کو سدھایا تھا کہ اس جگہ پہنچ کر کھُر مارے۔ یہ بُت اُس نے دو
آدمیوں کو ساتھ ملا کر تیار کیا تھا۔ اس بُت کو سمندر میں پھینک دیا گیا۔

سلطان محمود جب غزنی پہنچا تو شہر میں داخل ہونے سے پہلے اُس نے گھوڑے سے اتر کر شکرانے کے دو نفل پڑھے۔ اُس نے خدا کا شکر فتح کا نہیں بلکہ خیریت سے غزنی پہنچ جانے کا ادا کیا تھا۔ وہ جس راستے سے آیا تھا اس کی صعوبتوں اور دیگر دشواریوں سے پہلے واقف نہیں تھا۔ وہ ۲ اپریل ۱۰۲۶ء (۱۰ صفر ۴۱۷ھ) غزنی پہنچا تھا۔

غزنی کی ساری آبادی اُمڈ کے باہر آگئی تھی۔ عورتیں جنگی ترانے گا رہی تھیں اور دور سے فوج کی بلائیں لے رہی تھیں۔ لوگ ناچ رہے تھے۔ لوگ رات کو بھی نہ سوئے۔ جُوں جُوں لوگوں کو پتہ چلتا جاتا تھا کہ اب کے کیا فتح حاصل کی گئی ہے، اُن کی مسرّت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

رات کو سلطان محمود غزنوی غیر معمولی تھکان محسوس کر رہا تھا۔ تھکان تو وہ محسوس کیا ہی کرتا تھا لیکن اب وہ صاف طور پر محسوس کرنے لگا تھا کہ اُس کے اندر کوئی کمزوری پیدا ہو گئی ہے۔ ہر جنگی مہم کے بعد جب سلطان گھر آتا تھا تو اُس کا طبیب اُس کا پورا جسمانی معائنہ کرتا تھا۔ اب بھی رات کو طبیب آ گیا۔ اُس نے نبض پر ہاتھ رکھا، پھر دل پر ہاتھ رکھا اور سلطان سے بہت کچھ پوچھا۔ طبیب کے چہرے پر تشویش کے آثار آ گئے۔

"سلطانِ محترم!" طبیب نے کہا۔ "جتنی تشویش مجھے آپ کی صحت کے متعلق ہے، اتنی آپ کو بھی ہو تو آپ صحت یاب ہو سکتے ہیں۔ آپ بیمار ہیں سلطان! آپ کو کم از کم ایک سال کے آرام کی ضرورت ہے۔"

"کیا بیماری ہے مجھے؟" سلطان نے پوچھا۔ "کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں کہاں سے آ رہا ہوں اور کیا کر کے آ رہا ہوں اور میں نے کتنی کٹھن مسافت طے کی ہے؟ اسے آپ بیماری کہہ رہے ہیں؟"

"جی ہاں سلطانِ محترم!" طبیب نے کہا۔ "جو میں جانتا ہوں وہ آپ نہیں جانتے۔ جس طرح آپ گھوڑے اور اونٹ کے فرق کو جانتے ہیں اسی طرح میں تھکن اور بیماری کے فرق کو پہچانتا ہوں۔"

سلطان کی بیوی اور ایک بیٹی بھی وہاں موجود تھیں۔ انہوں نے گھبرا کر پوچھا کہ سلطان کو کیا بیماری ہے۔ طبیب نے انہیں ٹال دیا۔ سلطان نے انہیں کہا کہ وہ چلی جائیں، یہ صرف تھکن ہے۔

اُن کے جانے کے بعد سلطان نے طبیب سے پوچھا کہ اُسے کیا بیماری ہے۔

"آپ کے جسم میں بیماریوں کے خلاف قوّتِ مدافعت ختم ہو چکی ہے۔" طبیب نے کہا۔ "میں آپ کو پہلے بھی خبردار کر چکا ہوں۔ کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ آپ کا سانس پھُول جاتا ہے؟ ..... میں آپ کو ڈرانا نہیں چاہتا لیکن نہ بتانا بھی خطرناک ہے ..... آپ کو سل کا مرض لاحق ہو چکا ہے۔ ابھی ابتدا ہے۔"

"سل میرا کیا بگاڑ لے گا؟"

"سلطانِ عالی مقام!" طبیب شیخ الاسفند نے جواب دیا۔ "اسے آپ دیمک سمجھ لیں۔ جس طرح دیمک لکڑی کو کھا جاتی ہے اسی طرح سل جسم کو اندر سے کھوکھلا کرتا رہتا ہے۔ اگر آپ طویل آرام کریں اور ذہن سے تفکّرات اور مسائل اُتار دیں تو میں اس مرض کو اسی مرحلے میں روک لوں گا۔ آپ کے اعصاب ختم ہو چکے ہیں۔"

"کیا آپ روحانی قوّت میں یقین رکھتے ہیں شیخ الاسفند؟"

"لیکن روح کب تک ساتھ دے گی؟" طبیب نے جواب دیا۔ "جب جسم رُوح کو اپنے اندر رکھنے کے قابل نہیں رہتا تو رُوح اس کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے۔"

"میں نے ہندوستان کے یوگی دیکھے ہیں۔" سلطان محمود نے کہا۔ "انہوں نے اپنے آپ میں ایسی قوتیں پیدا کر رکھی ہیں جو مافوق الفطرت لگتی ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ ایسی قوت ہر انسان اپنے آپ میں پیدا کر سکتا ہے۔ کیا میں ایسی قوّت سے محروم ہوں؟"

"میں پھر بھی جسم کی بات کروں گا۔" طبیب نے کہا۔ "اگر جسم کو سل کی دیمک

"میں نے سومنات اسی قوت کے بل بوتے پر فتح کیا ہے شیخ الاسفند!" — سلطان محمود نے کہا — "مجھے یاد ہے، ہندوستان کی طرف کوچ سے پہلے آپ نے مجھے خبردار کیا تھا لیکن آپ میری نبض سے پتہ نہیں چلا سکے تھے کہ یہ بیماری اُس وقت بھی مجھے کھا رہی تھی۔ آپ نے مجھے اس کا نام بتا دیا ہے۔ میں اسے صرف بیماری کہتا تھا.... شیخ الاسفند! میں آپ سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں۔ کسی کو پتہ نہ چلنے دیں کہ میں سِل میں مبتلا ہوں۔"

"میں اسے سِل کہہ رہا ہوں" — طبیب نے کہا — "لیکن مجھے شک ہے کہ یہ انتڑیوں کا دق ہے۔ اگر آپ نے آرام اور پرہیز نہ کیا تو تھوڑے سے ہی عرصے بعد پتہ چل جائے گا کہ یہ سِل ہے یا دق ہے" — طبیب نے التجا کے لہجے میں کہا — "اس سے پہلے کہ یہ ظاہر ہو کہ یہ سِل ہے یا دق آپ علاج، آرام اور پرہیز کی طرف توجہ دیں۔"

"میرے مر جانے سے کیا فرق پڑے گا؟" — سلطان نے کہا — "میرے بیٹے اس قابل ہیں کہ سلطنتِ غزنی کو سنبھال لیں گے۔"

"اس خاندان میں سلطان بہت پیدا ہوں گے" — طبیب نے کہا — "آپ کے بیٹوں کے بیٹے بھی سلطان ہوں گے مگر ایک اور محمود پیدا نہیں ہوگا۔ کوئی بُت شکن پیدا نہیں ہوگا۔ اللہ اور رسولؐ کا نام تو سب لیں گے مگر ان ناموں پر اپنا آپ قربان کر دینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ ہندوستان سے پتھروں کے خداؤں کے ٹکڑے غزنی کی مسجدوں کے آگے پھینکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ میں آپ کو آپ کے لیے نہیں، آپ کے خاندان کے لیے نہیں، آپ کی سلطنت کے لیے نہیں، اسلام کے لیے اور عالمِ اسلام کی عظمت کے لیے کچھ عرصہ اور زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"زندگی اور موت آپ کے اختیار میں نہیں شیخ الاسفند!" — سلطان نے کہا — "مجھے دنیا میں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ عالمِ اسلام کی طرف کچھ سانپ رینگتے چلے آ رہے ہیں۔ مجھے ان کے سر کچلنے ہیں۔ مجھے ہندوستان کے ناگ کو مارنا ہے۔ وہ میری اتنی زیادہ ضربوں سے ابھی مرا نہیں۔ مجھے ہندوستان کے مسلمانوں

کو محفوظ کرنا ہے۔ مجھے سومنات جا کر معلوم ہوا کہ وہاں کے ساحلی علاقوں میں محمد بن قاسم کے وقتوں کے مسلمان رہتے ہیں۔ وہ سومنات کے مہاراجہ کے ظلم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ اُن کی عظمت دیکھئے کہ وہ ابھی تک عربی زبان بولتے ہیں۔ مجھے سومنات پر حملے کی ترغیب دینے والوں میں یہ مسلمان بھی تھے۔ مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ میرا فرض ابھی پورا نہیں ہوا۔"

"اور اگر میں نے اپنا فرض پورا نہ کیا تو اسلام کے پاسبان اور علمبردار کا خون میری گردن پر ہوگا" — طبیب نے کہا — "میں خدا کو کیا جواب دوں گا؟"

"خدا دیکھ رہا ہے" — سلطان نے کہا — "خدا سُن رہا ہے۔ آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ آپ صرف یہ کرم کریں کہ کسی کو پتہ نہ چلنے دیں کہ میرے جسم کو ایسی دیمک لگ چکی ہے جو اسے تیزی سے کھا رہی ہے۔ اگر یہ خبر میرے دشمنوں تک پہنچ گئی تو وہ میری موت کے انتظار میں دبک کر بیٹھ جائیں گے اور اُس وقت اٹھیں گے جب میرا جنازہ اُٹھ جائے گا۔ شاید میرے بیٹے انہیں دبا نہ سکیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ سلجوقی پھر سر اُٹھا رہے ہیں اور وہ سلطنتِ غزنی کے لیے کتنا بڑا خطرہ بن گئے ہیں؟"

"میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں سلطان!"

"اور مجھے ہندوستان ایک بار پھر جانا ہے" — سلطان محمود نے طبیب کی سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا — "میں جب سومنات سے واپس آ رہا تھا تو راستے میں ہندوؤں کی جاٹ قوم نے میری فوج کو بہت نقصان پہنچایا۔ میری فوج وہاں جم کر لڑ نہیں سکتی تھی لیکن جاٹ چھاپہ مار جنگ لڑ رہے تھے۔ میں نے اس قوم کے جنگی قیدیوں سے معلوم کیا ہے کہ یہ کیسی قوم ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ یہ سومنات کے شِودیو کی پجاری قوم ہے اور یہ بہت طاقتور ہے۔ اتنی طاقتور کہ کسی وقت ارد گرد کے مہاراجوں کو ختم کر دے گی اور یہ قوم مسلمانوں کی جانی دشمن ہے.... مجھے اس قوم کی سرکوبی کے لیے جانا ہے۔ اگر اس قوم کا دم خم نہ توڑا گیا تو سومنات کے شِودیو کا بُت کہیں اور کھڑا کر لیا جائے گا اور اس کے قدموں میں مسلمانوں کو ذبح کیا جائے گا۔"

"آپ آرام کرلیں" ۔ طبیب نے کہا "میں دوائی دوں گا۔"

"دعا بھی دیں شیخ الاسفند!" ۔ سلطان نے کہا ۔ "مجھے اب دعاؤں کی زیادہ ضرورت ہے۔"

*

طبیب چلا گیا تو سلطان کی بیوی اور بیٹی آ گئیں۔

"وہ کیا بتا گئے ہیں؟" ۔ بیوی نے پوچھا ۔ "آپ نے انہیں باہر کیوں نکال دیا تھا؟"

"طبیب کہتا ہے آرام کرو" ۔ سلطان نے کہا ۔ "اور اپنے فرائض کو بھول جاؤ۔"

"تو اس کی کوئی وجہ ہوگی نا!" ۔ بیٹی نے کہا۔

"کہتا ہے میرے جسم میں کچھ کمزوری پیدا ہو گئی ہے" ۔ سلطان نے کہا۔

"آپ آرام کریں جیسے شیخ الاسفند کہہ گئے ہیں" ۔ بیوی نے کہا ۔ "میری کوکھ سے جن بیٹوں نے جنم لیا ہے وہ آپ کے فرائض پورے کر دیں گے۔"

"وہ سلجوقیوں کو نہیں دبا سکیں گے" ۔ سلطان نے کہا ۔ "وہ ہندوستان کے جاٹوں کا سر نہیں کچل سکیں گے ۔ میں یہ دونوں کام کر کے مروں گا۔"

البیرونی نے لکھا ہے کہ سلطان محمود کا چہرہ بجھا ہوا تھا ۔ اُس کی شوخی ماند پڑ گئی تھی ۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ اندرونی کشمکش میں مبتلا ہے ۔ طبیب اُسے آرام کے لیے کہہ گیا تھا لیکن سلطان نے اُسی وقت متعلقہ حکام کو بلایا اور انہیں احکام دینے لگا ۔ احکام یہ تھے کہ کل وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ سومنات کے بُت کا ایک ٹکڑا میرے دروازے کے آگے اور ایک ٹکڑا جامع مسجد کے دروازے کے آگے اس طرح رکھا ہوا ہے کہ اندر آنے اور جانے والوں کے پاؤں ان ٹکڑوں پر پڑتے ہیں ۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے ٹکڑے صبح ہوتے ہی خلیفہ کو روانہ کر دیئے جائیں۔

اگلے روز اُس کے محل اور مسجد کے آگے ٹکڑے زمین میں اس طرح رکھے گئے کہ اُوپر سے ننگے تھے ۔ لوگ انہیں دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے اور ان پر پاؤں

رکھ کر گزرنے لگے۔

سلطان محمود نے اگلے ہی روز ہندوستان پر ایک اور فوج کشی کی تیاریاں شروع کر دیں ۔ اُس نے اُسی روز لاہور کے گورنر ایاز اور ملتان کے حاکم کے نام پیغام روانہ کر دیئے کہ وہ جاٹوں کے متعلق ہر ایک ضروری اطلاع فراہم کریں ۔ ان کی تعداد ، ان کا علاقہ ، ان کے لڑنے کا طریقہ اور ہر وہ اطلاع جو کام آ سکے۔

سلطان کی فوج خاصی کم ہو گئی تھی ۔ اُس نے نئی بھرتی کا حکم دے دیا اور ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ چھاپہ ماروں کی تربیت اور مشقیں تیز کر دی جائیں اور ہر سپاہی کو چھاپہ مار جنگ کی اور گھوم پھر کر لڑنے کی تربیت دی جائے۔

سلطان محمود نے طبیب کی تشویشناک باتوں کو ذہن سے اتار دیا تھا ۔ اُس نے آرام کی پروا نہ کی ۔ پرہیز کی طرف توجہ نہ دی اور فوج کی ٹریننگ اور سلطنت کے انتظامی کاموں میں مصروف ہو گیا۔

اور وقت بہت تیزی سے گزرتا گیا ۔ تین چار ماہ بعد اُسے ملتان اور لاہور سے جاٹوں کے متعلق رپورٹیں ملنے لگیں ۔ یہ قوم سندھ کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ تعداد خاصی زیادہ تھی ۔ ان کے لڑنے کے طریقوں میں ایک تو شبخون تھے اور دوسرا طریقہ دریائی جنگ تھا ۔ وہ کشتیوں میں لڑتے تھے ۔ دریائے سندھ نے بہت رُخ بدلے ہیں ۔ اُس دَور میں جاٹوں کے علاقے میں سندھ کا پاٹ اتنا چوڑا تھا کہ اس میں جزیرے بنے ہوتے تھے جن میں جنگل تھے ۔ جاٹ ان جزیروں میں چلے جاتے تھے یا ان کی کچھ تعداد سندھ کے اُن دلدلی جنگلوں میں چلی جاتی تھی جنہیں انگریزوں کے دَورِ حکومت میں حُرّوں نے انگریزوں کے خلاف استعمال کیا تھا۔

سلطان محمود کو لاہور اور ملتان سے تفصیلی اطلاعیں ملیں کہ جاٹ مسلمانوں کے لیے خصوصاً بہت بڑا خطرہ بن گئے ہیں اور وہ سومنات کی تباہی کا انتقام ہندوستان کے مسلمانوں سے لیں گے ۔ اُس وقت سلطان محمود لاہور ، ملتان اور بھیرہ (تقریباً آج کے تمام ترپنجاب کو) اپنی سلطنت میں شامل کر چکا تھا اور کشمیر سے قنوج تک

کے راجے مہاراجے اُس کے باجگزار تھے اس لیے کوئی خطرہ قبول نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تاریخوں میں آیا ہے کہ سلطان محمود جاٹوں کو سزا دینا چاہتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی سلطنت کے ہندوستانی علاقوں اور ہندوستان کے مسلمانوں کا تحفظ چاہتا تھا اور یہ بھی کہ سومنات کا مندر دوبارہ تعمیر نہ ہو اور ہندو اُس شِو دیو کو پھر سے زندہ نہ کرسکیں جس کے متعلق ہندوؤں کا باطل عقیدہ تھا کہ وہ انسانوں کو دوسرا جنم دیتا ہے۔

اگست، ستمبر ۱۰۲۶ء میں ملتان سے اطلاع گئی کہ جاٹ جنگی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس کا پس منظر یہ بیان کیا گیا کہ ملتان کا ایک مقامی مسلمان جو وہاں جاسوسی کرنے گیا تھا، پکڑا گیا تھا اور وہ کچھ دنوں بعد وہاں سے فرار بھی ہو آیا تھا۔ اُس پر نیم دیوانگی طاری تھی۔ وہ جاٹوں کے علاقے میں ایک بھٹکے ہوئے مسافر کے بھیس میں گیا اور اُس نے وہاں جاکر دلیری یا حماقت یہ کی کہ جاٹوں کے جزیروں کو قریب سے دیکھنے کے لیے چھوٹی سی ایک کشتی چرائی مگر کشتی رانی نہیں جانتا تھا۔ وہ ساون کی موسلادھار بارشوں کا مہینہ تھا۔ دریا میں طغیانی تھی۔ چھوٹی سی کشتی کو دریا اپنے ساتھ ہی لے گیا، پھر کشتی اُلٹ گئی اور وہ تیرتا ہوا اس حالت میں ایک جزیرے سے جا لگا کہ خشکی پر پہنچتے ہی بے ہوش ہوگیا۔

ہوش میں آیا تو وہ جاٹوں کی ایک جھگی میں پڑا تھا اور دو عورتیں اُس کے قریب بیٹھی تھیں۔ ان میں ایک جوان تھی۔ اُس نے اس آدمی سے پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے اور دریا میں کس طرح گر پڑا تھا۔ اُس نے غلط بیانی کی لیکن دو جاٹوں نے آکر اُس کے ساتھ باتیں کیں تو انہیں اس پر شک ہُوا۔ اس کی حالت بہت بُری تھی۔ جاٹوں نے اُسے اٹھالیا اور کہا کہ اسے وہ دریا میں پھینک دیں گے۔ اس نے جان کے ڈر سے بتا دیا کہ وہ مسلمان ہے، ملتان سے آیا ہے اور وہ جاسوس ہے۔ جاٹوں نے اُسے اور زیادہ پریشان کیا تو اُس نے بتا دیا کہ غزنی کی فوج اُن پر حملہ کرنے اور انہیں ختم کرنے آرہی ہے۔ اُسے جو کچھ معلوم تھا وہ اُس نے بتا دیا، لیکن جاٹ اُسے رہا نہیں کر رہے تھے۔

جاٹ اُس سے پوچھتے تھے کہ غزنی کی فوج کا لڑنے کا طریقہ کیا ہے۔ وہ بتاتا رہا اور ان پر اعتماد پیدا کرنے کے لیے اُن کا مشیر اور مُخبر بن گیا۔ وہ بڑا نڈر اور خوبصورت جوان تھا۔ وہ جوان عورت جو پہلے روز اُس نے اپنے پاس بیٹھی دیکھی تھی، اُس میں کچھ اور ہی دلچسپی لے رہی تھی۔ اس عورت نے ایک روز اسے بتایا کہ اس کا خاوند قبیلے کے سرداروں میں سے ہے اور بوڑھا ہے، اس لیے وہ یہاں سے بھاگنا چاہتی ہے۔ ملتان کے مسلمان جاسوس نے اُسے کہا کہ وہ یہاں سے نکلنے کا انتظام کرے تو وہ اُسے ملتان لے جائے گا جہاں وہ جنگلی عورت کی طرح نہیں رہے گی بلکہ اُسے رانی بنا کر رکھا جائے گا۔

اس عورت نے اُسے بتایا کہ اس سے پہلے بھی ایک جاسوس پکڑا گیا تھا جس سے جاٹوں نے معلوم کرلیا تھا کہ غزنی کی فوج ان پر حملہ کرنے آئے گی لیکن یہ معلوم کرکے بھی جاٹوں نے اُسے قتل کردیا تھا۔ اُس روز سے جاٹ لڑائی کی کشتیاں تیار کر رہے تھے۔

ایک رات جب طغیانی ذرا کم تھی، یہ عورت جاسوس کے پاس آگئی اور اسے کہا کہ فوراً اٹھو۔ وہ اُٹھا۔ عورت اُسے دریا کے کنارے لے گئی اور اُسے ایک کشتی میں بٹھایا۔ خود بھی بیٹھی اور دونوں چپّو مارنے لگے۔ ابھی زیادہ دُور نہیں گئے تھے کہ دریا کے کنارے مشعلیں بھاگتی دوڑتی دکھائی دینے لگیں۔ جاٹ انہیں رُک جانے کو للکار رہے تھے۔ چاندنی میں انہیں کشتی نظر آرہی تھی۔ چار پانچ تیر آئے۔ عورت کی چیخ نکل گئی۔ ایک تیر اُس کے پہلو میں اُتر گیا تھا۔ جاسوس محفوظ رہا۔ وہ کشتی میں لیٹ گیا اور کشتی کو دریا کے حوالے کردیا۔ اُسے سنائی دیتا رہا کہ کشتی میں تیر لگ رہے ہیں۔

جزیرہ چھوٹا تھا اور دریا تیز۔ کشتی جلدی خطرے سے نکل گئی۔ جاسوس نے چپّو مارنے شروع کیے۔ عورت مرچکی تھی۔ کشتی بہت دُور جاکر کنارے سے لگی۔ جاسوس کا جسم شل ہوچکا تھا، مگر وہ کہیں گرا اور رُکا نہیں۔ وہ جب بہت دنوں بعد ملتان پہنچا تو اُس سے بولا بھی نہیں جاتا تھا۔ اُس نے جو کچھ جاٹوں کو بتایا تھا

اور جاٹوں کے متعلق اُسے جو کچھ پتہ چلا تھا، وہ اُس نے بتا دیا۔

جب یہ رپورٹ سلطان محمود کے پاس پہنچی تو اُس نے اپنے سالاروں سے مشورہ کر کے ملتان کے حاکم کو پیغام بھیجا کہ جس قدر جلدی ممکن ہو سکے کشتیوں کا ایک بیڑہ تیار کیا جائے۔ ہر کشتی میں سپاہیوں کے لیے کافی ہو۔ سلطان محمود ایک بار دریائے جیحوں میں خوارزم شاہ کی فوج کے خلاف کشتیوں کی جنگ لڑ چکا تھا۔ اس تجربے کے بعد اُس نے خاص قسم کی جنگی کشتیاں بنوائی تھیں۔ اب اس نے انہی کشتی سازوں اور چند ایک تجربہ کار ملاحوں کو ملتان بھیج دیا تاکہ وہ جنگی ضروریات کے مطابق کشتیاں تیار کر لیں۔

*

دسمبر ۱۰۲۷ء کے آخری ہفتے میں سلطان محمود کو ملتان سے اطلاع ملی کہ ایک ہزار کشتیاں تیار ہو چکی ہیں۔ دوسری اطلاع طویل تھی جو جاٹوں کی جنگی تیاریوں سے تعلق رکھتی تھی۔

سلطان محمود پر ایک الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ وہ لوٹ مار کے لیے ہندوستان میں آتا تھا اور خزانے سمیٹ کر چلا جاتا تھا۔ اس الزام کی تردید میں اس جنگ کا ذکر ضروری ہے جو اس نے جاٹوں کے خلاف لڑی تھی۔ جاٹوں کی کوئی ریاست نہیں تھی اور اُن کا کوئی خزانہ بھی نہیں تھا۔ وہ سلجوقیوں کی طرح جنگجو قوم تھی جو مذہب کے رشتے سے مہاراجوں کے کام کی جنگی طاقت بنتی جا رہی تھی۔ اس قوم کو رہزن اور ڈاکو کہا جائے تو زیادہ موزوں ہو گا۔ سلطان محمود کے دل میں جاٹوں کے خلاف یہ عداوت تھی کہ جاٹ شیو دیو کے پجاری تھے اور مسلمانوں کے بدترین دشمن۔ وہ مسلمانوں کو قتل وغارت سے ختم کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا سلطان کے عزم کے پس منظر میں ہندوستان میں اسلام کا احیا تھا۔

مارچ ۱۰۲۷ء (۴۱۸ھ) کے آخری دنوں میں سلطان محمود نے غزنی سے کوچ کیا۔ وہ جب ملتان پہنچا تو اُسے بتایا گیا کہ ایک ہزار چار سو کشتیاں تیار ہو چکی ہیں۔ سلطان نے آرام کیے بغیر کشتیوں کا معائنہ کیا۔ ایک کشتی میں خود بیٹھ کر دریا میں گیا۔ کشتی چلانے والوں کی مہارت دیکھی اور پھر ہر کشتی میں بیس بیس تیرانداز اور برچھی باز سپاہی بٹھا کر پورے بیڑے کو دریا میں اتارا اور کشتیوں کو تیزی سے گھمانے پھرانے کے احکام دیئے۔ اُس نے سپاہیوں کی پھرتی کا جائزہ لیا اور انہیں اکٹھا کر کے مزید ہدایات دیں۔

جس روز سلطان ملتان پہنچا، اُسی روز جاسوس جاٹوں کے علاقے میں بھیج دیئے گئے لیکن سلطان کی تیاریاں بھی پوشیدہ نہیں تھیں۔ ملتان میں اگر جاٹوں کے جاسوس نہیں تھے تو مسلمانوں کے دشمن موجود تھے۔ بعد کی اطلاعوں کے مطابق جاٹوں کو سلطان کی تیاری اور کوچ کا پتہ چل گیا تھا۔ اس کی پہلی تصدیق جاسوسوں نے واپس آ کر کر دی۔ انہوں نے بتایا کہ جاٹوں نے کم و بیش چار ہزار کشتیاں تیار کر لی ہیں اور وہ دریائی جنگ لڑیں گے۔ ریاغالباً ان کا منصوبہ یہ تھا کہ غزنی والے کشتیوں پر آ رہے ہیں اور یہاں خشکی پر لڑیں گے اس لیے انہوں نے غزنی والوں کو دریا میں ہی روک لینے اور دریا میں ڈبو دینے کا انتظام کیا تھا۔

جاسوسوں نے یہ بھی بتایا کہ تمام جاٹ اپنی عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر دریا کے جزیروں میں چلے گئے ہیں۔ خشکی پر یعنی جزیروں کے سوا اور کہیں کوئی جاٹ نہیں ملے گا۔ ان اطلاعوں کے مطابق سلطان محمود نے دریائی جنگ کی تیاری مکمل کر لی اور اپنے سالاروں کو اُس نے بتا دیا کہ اب کچھ بھی ہو جائے، دریا میں ہی لڑا جائے گا۔

جو تاریخیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں، ان میں اس جنگ کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ بعض غیر ہندوستانی مسلمان مصنفوں نے بھی اس کا ذکر سرسری سا کیا ہے لیکن وقائع نگاروں اور گہری تحقیق کرنے والوں کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جنگ غزنی والوں کی کلاسیکی بحری جنگ تھی جس میں سلطان محمود اور اس کے سالاروں نے بے مثال جنگی بصیرت کا مظاہرہ کیا۔

وہ مقام کسی نے بھی نہیں لکھا جہاں یہ لڑائی لڑی گئی تھی۔ ایک انگریز جان برگس نے جس نے محمد قاسم فرشتہ کی کتابوں کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے، حاشیے

میں لکھا ہے کہ یہ اتفاق کی بات ہے کہ سلطان محمود نے اس مقام پر یہ جنگ لڑی جہاں تیرہ صدیاں پہلے سکندر اعظم نے کشتیوں کا بیڑہ تیار کر کے دریا میں اتارا تھا۔

نقشے پر دیکھیں۔ ملتان دریائے چناب کے کنارے پر ہے۔ وہاں دریائے جہلم، راوی اور چناب ایک دریا بن جاتے ہیں۔ آگے جا کر دریائے ستلج بھی اس میں مل جاتا ہے اور کچھ اور آگے، اُدھر سے بھی آگے یہ دریائے سندھ میں مل جاتے ہیں۔ وہاں پنجاب کے تمام دریا مل کر دریائے سندھ بن جاتے ہیں۔ آگے جا کر دو چھوٹے دریا بھی دریائے سندھ میں گرتے ہیں۔ اُس دَور میں کسی بھی دریا سے نہریں نہیں نکالی گئی تھیں، نہ کسی دریا پر کوئی ڈیم یا بیراج تھا۔ تمام تر پانی بلا روک ٹوک بہتا تھا۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اتنے سارے دریا مل کر جب دریائے سندھ بنتے تھے تو اُس دَور میں یہ دریا چھوٹا سمندر بن جاتا ہوگا۔ پاٹ بہت چوڑا تھا اس لیے دریا کے درمیان میں جنگلاتی جزیرے بن گئے تھے۔ بعض جزیرے خاصے وسیع تھے۔

*

تاریخ دان اُس تاریخ کے متعلق خاموش ہیں جس دن یہ لڑائی شروع ہوئی تھی۔ سلطان محمود کا چودہ سو کشتیوں کا بیڑہ ملتان سے روانہ ہُوا۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ غزنی والوں کی کشتیاں مضبوط تھیں اور اُن کے اطراف میں، سامنے اور پیچھے برچھیوں کی اَنیوں کی طرح لوہے کی بڑی بڑی نوکدار انیاں لگا دی گئی تھیں تاکہ دشمن کی کشتیاں ان سے ٹکرائیں تو ٹوٹ جائیں اور دشمن کے آدمی دریا میں اُتر کر کسی کشتی میں سوار نہ ہو سکیں۔ اس اہتمام کے علاوہ سلطان محمود نے پہلی بار آگ پھینکنے کا انتظام کیا تھا۔ جان برگس نے انہیں ہینڈ گرنیڈ کہا ہے لیکن فرشتہ نے انہیں آتش گیر سیال کے ڈبے یا مٹی کے چھوٹے چھوٹے برتن کہا ہے۔

غزنی والوں کا بیڑہ دریا کے بہاؤ کے ساتھ بہتا گیا۔ کشتیوں کو ایک دوسری سے دُور دُور رکھا گیا۔ سلطان محمود کی کشتی درمیان میں تھی۔ اس کے ساتھ تین کشتیاں قاصدوں کی تھیں جن کے چپو زیادہ تھے۔

پنج ندے سے آگے گئے تو جاٹوں کی کشتیاں نظر آنے لگیں۔ وہ نیم دائرے میں تھیں

اور اگلی کشتیوں کے پیچھے ایسے لگتا تھا جیسے وہاں دریا نہیں، کشتیوں کا جنگل ہے۔ سلطان محمود نے آگے پیچھے آنے والی کشتیوں کو ایک صف میں کر کے دریا کی چوڑائی میں کر لیا تاکہ جاٹوں کا نیم دائرہ گھیرے کی صورت اختیار نہ کر سکے۔ پہلے تیر جاٹوں کی طرف سے آئے۔ سلطان نے اپنی درمیان والی کشتیوں کو بھی دائیں اور بائیں ہو جانے اور جاٹوں کے پہلوؤں پر تیر برسانے کا حکم دیا۔ چونکہ غزنی والوں کی کشتیاں بہاؤ کے رُخ جا رہی تھیں اس لیے اُن کی رفتار تیز تھی اور ملاحوں کو چپو مارنے کی ضرورت نہیں تھی۔

قریب جا کر سلطان محمود نے تیر چلانے کا حکم دیا۔ تیر جاٹوں کی پہلوؤں یعنی کناروں والی کشتیوں پر چلائے جا رہے تھے۔ جاٹوں کے تیر مہلک تھے۔ ان کی پچھلی کشتیوں سے بھی تیر آ رہے تھے۔ غزنی والوں کی کشتیاں جاٹوں کے پہلوؤں پر چلی گئیں۔ پیچھے جو کشتیاں آ رہی تھیں، انہیں جاٹوں کے درمیان چلے جانے کو کہا گیا۔ اللہ اکبر کے نعرے گرجنے لگے اور جاٹ اپنی مخصوص آوازیں گیدڑوں کی آوازیں نکال رہے تھے وہ دلیر لڑاکے تھے۔

تھوڑی دیر بعد دونوں طرف کی کشتیاں ایک دوسری میں گڈمڈ ہو گئیں مسلمانوں نے جاٹوں کی کشتیوں پر آگ پھینکنی شروع کر دی۔ جاٹوں نے اس قدر دلیری کا مظاہرہ کیا کہ وہ جلتی ہوئی کشتیوں سے کود کر دریا میں اترے اور مسلمانوں کی کشتیوں پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگے، لیکن مسلمانوں کی کشتیوں کے کناروں پر جو انیاں لگی ہوئی تھیں، وہ انہیں بری طرح زخمی کر رہی تھیں۔ اوپر سے مسلمانوں کی برچھیاں انہیں ختم کر رہی تھیں، لیکن جاٹوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اُن کی چار ہزار کشتیوں میں سلطان محمود کی ایک ہزار چار سو کشتیاں نظر نہیں آتی تھیں۔

مسلمانوں کو کشتیاں الٹنے کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ ایک خاص زاویے سے کشتی کو کشتی سے ٹکر ماری جاتی تھی۔ اس طرح مسلمانوں نے جاٹوں کی کئی کشتیاں الٹ دیں لیکن جاٹ پانی کے کیڑے معلوم ہوتے تھے۔ وہ دریا میں کود جاتے اور مسلمانوں کی کشتیوں پر سوار ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ مسلمانوں کا بھی نقصان ہو

رہا تھا۔ انہیں اس لحاظ سے برتری حاصل تھی کہ ان کے پاس کشتیوں کو جلانے کا انتظام بھی تھا۔

جاٹوں نے ایک چال اور چلی۔ پیچھے کی کشتیوں میں جو جاٹ سوار تھے، وہ کشتیاں کناروں پر لے گئے اور خشکی پر چلے گئے۔ یوں پتہ چلتا تھا جیسے بھاگ گئے ہوں لیکن خشکی پر چھپتے چھپاتے غزنی والوں کے قریب کنارے سے ان پر تیر اور برچھیاں برسانا چاہتے تھے لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ سلطان محمود نے یہ انتظام بھی کیا تھا کہ کناروں سے دور جاٹوں کی نظروں سے اوجھل اپنی فوج کے دستے رکھے ہوئے تھے۔ یہاں تک یہ کشتیوں میں ہی آئے تھے۔ رات کو انہیں اتار کر خشکی پر بھیج دیا گیا تھا۔ وہ کناروں سے دور چلے گئے تھے۔ جاٹ سلطان کے اس اہتمام سے واقف نہیں تھے۔ جو جاٹ خشکی سے غزنی کی کشتیوں پر تیر چلانے گئے تھے وہ دوبارہ نظر نہ آئے۔ انہیں خشکی میں چھپے ہوئے غزنوی مجاہدوں نے تیروں سے ختم کر دیا۔ پھر جو جاٹ کنارے پر جاتا تھا، وہ زندہ واپس نہیں آتا تھا۔ سلطان محمود نے خشکی پر اپنی حفاظت کا یہ انتظام اتنا خفیہ رکھا تھا کہ جاٹ اس سے قبل از وقت باخبر نہ ہو سکے۔

جاٹوں کو سب سے زیادہ نقصان غزنی والوں کے آگ کے گولوں نے (یا جس طریقے سے بھی آگ پھینکی جاتی تھی) بہت نقصان پہنچایا۔ غزنی کے ملاح اپنی کشتیوں کو جاٹوں کی کشتیوں کی طرف کر کے ان کشتیوں کی طرف دھکیلتے تھے جو جل رہی ہوتی تھیں۔ کوئی انسان جل کر مرنا نہیں چاہتا۔ جاٹ جلتی کشتی سے دریا میں کود جاتے تھے تو مسلمان تیر انداز انہیں ابھرنے نہیں دیتے تھے۔ لاشیں تیر تیر کر ڈوب رہی تھیں۔ جاٹ ملاحوں نے کشتیاں بہاؤ پر ڈال دی تھیں اور مسلمان ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ کناروں پر بھی ان کا قتلِ عام ہو رہا تھا۔

دریائے سندھ کا پانی لال ہو گیا تھا۔ زخمی ڈوب رہے تھے۔ سلطان کی یہ چال جاٹوں کے لیے بہت مہلک ثابت ہوئی کہ سلطان نے اپنے ملاحوں سے کہا کہ وہ کشتیاں کناروں کے ساتھ رکھیں۔ اس طرح جاٹ بکھر کر لڑنے کی بجائے درمیان میں اکٹھے ہو گئے۔

کچھ ہی دیر بعد جاٹوں کی جارحیت ختم ہو گئی۔ انہیں طریقے سے لڑانے والا کوئی نہ تھا۔ انہوں نے کشتیوں سے کودنا اور تیر کر خشکی پر جانا شروع کر دیا مگر وہاں موت ان کی منتظر تھی۔ کشتیاں لڑتے لڑتے کسی جزیرے کے قریب سے گزر رہی تھیں تو غزنی کے سپاہی آگ جزیرے پر بھی پھینک دیتے تھے۔ اس طرح دو ایسے بڑے جزیروں کے ایک دو جھونپڑوں کو آگ لگ گئی جن میں جاٹوں کے بیوی بچے تھے۔ جھونپڑوں نے جنگل میں آگ لگا دی۔ جاٹوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ ان کے لیے اب دریا میں بھی آگ تھی اور جزیروں میں بھی آگ۔

چند گھنٹوں میں یہ معرکہ ختم ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی جاٹ بھی ختم ہو گئے۔ اس کے بعد سلطان محمود نے خود جزیروں میں اتر کر دیکھا۔ کوئی بھی جوان یا نوجوان جاٹ کہیں چھپا ہوا نظر آیا، اسے پکڑ کر کشتی میں ڈال لیا گیا۔ پیچھے عورتیں اور بچے رہ گئے۔ جن جزیروں میں آگ لگی تھی وہاں سے عورتیں اور بچے بھاگے اور دریا میں کود گئے۔ انہیں بچانے والا کوئی نہ تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی نسل ہی ختم ہو گئی۔ زندہ بچ رہنے والی عورتیں ادھر ادھر بکھر گئیں۔ اس کے بعد کسی نے نہ سنا کہ جاٹ بھی کوئی قوم ہوا کرتی تھی۔

*

سلطان محمود جولائی ۱۰۲۷ء کے آخری دنوں میں واپس غزنی پہنچا۔ اب طبیب نے اسے دیکھا تو وہ بہت پریشان ہوا۔ سلطان کے چہرے پر اب کمزوری اور بیماری کے آثار تھے۔ سبط ابن الجوزی اور گردیزی نے لکھا ہے کہ سلطان جب جاٹوں کی سرکوبی کے لیے گیا تو جزیروں کے جنگل میں اسے ایسے مچھروں نے کاٹا ہو گا جو ملیریا کے جراثیم کے حامل تھے۔ ان سے اسے ملیریا ہو گیا۔ چونکہ سلطان بیماری کی پرواہ نہیں کیا کرتا تھا اس لیے اس نے ان طبیبوں کو جو اس کے ساتھ گئے تھے، نہ بتایا کہ اسے کوئی تکلیف ہے۔ یہ ملیریا بگڑ کر نمایاں طور پر دق کا مرض بن گیا، یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ سل یا دق کا جو عارضہ اسے لاحق ہو چکا تھا وہ ملیریا کے بخار سے نمایاں ہو گیا۔ دوسرے مورخوں نے اسے انتڑیوں کا دق لکھا ہے۔

یہ جو کچھ بھی تھا اس کا باعث یہ تھا کہ سلطان کی ۵۹ سالہ زندگی کے چالیس سال

میدانِ جنگ میں یا کوچ میں یا پڑاؤ میں گزرے تھے۔ اُس نے ۳۲ سال حکومت کی تھی۔ وہ جب اپنے گھر میں ہوتا تھا تو اُس کے ذہن اور اعصاب پر سوچوں کا بوجھ پڑا رہتا تھا۔

"سلطان نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ سلطان ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو چکا ہے" — ایک روز سلطان کے طبیب شیخ الاسفند نے سالار ابوعبداللہ محمد الطائی، ارسلان جاذب، ابوالحسن اور وزیر سے کہا — "لیکن میں یہ راز آپ سے مزید پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔ سلطان محمود اپنی بیوی اور اپنی اولاد کا مسئلہ نہیں۔ وہ ملتِ اسلامیہ کا گوہرِ نایاب ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ محمد بن قاسم کے کتنے سو سال بعد غزنی نے دوسرا محمد بن قاسم پیدا کیا مگر اُس وقت تک ہندوستان بُت خانہ بن چکا تھا اور محمد بن قاسم کی جلائی ہوئی شمعِ رسالتؐ ٹمٹمانے لگی تھی۔ اس کا نور سمٹ گیا تھا۔ اب محمود ہاتھ سے جا رہا ہے۔ پھر کون جانے کب کوئی اور قاسم اور کب کوئی اور محمود اُٹھے۔ اُس وقت تک ہند کے بُت خانے اور مے خانے پھر آباد ہو چکے ہوں گے اور اسلام پر کفر کا خوف و ہراس طاری ہو چکا ہو گا۔"

"کیا ہو گیا ہے سلطان کو؟" — وزیر نے پوچھا۔

"دق.... سل" — طبیب نے کہا — "میں نے تشخیص اب نہیں کی۔ وہ کئی سالوں سے اس مرض کو اپنے اندر پال رہا ہے۔ ہمارے سلطان نے بڑے بڑے طاقتور دشمنوں کو ہی شکست نہیں دی۔ وہ موت کو بھی شکست دیتا چلا آ رہا ہے۔ وہ جتنے عرصے سے جس مرض کا مریض ہے، کوئی اور ہوتا تو کئی سال پہلے مر چکا ہوتا۔ اُس کا اعصابی نظام پہلے ہی تباہ ہو چکا تھا۔ جسم بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت کھو بیٹھا تھا۔ وہ روحانی قوت سے لڑتا رہا ہے۔ سلطان نے ثابت کر دیا ہے کہ ارادہ مضبوط اور عزم بلند ہو، نیت اور مقصد میں عظمت ہو تو روح کی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور جسم کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ سلطان ان خداداد قوتوں کے بل بوتے پر زندہ ہے۔ کیا آپ لوگ سلطان کو قائل کر سکتے ہیں کہ وہ اب ہر طرف سے توجہ ہٹا لیں اور صرف علاج پر توجہ مرکوز کریں؟ .... یہ سلطان کے خاندان پر نہیں، عالمِ اسلام پر احسان

ہو گا۔ یہ ہندوستان کے مسلمانوں پر احسان ہو گا جنہوں نے صدیوں بعد فخر سے سر اُٹھایا ہے اور انہیں ہندوستان میں کھویا ہوا وقار مل رہا ہے۔ سلطان اب اس حالت کو پہنچ گیا ہے کہ اسے بستر سے اُٹھنا نہیں چاہیے۔"

سلطان محمود بستر کا قیدی نہ رہ سکا۔ اُس کا وزیر اور اُس کے سالار اُس کے ماتحت صرف حاکم نہیں تھے بلکہ اُس کے دوست تھے، اُس کے راز داں تھے، اس کے لنگوٹیے یار تھے۔ انہوں نے شانہ بشانہ تاریخ بنائی تھی۔ موت کو آنکھیں دکھائی تھیں۔ بڑے بڑے لمبے کوچ کیے تھے مگر بیماری کی بات ہوئی تو سلطان ان کا قائل نہ ہوا۔ اُس نے سب کو ہنس کر ٹال دیا۔ اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جو قوت مجھ میں ہے وہ تم میں بھی ہے۔ اسے بیدار کرو۔ عزم اور مقصد کو بلند رکھو۔ حکم صرف خدا سے لو، قرآن کو مشعلِ راہ بناؤ۔ روحانی قوتیں بیدار ہو جائیں گی۔

اُس کے گھر والے اور اس کے حکام جب اُس کی صحت کے متعلق تشویش میں تھے اُس وقت سلطان ایک اور جنگی مہم پر روانہ ہو گیا۔ یہ سلجوقیوں کے خلاف تھی۔ سلطان کی غیر حاضری میں سلجوقی ہندوستان کے جاٹوں کی طرح ایک قوت بن گئے اور سلطنتِ غزنی کو بھی للکارنے لگے تھے۔ ان کے خلاف اُس نے آخری جنگ لڑی اور ان کا دم خم توڑ کر اصفہان اور رے کو اپنی سلطنت میں لے لیا اور اپنے بیٹے مسعود کو وہاں کا امیر مقرر کر دیا۔

وہ آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے بلخ چلا گیا مگر آرام نہ کیا۔ اپنی تمام سلطنت کے دورے کرتا رہا، سلطنت کے امور اور مسائل سے الجھا رہا۔ اُس نے ۱۰۲۹ء کا موسم گرما اور سرما بلخ میں گزارا مگر وہاں کی آب و ہوا اُسے راس نہ آئی۔ راس آ بھی نہیں سکتی تھی۔ اب دنیا کی آب و ہوا اُس کے لیے نہیں رہی تھی۔ اُس نے غزنی چلے جانے کا فیصلہ کیا۔

سلطان ۲۰ اپریل ۱۰۳۰ء کے روز غزنی آیا۔ آتے ہی اُس پر نیم غشی طاری ہو گئی۔

طبیب نے دیکھا تو اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اُس نے سلطان کے کان میں کہا "کچھ کہیے سلطان!" سلطان نے اپنا ایک ہاتھ اُٹھایا مگر ہاتھ سینے پر گر پڑا۔ اُس کی بیوی نے بلایا۔ بیٹوں نے بلایا۔ سلطان کی صرف سانسیں چل رہی تھیں۔

اُس کے پاس قرآن خواں بٹھا دیا گیا جو خوش الحان تھا۔ جب قرآن کی آواز سلطان کے کانوں میں پڑنے لگی تو اُس کے چہرے پر مسکراہٹ اور آخری وقت کی سفیدی کم ہوگئی۔ کسی کسی آیت پر اُس کا جسم تھرکتا تھا جس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ سُن رہا ہے، سمجھ رہا ہے مگر بڑے بڑے دہشت ناک دشمنوں کو گھٹنوں بٹھا دینے والا، پتھر کے "خداؤں" کو ریزہ ریزہ کر دینے والا اب بول نہیں سکتا تھا، ہل نہیں سکتا تھا۔

۳۰ اپریل ۱۰۳۰ء (۲۳ ربیع الثانی ۴۲۱ھ) بروز جمعرات شام پانچ بجے سلطان محمود کے ہونٹوں پر تبسم دیکھا گیا اور اس کے ساتھ ہی اُس نے آخری سانس لیا اور دنیا سے سرخروئی کا تبسم لیے رخصت ہوگیا۔

طبیب دھاڑ مار کر رو دیا اور بہ بانگِ بلند کہا۔ "اس شخص نے موت سے بھی ہتھیار ڈلوا لیے تھے!"

تاریخِ اسلام کے بت شکن اور ہندوستان میں احیائے اسلام کے علمبردار کو اُسی رات عشاء کی نماز کے بعد مشعلوں کی روشنی میں فیروزی باغ میں دفن کر دیا گیا۔ وہ زندہ تھا تو یہ باغ اُسے بہت پسند تھا۔ ذرا ستانے کے لیے اسی باغ میں بیٹھا کرتا تھا۔

اُس کے بیٹوں نے مقبرہ تعمیر کرایا۔ اس مقبرے کے ساتھ بہت بے انصافیاں اور زیادتیاں ہوئیں۔ لوگ عقیدت سے مقبرے پر جاتے تھے اور قبر سے مٹی اور دروازوں سے لکڑی کے ٹکڑے برکت کے طور پر تراش کر لے آتے تھے۔ سب سے بڑا ظلم ایک انگریز لارڈ ایلنبرو نے کیا کہ مقبرے کا بڑا دروازہ اکھاڑ کر اس غلط فہمی میں ہندوستان لے گیا کہ یہ سومنات کے مندر کا دروازہ تھا جو سلطان محمود اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ یہ مقبرہ اب اُجڑے ہوئے ایک خاموش کھنڈر کی طرح غزنی سے ڈیڑھ میل دور کھڑا ہے۔

اگر مقبرے کا نشان مٹ جائے تو بھی سلطان محمود غزنوی زندہ و پائندہ رہے گا۔ محمود ایک روایت کا نام ہے۔ اُسے سومنات کے شیو دیو کے وہ ٹکڑے زندہ رکھے ہوئے ہیں جو آج بھی غزنی میں، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں پڑے ہوئے ہیں اور مسلمان ان پر پاؤں رکھ کر گزرتے ہیں۔